اِجتماعِ ضدّین

فی

شانِ قلندر رحمۃ اللہ علیہ

مُصنّفہ

محمد یوسف سہروردی

62

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تصوف و صوفی

در آئینہ

اجتماعِ ضدین

فی

شانِ قلندر رحمۃ اللہ علیہ

از

الحاج چوہدری محمد یوسف بی اے سہروردی

مکان نمبر ۸-A گلی نمبر ۳ دھرم پورہ
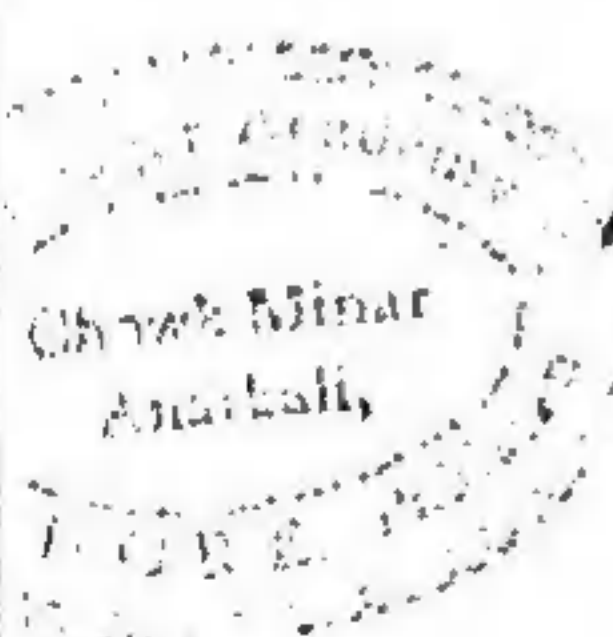
ناشر: ------ محمّد یوسف سہروردی
مطبوعہ ------ دین محمّدی پریس لاہور
بار: ------ اوّل
تعداد: ------ ایک ہزار ۱۰۰۰
قیمت: ------ چھ روپے
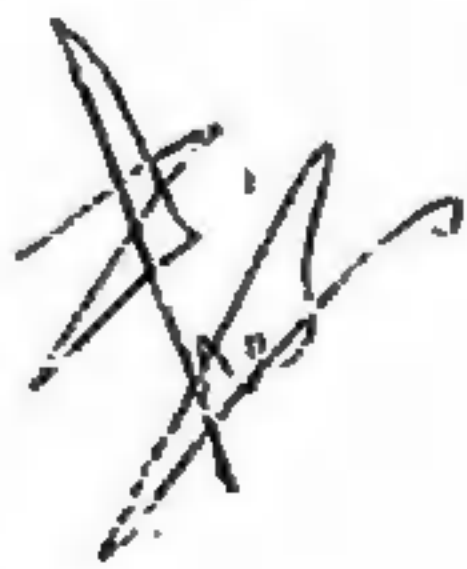
التجا بدرگاہِ حقیقت امر

اپنی صورت کے صدقے میں اس ذرّہ ناچیز کو شانِ قلندر رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کی وُہ قوّت دے جسے سندِ دوام اَور قبولیتِ تام حاصل ہو۔ اَور اُن سطور کے لکھنے کی توفیق عطا فرما جن سے تصوّف و صوفی کا صحیح تصوّر واضح ہو اَور تیرے بندے نام نہاد درویشی کی عیاّریوں سے محفوظ رہیں۔ آمین

محمّد یوسف سہروردی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۵

سببِ تصنیف

ے بتوفیقش کہ او نامے نہ دارد

پیدا فرمایا۔ اللہ عزوجل نے عقل کو۔ کہا کھڑی ہو۔ پس کھڑی ہوگئی۔ پھر فرمایا
پیٹھ پھیر۔ پس پھیری پیٹھ فرمایا سامنے منہ کر۔ پس سامنے منہ کیا۔ فرمایا نہیں پیدا
کیا میں نے مخلوق سے افضل تر تجھ سے۔ پس میں دونگا نعمت ساتھ تیرے۔ غضب
کروں گا ساتھ تیرے۔ درجات پائینگے لوگ ساتھ تیرے۔ ذلیل و خوار ہوں گے
بسبب تیرے ہوں گے۔ لوگ بہت نمازیں پڑھنے والے۔ بہت روزے رکھنے
والے۔ بہت حج کرنے والے اور بہت زکوٰۃ دینے والے۔ لیکن پائینگے جزا ساتھ

رکھنے تیرے کے "

مندرجہ بالا ایک حدیث پاک کا ترجمہ ہے ۔ جو میں نے مشکوٰۃ شریف میں دیکھا ۔ جب یہ جانا کہ عقل سب سے افضل ہونے کے باوجود معرفتِ ذاتِ حق سے قاصر ہے ۔ گو معرفتِ راہِ حق میں ساتھ دیتی ہے ۔ تو اس کی وجہ اور سبب میں کتاب ھٰذا لکھی گئی ۔ وباللہ التوفیق ۔

عقل و حس اور حقیقی عقل
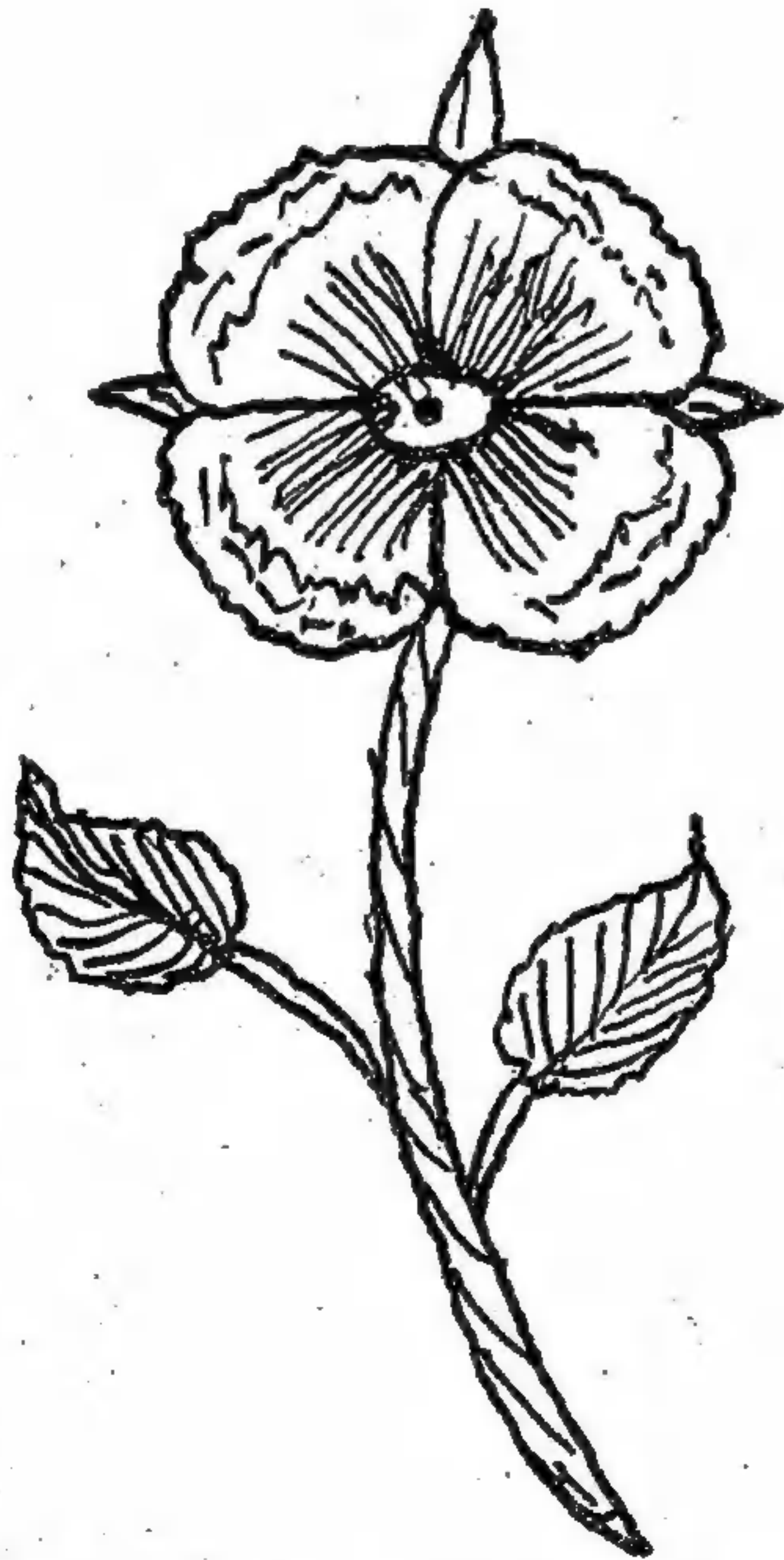
پیشتر اِس کے کہ اصل مضمون کی طرف رجوع کیا جائے عقل کی تعریف کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔ کہ ایک عام مغالطہ کا انسداد ہو جائے۔ کلامِ پاک میں لفظِ عقل یہاں کہیں آیا ہے۔ اِس کا اطلاق مومن کے ساتھ ہے۔ یعنی ایمان اور عقل دونوں کا رابطہ ہے۔ شرک صرف غیر عاقل پر ڈالا گیا ہے۔ پس مومن اگر حواس و تجربہ میں ناقص اور بھولا بھالا ہو بلکہ دماغ کی چوٹ سے مثل حبّان بن منقذ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، مختل ہو۔ کسی صورت میں بے عقل حقیقی نہیں ہے مگر عوام کی عقل نہیں رکھتا۔ جسے دوسرے الفاظ میں حواس و تجربہ کہا جا سکتا ہے۔ کیونکہ کافر اگر حواس و تجربہ میں کامل بھی ہو۔ درحقیقت وہ بے عقل ہے۔ کیا ہمیں اس کا اعتراف نہیں ہے۔ کہ جس نے اپنی ذات کے پیدا کرنیوالے خالق عزوجل سے جہالت اختیار کی۔ اِس سے زیادہ جاہل اور بے عقل کون ہوگا۔ یہ معنی عقل کوئی جدید نہیں ہیں۔ شرع الٰہی میں عقل کی حقیقت یہی ہے۔ اور لغتِ عوام تو لغت کفر ہے۔ اور جب کافر کو بغیر ایمان کے یہ عقل نصیب ہی نہیں ہوئی تو یہ معنی کہاں سے بیان کرے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم معنی پر نظر کریں خالی لفظ کی بحث سے کیا فائدہ ہوگا۔ ایک انسان اگر اپنے پیدا کرنے والے کے سامنے اِس کے حکم کے مطابق سر بسجود نہیں ہوتا۔ تو اِس کا غیر سے تواضع وانکساری کا برتاؤ کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔ مکارمِ اخلاق و خصائل حمیدہ الگ ہیں اور عقل حقیقی ایک الگ جوہر۔ اوّل الذکر کافر و مومن دونوں میں ہو سکتے ہیں۔ اور کافر کو دنیا ہی میں اُن کے نتائج پسندیدہ سے سرفرازی حاصل

ہو سکتی ہے ۔ پس اگر عقلِ حقیقی کے ساتھ ہو تو کس درجہ کرامت تک پہنچے گا۔ یہ عقلِ حقیقی جو اوپر بیان کی گئی ہے معرفت راہِ حق میں پوری پوری ممد و معاون ہے ۔ اور ایک بندہ خدا کو کہیں سے کہیں پہنچا دیتی ہے لیکن اِس پیدا کرنے والے کی ذات تک اس کی بھی رسائی نہیں ہے ۔ وہم و گمان و قیاس تو اس سے بہت کم درجہ رکھتے ہیں ۔

عقل و علم اور اس میں فرق

عقل کی تعریف کے بعد اگر لفظِ علم پر غور کیا جائے ۔ تو بظاہر دونوں میں کوئی نمایاں فرق نہیں ہے ۔ لیکن جس طرح شرح الٰہی میں جوہرِ عقل صرف ایمان کے ساتھ تعلق رکھتا ہے ۔ برعکس اِس کے جوہرِ علم ہر کافر و مومن میں پایا جا سکتا ہے ۔ کلامِ پاک میں متعدد جگہ الفاظ یعقلون اور یعلمون آتے ہیں جن کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے ۔ کہ علم ہر شے کا ہے لیکن عقل صرف معرفتِ الٰہی سے وابستہ ہے ۔ علم سیکھنے سکھانے سے حاصل ہوتا ہے لیکن عقل خداداد عطیہ ہے ۔ العلم دانستن ہے نہ کہ العلم خواندن یا یافتن ۔ یعنی کسی شے کے جاننے کا نام علم ہے نہ کہ اِس کو پا لینے کا ۔ اپنے وسیع معنوں میں کسی شے کا علم اس شے کی ابتدا سے حال تک کی جتنی حالتیں (Phases) ہیں ان کا جاننا اس کا علم ہے اور اِس شے کا صحیح استعمال عقل ہے ۔ جیسے عقل عوام کہتے ہیں یا حس و تجربہ ۔ میز و کرسی کتابیں ۔ کس چیز سے بنائی گئی ہیں اور کون کونسی صفت ان کی تکمیل کے لئے بروئے کار لائی گئی ۔ یہ ان کا علم ہے ۔ انہیں کس جگہ اور کس واسطے استعمال کیا جا سکتا ہے اور ان سے کیا کیا فوائد حاصل ہو سکتے ہیں ۔ یہ عقل ہے ۔ یعنی عقلِ عوام یا تجربہ ،

کتاب اللہ و حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

کلامِ اللہ عزوجل کا نام قرآن ہے۔ اور کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام حدیث پاک۔ جو کہ قرآنِ پاک کی تفسیر ہے۔ اِس کتاب کے علاوہ دنیا کی جتنی کتابیں تصنیف کی گئی ہیں اُن کے مطالعہ کے بعد اور ان میں مندرج مضامین کے مفہوم کے بعد پڑھنے والا کسی ایک نتیجہ پر پہنچ جاتا ہے اور اسے بار بار پڑھنے کی کوشش نہیں کرتا۔ برخلاف قرآن پاک کے کہ جامع علم رکھنے والے اور بڑے بڑے فصیح و بلیغ جن کو عربی زبان پر قدرت تامہ حاصل تھی اور حاصل ہے اسے سمجھنے اور کسی ایک نتیجہ پر پہنچنے سے قاصر ہیں لفظ قرآن ہی اس کا شاہد ہے کہ یہ قابل قرائت ہے جتنی مرتبہ تلاوت کرو پھر بھی قابل قرائت (قرآن) ہی رہے گا۔ اور دین و دنیا کی ہر ایک منزل کے لئے مطالعہ کرنے والے پر جداگانہ حیثیت سے اِس کے گمان کے مطابق معانی دے گا۔ عامۃ الناس سے لے کر مرتبہ صدیقیت رکھنے والے تک یہ کتاب اپنے میں علیحدہ علیحدہ خزانہ رکھتی ہے۔ کسی کیلئے ایمان بالغیب ایمان ہے اور مشاہدہ کرنے والوں کے لئے یہی ایمان بالغیب کفر۔ کہیں مال و اولاد کو فتنہ فرمایا تو دوسری جگہ اِن کو خیر کے نام سے یاد دلایا۔ وعلیٰ ہذا القیاس یہ تمام ضدیں انشاء اللہ اپنی اپنی جگہ تفصیل کے ساتھ بیان کی جائیں گی۔ یہاں صرف یہ ثابت کرنا ہے کہ عقل جیسا جوہر کما حقہٗ اس کے ادراک سے قاصر ہے۔ اسی طرح حدیث پاک بھی ہر ایک کے لئے اس کے اپنے گمان کے مطابق معانی رکھتی ہے۔
محدثین کرام کا یہ ہم پر کرم ہے کہ انہوں نے حدیث پاک کو ایک ایسی کتاب کی شکل میں پیش کر دیا ہے جن سے علیحدہ علیحدہ ابواب بآسانی مطالعہ ہو سکتے ہیں۔ اگر اِس کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیات طیبہ پر ہی چھوڑا جاتا۔

اور جس طرح آپ کے اقوال و افعال آپ سے صادر ہوئے اس ترتیب سے نقل کئے جاتے تو یہ کتاب بھی کتابِ الٰہی کی طرح کسی باب کی منت کش نہ ہوتی اِن دونوں کلام کی مثال دو دائروں کی طرح ہے جن کا اوّل آخر ہے اور آخر اوّل۔ جن کا ظاہر باطن ہے اور باطن ظاہر۔ مختلف عقائد کے لوگوں کی لکھی ہوئی تفاسیر کے مطالعہ سے بھی یہ بات آسانی سے واضح ہو جاتی ہے۔ کہ اگر ایک گروہ ایک آیت شریفہ کی تفسیر میں کچھ احادیث شریف پیش کرتا ہے جن کو وہ اپنے عقیدہ کی تائید میں لکھتا ہے۔ تو دوسرا گروہ اُسی آیت شریفہ کی تفسیر میں دوسری وہ احادیث نقل کرتا ہے۔ جو اوپر والی احادیث کی ضد ہوتی ہیں۔ پہلا گروہ اپنے آپ کو مندرج تائیدی احادیث کی بنا پر راستی پہ سمجھتا ہے۔ تو دوسرا گروہ دوسری احادیث سے اُسی آیت شریفہ کے تحت اُن کا ردّ پیش کر کے اپنی سچائی بتاتا ہے۔ درحقیقت بات یہ نہیں۔ ایسے گروہوں کو جو اپنی اپنی عقل کے مطابق احادیث پیش کر کے ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالنا شروع کر دیتے ہیں۔ دونوں اپنے مقاصد میں ناکام رہتے ہیں۔ اور بجائے تحسین کے نفریں مول لیتے ہیں متقدمین حضرات رحمہم اللہ علیہ کو چھوڑ کر میرا روئے سخن اِس دورِ جدید کے نام نہاد علماء کی جانب ہے۔ جو آئے دن ایسی بحثوں میں پڑ کر مسند ارشاد حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ کیا اچھا رہے اگر ان میں سے ہر ایک بغیر دوسرے کے ساتھ اُلجھنے کے اپنے خیال کو زیبِ قرطاس کرتا ہوا بعد میں اِس کا اعتراف کر دے۔ جیسا کہ متقدمین حضرات کی عبارات میں پایا گیا ہے۔ واللہ اعلم، فافہم باللہ، وھو التوفیق وغیرہ۔

جس طرح ان دونوں کلاموں میں ہر طرح کی غذا موجود ہے اسی طرح بنی نوع انسان میں ہر طرح کے معدے موجود ہیں اور اپنے موافق غذائیں لیکر ہضم کرتے ہیں اور زندگی گذارتے ہیں۔ تفرقہ کی اصل وجہ یہی ہے اور یہ اختلاف رائے ہے جو کہ صحت کی دلیل ہے۔ فساد اس وقت پیدا ہوتا ہے

جب یہ اختلاف رائے ۔ اختلاف راہ کی صورت اختیار کر لیتا ہے اور ایک غذا والے معدے یہ سمجھ کر کہ ہم ہی زندہ رہنے کے حقدار ہیں دوسروں کو کوئی حق زندگی حاصل نہیں اُن کو طرح طرح کی بدمزہ اور کڑوی اشیا دے کر اپنے سے برگشتہ کر دیتے ہیں ۔ میں نے کشف المحجوب میں ایک مشہور واقعہ پڑھا کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو برسر اقتدار فرقہ معتزلہ نے کلام اللہ کو مخلوق کہنے پر مجبور کیا اور اُن کے انحراف سے سزا کے طور پر ایک ہزار کوڑے لگانے کا حکم بادشاہ وقت کی طرف سے صادر ہوا ۔ اثنائے سزا میں اُن کا آزار بند ڈھیلا پڑ گیا اور غیبی ہاتھ کے نمودار ہونے سے پھر بندھا گیا ۔ یہ حضرت اس درد سے چند دن بعد وفات پا گئے جب صاحب فراش تھے تو اُن کے ساتھیوں نے دریافت کیا کہ یوم حساب اگر ان سزا دینے والوں کا معاملہ آپ کے سپرد کیا گیا ۔ تو آپ اِن سے کیا برتاؤ کرو گے ۔ فرمایا کہ میں اِن کو معاف کر دوں گا ۔ اور کچھ مواخذہ نہ لوں گا ۔ کیونکہ انہوں نے اپنے زعم میں اپنے آپ کو حق پر جانا ۔ اور مجھے باطل پر ۔ اگر یہی اُسوہ زمانہ حال کے علماء میں آ جائے تو یہ اختلاف رائے رحمت ہو جائے ۔

عمل اور حقیقتِ عمل

عام طور پر دیکھا گیا ہے ۔ کہ لوگ اپنے اعمال کو اپنے مراتب کی علت سمجھتے ہیں اور مشہور بھی یہی ہے کہ جیسا کرو گے ویسا بھرو گے ۔ تجربہ کی بنا پر بھی یہی راست آتا ہے کہ نیک اعمال کرنے والے ۔ متقی ۔ پرہیزگار ۔ صوفی وغیرہ کے ناموں سے یاد کئے جاتے ہیں اور بُرے اعمال کرنیوالے ۔ فاجر فاسق ۔ بدمعاش وغیرہ ہوتے ہیں اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا عمل درجہ بناتا ہے یا درجہ عمل ۔ کتاب الٰہی میں سب سے پہلے متقی کا ذکر یوں آتا

ہے۔ کہ اس کتاب میں کوئی شک نہیں اور یہ متقیوں کے لئے ہدایت ہے۔ گویہ صاف ظاہر ہے کہ تقویٰ اس کتاب کے مطالعہ اور اس پر عمل کرنے سے ہی ہوگا۔ جیسا کہ روزوں کی آیات مبارکہ میں ہے کہ اے ایمان والو تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں تاکہ تم متقی ہوجاؤ۔ جب تک قرآن پڑھا ہی نہیں روزہ رکھا ہی نہیں تو تقویٰ کیسے آجائے گا۔ اور ہدایت کیسے پائے گا۔ لیکن اس کتاب میں جیسے کہ معلوم ہوا کہ درجہ اتقا پہلے ہے اور مطالعہ کتاب بعد۔ زیادہ آسان کرنے کے لئے میں اپنے شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مقولہ لکھ دیتا ہوں۔ فرمایا کرتے تھے کہ لوگ ریلوے اسٹیشن لاہور پر حاجی صاحبان کو گاڑی پر سوار کرنے جاتے ہیں یونہی وہ گھر سے عزم حج کے لئے قدم باہر رکھتا ہے۔ اللہ عزوجل اُسے حاجی کا لقب دے دیتا ہے ابھی حج کا فریضہ ادا کرنے میں بے شمار مراحل پیش نظر ہیں جن سے اُس نے گذر کر وقوف عرفات کرنا ہے۔ ایسے ہی دولہا کی مثال بیان فرمایا کرتے تھے کہ دولہا گھر سے نکلتا ہی یہ لقب حاصل کرلیتا ہے حالانکہ یہ درجہ اُسے نکاح کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ میں نے بازار میں ایک دکان پر لکھا پایا۔ آٹا پیسنے کی مشین۔ استفسار پر جواب ملا کہ اس میں چکی ہے جو دانے پیستی ہے اور آٹا نکلتا ہے آٹا پیسا نہیں جاتا۔ دانے پیسے جاتے ہیں۔ لیکن بولنے میں آٹا پیسنے کی مشین ہی آئے گی۔ مخلوقات میں سے بعد از انبیاء علیہ اسلام حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ واقع ہے کہ آپ کو مرتبہ صدیقیت شب معراج ختم ہونے پر طلوع آفتاب کے ساتھ ہی مکہ مکرمہ میں مل گیا تھا۔ گو ابھی اعمال کی دنیا اور اُن کے زہد و تقویٰ کے کارناموں کے لئے عرصہ دراز باقی تھا۔ یہ مرتبہ روحانی مراتب کا سردار ہے اور عقل کا تقاضا ہے کہ اس کے لئے بہ نسبت اور مراتب کے زیادہ ریاضات و مجاہدات کی ضرورت ہونی چاہیئے لیکن ایسا نہیں ہوا۔ ان چند مثالوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ درجات ازلی ہیں اور ان کے ساتھ اُن کے مطابق اعمال بھی۔ مراتب

افعال پر مبنی نہیں ہیں بلکہ مرتبہ کے موافق افعال سرزد ہوتے ہیں ۔ اگر درجہ اعلیٰ ہو ۔ تو یہی کلامِ الٰہی نفع بخش ہے اور اگر بخت بد ہو تو یہی کلامِ الٰہی خسارہ ہے خود اِس کلامِ پاک کا اعلان ہے کہ "یضل بہٖ کثیرًا ویھدی بہٖ کثیرًا" "تنفع المؤمنین اور ما یزید الظالمین الّا خسارًا" لیکن اِن سطور سے یہ نتیجہ نکالنا کہ عمل کی حقیقت کچھ نہیں یہ بھی غلطی ہے کلامِ پاک اور حدیث شریف کے بغور مطالعہ سے مراتب و اعمال کے دونوں پہلو یکساں اور آپس میں ملے ہوئے نظر آئیں گے ۔ ایک طرف تو آپ کہیں گے کہ ۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

تو (۱) دوسری طرف حدیث شریف سامنے آئیں گی ۔ کہ ایک انسان جنتیوں کے سے عمل کرتا ہے حتیٰ کہ اُس میں اور جنت میں ایک بالشت بھر کا فاصلہ رہ جاتا ہے لیکن تقدیر کے سبقت کرنے سے وہ دوزخی ہو کر مرتا ہے اور ایک شخص دوزخیوں کے سے کام کرتا ہے حتیٰ کہ اُس میں اور دوزخ میں بالشت بھر کا فاصلہ رہتا ہے آخر تقدیر سبقت کرتی ہے اور جنتی ہو کر مرتا ہے ۔

(۲) اِس حدیث شریف کی ضد حدیثِ قدسی ہے کہ کثرت نوافل سے جو ایک شخص رات کو ادا کرتا ہے ۔ اللہ عزوجل کا مقبول ہو جاتا ہے ۔ حتیٰ کہ اُس کے ہاتھ ۔ پاؤں ۔ کان ۔ آنکھ ۔ زبان وغیرہ اللہ عزوجل سے نسبت رکھنے لگتے ہیں اور اُس کا قول و فعل اللہ عزوجل کا قول و فعل ہوتا ہے یہاں تقدیر کا ذکر نہیں فرمایا ۔

(۳) حدیثِ پاک ۔ انّما الاعمال بالنّیّات کے تحت عمل کا ایک اور پہلو یہ بھی ہے جس کی مثال یوں دی جا سکتی ہے کہ ایک شخص مسجد کے دروازے کے باہر ایک کونٹھی اِس نیت سے گاڑ دیتا ہے کہ کوئی مسافر باہر

سے آنے والے اپنی سواری کو اِس کونٹھی کے ساتھ باندھ کر مسجد میں اطمینان کے ساتھ نماز پڑھ لے۔ لیکن کچھ دیر بعد ایک نمازی مسجد کے اندر سے باہر نکلتا ہے اور اُس گاڑھی ہوئی کونٹھی کو اکھیڑ دیتا ہے۔ اِس نیت سے کہ یہ کسی نمازی کے لئے ٹھوکر کا باعث نہ بنے۔ یہاں تک عمل کا تعلق ہے ایک کا دوسرے کے برعکس ہے لیکن یہاں تک ثواب کا تعلق ہے دونوں اپنی اپنی نیت کا ثواب حاصل کرتے ہیں اور دونوں اس میں مساوی ہیں۔

مندرجہ بالا احادیث کی روشنی سے معلوم ہوا کہ حدیث نمبر ا میں تقدیر مقدم ہے حدیث نمبر ۲ میں عمل مقدم ہے اور حدیث نمبر ۳ میں نیت مقدم ہے یہ چند مثالیں کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بطور تفہیم محض اس لئے پیش کی گئی ہیں تاکہ معلوم ہو سکے کہ عقل ان دونوں کے پانے سے قاصر اور کوئی معیار قائم نہیں کر سکتی۔ مفسرین اکرام اور محدثین عظام نے بحرِ تطبیق میں غوطہ لگا کر اس تضاد کو مٹانے کی کوشش کی ہے اور اس کی جامع بحث طحاوی شریف کی جلدوں میں بھی موجود ہے امام طحاوی چونکہ مسلک اہل سنت و جماعت سے تعلق رکھتے ہیں اور اپنے School of thought کے بلند پایہ ہستیوں میں سے ہیں۔ لیکن دوسرے مسلک کے گروہوں کے لئے اعتراض کی گنجائش پھر بھی باقی رہتی ہے۔ بہر کیف اِن ہر دو کلاموں کو قیامت تک کے لئے کار فرما مانتے ہوئے ہمیں کوئی حق حاصل نہیں کہ کسی کلام کو تو اس کے شان نزول تک ہی چھوڑ دیں کسی کو منسوخ تصور کر لیں۔ کسی کو کسی خاص انسان یا قوم تک ہی محدود رکھیں۔ ایمان تو یہ ہے کہ اِن دونوں بیانوں کو اپنی اپنی جگہ قائم رہنے دیں اور اُس خدائے عزوجل سے توفیق موافقت مانگیں۔ وباللہ التوفیق

کسی کلام کا معیار دو طرح پر موقوف ہوتا ہے ایک تو کلام کرنے والے کی اپنی حیثیت پر۔ دوسرے مخاطب کی معیار عقل پر۔ یعنی تکلّم النّاس

علےٰ قدرِ عقولہم' کے تحت - اب دیکھنا یہ ہے کہ کلام اللہ اور کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیان کردہ دونوں معیاروں میں سے کس معیار پر ہیں - کیا یہ کلام متکلم کی شان سے والبستہ ہیں یا مخلوق کی عقلوں سے اگر بالغرض اسے ایک درجہ دیا جائے تو دوسرے درجے کا تناقص لازمی طور پر واقع ہوگا - اور کسی شخص کا مقدور نہیں کہ ان کلاموں کو ایک معیار پر رکھے - اگر کہیں کہ یہ کلام متکلم کی شان کے مطابق ہیں تو متکلم کی شان کا پایہ عقل عالم سے ورآ ہے اور کلام اللہ و حدیث پاک کی کنہ مسلم اور واضح - دوسری جانب اگر صرف یہی مان بیٹھیں کہ کلام ہماری عقلوں کے مطابق ہے اور متکلم کی حیثیت کا اس میں دخل نہیں تو یہ بے ادبی اور گمراہی ہوگی - کیونکہ ہماری عقلیں متکلم کے سامنے بمنزلہ صفر ہیں - بہر صورت ہمیں ان دونوں معیاروں کو جمع کرنا پڑے گا - قابل غور بات یہ ہے کہ جیسے اس کلام الٰہی کی حفاظت کا ذمہ خود صاحبِ کلام نے اپنے پر رکھا ہے - اور باوجود اس کے کہ قیامت تک اس کے اصلی متن میں کوئی فرق نہیں آسکتا اس کی تفہیم پھر بھی قیامت تک کے انسانوں کے لئے جداگانہ ہے اور جداگانہ رہے گی - اس خوبی کی وجہ سے اس کلام پاک کے معیار کا قائم کرنا محال ہے - فرد ہو یا جماعت اور اپنے میں دینی مقاصد رکھتے ہوں یا دنیوی اپنی اپنی استطاعت کے مطابق جھولیاں بھرے جاتے ہیں - بعینہٖ حدیث پاک اپنی اپنی گوناگوں اور بوقلموں رنگینیوں کی وجہ سے ہر ایک کے لئے اس کے مرتبے کے مطابق پورا پورا خزانہ رکھتی ہے -

اجتماعِ تضاد اور اختلاف و عوج

اِس آیۂ کریمہ کے ماتحت کہ لوکان من عند غیر اللہ لوجد فیہ اختلافًا کثیرًا یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ کلامِ پاک میں اختلاف و تعارض یا کسی ٹیڑھے پن (عوج) کا دخل نہیں۔ اختلاف کو اجتماعِ تضاد سے ملانا سراسر غلطی ہے۔ اختلاف کے معنی یوں سمجھ لیجئے کہ یہ کلام ازمنہ و احوال کے اثر سے نہیں بدلا اور اس نے کسی اعراب تک کا فرق قبول نہیں کیا۔ مختلف دوروں میں یہ اختلاف سے مبرّہ رہا اسی طرح اس کی عبارات میں کسی جگہ عوج نہیں پایا جاتا۔ برعکس اس کے یہ کلامِ الٰہی اور اس کی تفسیر حدیثِ پاک اپنے میں اجتماعِ تضاد کے حامل ہیں جن کی مثالیں اپنی اپنی جگہ تفصیل سے بیان کی جائیں گی۔ یہاں صرف یہ بتانا ہے کہ یہی اجتماعِ تضاد عقل و فکر کو چکّر میں ڈالتا ہے اور ان کلاموں کی کنہ کو پانے سے عاجز کر دیتا ہے چنانچہ کسی ایک آیت پاک کو یا کسی ایک حدیث پاک کو سند کے طور پر کسی ایک خاص نتیجہ کے لئے لازم پکڑنا ناانصافی ہوگی۔ کیونکہ اجتماعِ تضاد کے طور پر کئی ایک آیاتِ مبارکہ یا احادیث شریفہ بھی مطالعہ سے مل سکیں گی۔ طرّہ یہ ہے کہ یہ اجتماعِ تضاد بیک وقت کارفرما ہے۔ اگر اللہ عزوجل ربّ العٰلمین ہے تو یہی کلام پاک اُسے غنیٌّ عن العالمین کہتا ہے۔ ایک طرف تربیت ہے تو دوسری طرف بے پروائی۔ اسی طرح حدیثِ پاک میں اگر ایک جگہ من عرف ربّہ کلّ لسانہ تو دوسری جگہ من عرف ربّہ طال لسانہ ہے کلامِ پاک الحمد شریف سے لے کر والناس تک پڑھ جائیے ہر آیت میں اجتماعِ تضاد کی لہریں دوڑتی ہوئی نظر آئیں گی۔ گویا ایسا معلوم ہوگا کہ یہ کتاب

مدو جزر کا ایک بے پایاں سمندر ہے جس میں ہدایت و گمراہی کی لہریں انسانیت کے ساتھ کھیل رہی ہیں اور ہر ایک کے مقدّرات کے مطابق اسے اپنی اپنی آغوش میں لے رہی ہیں۔ اسی اجتماع کی وجہ سے یہ کلام نہایت دقیق و باریک ہیں اور عقلِ عام انہیں عبور نہیں کر سکتی۔ ہاں عقل شرعی جسے پہلے ایمان کے لفظ سے بھی لکھا گیا ہے اسے تمیز کے میدان میں رکھ سکتی ہے اور صاحبِ کلام کی توفیق سے ارتقائی منازل طے کر سکتی ہے۔ اِس اجتماع تضاد کا ایک اور پہلو بھی کلامِ پاک میں پایا جاتا ہے۔ یہ کلام ازلی ہے اور ہمارے کلاموں کی طرح کسی آلہ کا محتاج نہیں جس سے یہ نکلے جس طرح کہ انسانی کلام زبان کا محتاج ہے اس طرح یہ کلام پاک کوئی اختتام نہیں رکھتا بلکہ ابدی ہے۔ برخلاف انسانی کلام کے جس کا ختم ہونا لازمی ہے اللہ کا کلام ہونے کی حیثیت سے یہ الآن کما کان والی حیثیت کا متحمل ہے۔ جیسے صاحبِ کلام ہے ویسے ہی اُس کا کلام۔ نزول کلام پاک کو اصل کلامِ پاک سے کوئی تعلق نہیں۔ اگرچہ اس کے نازل ہونے میں بھی اعجاز پوشیدہ ہیں۔ کبھی یہ کلام بیک وقت ایک رات میں نازل ہوتا ہے۔ کبھی ہر سال یہی کلام رمضان المبارک کے مہینہ میں جبرائیل علیہ السلام کی معرفت دوہرایا جاتا ہے اور کبھی ٹکڑے ٹکڑے تئیس سال میں انسانی کانوں تک پہنچتا ہے پس ثابت ہوا۔ کہ کلامِ پاک کا ایک پہلو جو ازلی ابدی ہے۔ کسی زمان و مکان کا محتاج نہیں۔ نہ زبان کو انتظار گفتن میں رکھتا ہے اور نہ گوش کو حسرتِ شنیدن دیتا ہے۔ سننے والے اس کے وعدوں کو اور اس کی وعیدوں کو اب بھی ویسے ہی سن رہے ہیں۔ جیسے میثاق میں سُنا تھا۔ اِس کے واقع کو اب بھی چشم دل سے ویسے ہی دیکھ رہے ہیں جب کہ واقع ظہور پذیر ہوتے تھے۔ دوسرا پہلو جو عوام کے سامنے ہے اور ہر ایک کے لئے مختلف مراتب رکھتا ہے الفاظ و اوراق کی صورت میں

ملبوس ہے۔ یہ اپنے اندر ابتدا و انتہا دونوں رکھتا ہے۔ کسی کیفیت کے پیدا کرنے سے پہلے یہ آلات کا محتاج ہے اور اول الذکر پہلو کی ضد ہے غرضیکہ اس کلامِ پاک کو ہم کسی ایک معیار پر جگہ دینے کے لئے عاجز ہیں۔ انسانی عقلیں جو جو معنی اِس کلام سے اخذ کرتی ہیں۔ وہ اصل میں ان کا اپنا مرتبہ ہے نہ کہ اصل کلام۔ مطالعہ احادیث و تفاسیر اِس کا شاہد ہے قولہٗ تعالیٰ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَ اَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ، جس تفسیر میں بھی دیکھا یہی پایا کہ عورتیں تمہاری پردہ پوش ہیں اور تم عورتوں کے پردہ پوش ہو۔ لیکن کتاب کشف المحجوب میں داتا صاحب علی ہجویریؒ اس آیتہ مبارکہ کا مفہوم یوں بیان فرماتے ہیں کہ عورتیں راہِ معرفت میں تمہارے لئے حجاب ہیں اور تم راہِ معرفت میں اُن کے لئے حجاب ہو۔ گویا کہ نظریہ ہی بدل دیا۔ اس طرح قولہٗ تعالیٰ اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ، کے تحت ایک گروہ تو مارے خوف کے لرزاں ہے کہ اللہ عزوجل اپنی گرفت سے بچائے کس کو تاب ہے کہ اس ہستی کے عذاب سے کسی طرح بچ سکے۔ لیکن دوسرا گروہ اس آیت مبارکہ کو پڑھ کر خوشی میں وجد کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر وہ گرفت فرمائے تو اور کیا چاہیے وہ اپنی پکڑ میں لے تو باقی تمام گرفت سے نجات ہو جائے۔ نہ شیطان کی گرفت میں آئیں اور نہ خواہشات کی گرفت ہمیں پا سکے۔ یعنی ایک گرفت سے باقی ساری پکڑیں فنا ہو جائیں۔

میں انشاء اللہ تعالیٰ اجتماعِ ضدین کو جو یہاں اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اپنی جگہ ایک مستقل باب کی صورت میں پیش کروں گا جو کہ مدعی کے لئے اِس کے دعوٰے کو باطل کرنے کے لئے حجت ہو گی اور اسے اپنے دعوٰے سے باز رہ کر بے بسی و عاجزی کی وادیوں میں سرگرداں ہونا پڑے گا۔ کیونکہ اس راہ میں کمال بے کمالی ہے۔

اللہ اور اُس کی تعریف

کائنات کی کوئی شے نہیں جس کی تعریف نہ ہو سکے۔ ہر شے جس کو الفاظ
کا جامہ پہنایا جاسکتا ہے۔ تعریف کے دائرہ میں آسکتی ہے۔ سوائے
لفظ اللہ کے۔ تعریف کے لئے علم اصول کے ماتحت کسی شے کا اصل
(Genus) معلوم ہونا ضروری ہے۔ جس کو قسم اور جنس بھی کہا
جاتا ہے۔ پھر اس اصل سے اس شے کی فصل کی تمیز اِس کی تعریف ہے۔
مثال کے طور پر لفظ "زنجیر" لے لو۔ اس کی تعریف کے لئے اِس کی اصل
یعنی لوہا کو تصوّر میں لانا پڑے گا پھر اُسکی فصل یعنی یہ لوہا حلقہ دار کڑیوں
کا سلسلہ ہے اس کی تعریف ہوگی۔ اِنسان کی تعریف میں اسے حیوان ناطق
کہا جاتا ہے۔ یعنی اِس کی اصل حیوان ہے۔ جو کہ ہر جاندار چیز پر بولا جاسکتا
ہے جس میں کہ زندگی ہو۔ لیکن یہ حیوان باقی حیوانات سے یوں ممیّز ہے کہ
یہ قوت گویائی رکھتا ہے جو کسی اور حیوان میں نہیں پائی جاتی۔ اِس فصل گویائی
نے اسے اور حیوانات سے علیحدہ کر کے اِس کی تعریف میں اسے حیوان
ناطق کا خطاب دیا۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔

اللہ عزوجل کی تعریف اِس لئے محال ہے کہ اِس کی کوئی اصل نہیں جس
سے یہ نکلا ہو۔ یہ خود اصل ہے باقی سایہ۔ حقیقتاً موجود اور ہر صفت کمال
کے ساتھ موصوف ہے۔ اِس کی ازلیت بلا سبب اور ابدیت بلا علت۔
اسے اگر لفظ اللہ بھی نہ دیا جائے۔ تو پھر بھی اِس ہستی میں کوئی نقصان
نہیں پیدا ہوتا۔ جب یہ لفظ سے بھی پاک ہوا تو اس کی تعریف محال ٹھہری
یہاں ایک مغالطہ کا ازالہ کرنے کے لئے یہ بیان کر دینا ضروری سمجھا جاتا ہے کہ کسی
شے کو قابلِ تعریف گردانا اور ہے اور اُس کو تعریف کے دائرہ میں احاطہ کرنا اور

اللہ عزوجل کی تعریف نہیں ہو سکتی گو سب تعریفیں اس کے لئے ہیں۔ اِس لئے لفظ (الحمد للّٰہ فرمایا۔ کسی متکلم کے ساتھ اُس کی تعریف وابستہ نہیں کی گئی۔ کیونکہ یہ طاقت سے باہر ہے کہ کوئی اس کی تعریف کر سکے۔ سب تعریفیں واسطے اللہ کے ہیں یہ الفاظ ہرگز ہرگز ثابت نہیں کرتے کہ کوئی کلمات میں اِس کی تعریف کر سکتا ہے۔ تعریفیں گو سب اُسی کا حصّہ ہے لیکن مقدور کسی کو بھی نہیں کہ اُس کی تعریف کر سکے۔ پس جب ہماری حمد کرنی اِس کمال کے شایاں نہ ہو سکی تو ہماری بے بسی ظاہر اور ہماری عاجزی عیاں ہمیں اعتراف کرنا پڑے گا۔ کہ وُہ ہستی عبارات واستعارات اور تعریفات سے منزّہ ہے اور ہمارا اِس ذات میں تفکّر و تدبّر بے سود۔ اور بقول حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ اس ذات کو وہم میں لانا بھی کفر ہے۔ عجب تو یہ ہے کہ ہم اس کی تعریف جو تعریفات سے پاک ہے اور اس کی تسبیح جو تسبیحات کی حاجت نہیں رکھتا کئے جائیں لیکن اسے کوئی نام بھی نہ دے سکیں۔ میں نے ایک منتہی فقیر کا کلام پڑھا جس میں لکھا پایا کہ برائے تسلیٔ دل اللہ نام دادہ اند۔ جس کا مطلب بھی یہی نکلا۔ کہ وہ ناموں سے پاک ہے پھر عجب تر یہ کہ عقل و قیاس کے برخلاف صفت کو موصوف سے علیحدہ کرنا پڑا۔ اور تدبّر و غور بھی صفات ہی کے لئے معمور ہوئے۔ یہ اس لئے کہ کہنہ ذات جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا محال تھی۔ محال ہے اور محال رہے گی۔

رہیں صفات جو لامحدود اور بے انتہا ہیں۔ اور جن میں غور و فکر کی اجازت ہے اِس تحریر میں میرا مقصد صفات کو ایک ایک کر کے بیان کرنا نہیں ہے اور نہ ہی یہ ممکن ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی کسی ایک صفت کو بھی کما حقہٗ بیان کیا جا سکے۔ کیونکہ موصوف کی مانند صفت بھی بے پایاں اور بیکراں ہے گو اسے ذات کا درجہ نہیں دیا جا سکتا۔ لیکن اسے غیر ذات بھی نہیں کہا جا سکتا۔ ہر صفت اپنے میں بے شمار طرحیں رکھتی ہے اور ایک صفت کی کارفرمائیں دوسری صفات بھی بیک وقت کارفرما ہیں۔ کوئی صفت

ایسی نہیں جو مستور ہو اللہ عزوجل کی تمام صفات کو دو عنوانوں کے ماتحت لایا جا سکتا ہے۔ ایک تو صفات جمالی دوسری صفات جلالی۔ کسی صفت کو لے لو۔ یا وہ جمالی ہوگی یا جلالی۔ اور یہ جمال و جلال بیک وقت ساری موجودات میں کار فرما ہیں۔ عقل کسی شے کو ثابت کرنے کے دلائل پیش کرتی ہے لیکن دلائل سے باری تعالیٰ کا ثابت کرنا غلط طریقہ ہے۔ اہل حق کے نزدیک ثابت کرنا وغیرہ جملہ افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ پس یہ معنی ہوگئے۔ کہ خدا تعالیٰ کو خدا تعالیٰ کے فضل سے موجود کرنا کیونکہ بالاتفاق ثبوت اور وجود کے ایک ہی معنی ہیں۔ حالانکہ یہ محض غلط اور کفر ہے اور جس شخص کو کہ اللہ تعالیٰ نے ذرا برابر بھی نور دیا ہے وہ خوب جانتا ہے۔ کہ عالم کا ثابت کرنے والا موجود کرنے والا۔ ظاہر کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے کوئی چیز ایسی ممکن نہیں جو اللہ تعالیٰ کو ثابت کرلے پس حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وجود اور ثبوت بذاتِ خود کل مخلوق سے زیادہ ظاہر ہے۔ بلکہ کمال ظہور اسی کے واسطے ہے اور آنکھوں کا متحمل نہ ہونا اور عقل کا اندھا پن اِس مخلوق کے لئے ہے۔ لہٰذا فرمایا هو الاوّل والاٰخر والظاهر والباطن عارفین نے کہا کہ میں نے اسے اسی سے پایا۔ قرآن پاک میں وجود کے دلائل نہیں ہیں اور ثابت بھی یہی کرتا ہے کہ یہ محال اور غیر ممکن ہے بعینہٖ صفات چونکہ بیک وقت مجتمع ہیں اور عقل کسی ایک کو ثابت کرنے کی کوشش کرتی اِس کی ضد کو بھی پا لیتی ہے تو ناکام واپس لوٹ آتی ہے۔ ایک شخص دلائل سے ثابت کر رہا ہے۔ کہ فلاں جگہ پر آگ جل رہی ہے لیکن اگر اُس کے وہاں جانے پر اور مشاہدہ کرنے پر معلوم ہو کہ وہ پانی ہے۔ تو اُس کے دلائل ناکام رہ جاتے ہیں کیونکہ اُس نے دلائل کے ثبوت کے خلاف اُس کی ضد پائی۔ اسی طرح اگر عقل کسی ایک صفتِ الٰہیہ کو ثابت کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ تو اُس کی ضد کو بھی پا کر کہہ اٹھتی ہے کہ نہ وہ یہ ہے اور نہ وہ۔ اور ایسے بھی ہو سکتا ہے۔ کہ یہ

کہہ دے کہ وُہ یہ بھی ہے اور یہ بھی - بہر حال جیسے اُس کا انکار محال ہے ویسے ہی اُس کا ثبوت محال ۔ ثبوت کے محال ہونے کی وجہ پیچھے درج ہو چکی ۔ اَب انکار کا محال ہونا یوں ہے کہ انکارِ کسی شئے کا ہوتا ہے جب کوئی شئے ہی نہیں تو انکار کس کا ہوا ۔ لہٰذا اِس ہستی کا انکار بھی اِس کے ثبوت کا دال ہے اور اِس سے انکار کرنا اِس کے اقرار سے کم نہیں ۔

اللہ عزوجل کی صفات جن کو نہ عین ذات کہا جاسکتا ہے ۔ یہ غیر ذات کچھ اس طرح مدّور ہیں کہ اِن کے چکر کے ساتھ انسانی عقل بھی چکر کھا جاتی ہے ۔ ایک گول پلیٹ پر نقطہ سے محیط کی طرف اگر مختلف رنگوں کی مخروطی شکلیں بنائی جائیں اور اُسے کسی آلہ کے ذریعہ تیزی سے گھومایا جائے تو گھومتی ہوئی پلیٹ پر کوئی رنگ نظر نہیں آسکتا ۔ بلکہ بجائے خود پلیٹ سفید نظر آئے گی ۔ جسے کسی رنگ کا نام نہیں دیا جاسکتا ۔ اسی طرح صفات الہیہ عالم موجودات میں کچھ اِس طرح گھوم رہی ہیں کہ اپنے موصوف کی طرح وہ بھی کسی نام کی محتاج نہیں ۔ عالم موجودات میں یہ جو اشیا کے نام رکھے گئے ہیں یہ مختلف صفات کی بنا پر رکھے گئے ہیں جس صفت کا جس شئے میں ظہور ہوا ۔ ویسا ہی مناسب نام رکھا گیا ۔ ایک شئے میں تمام صفات کا ظہور نہ رکھا تا کہ برقرار ہی رہے اور فہم میں آسکے ۔ جس شئے کو اپنی تمام صفات کا مظہر بنایا وہ فہم کے دائرہ سے باہر نکل گئی ۔ اِس مضمون کا باب انشاء اللہ تعالیٰ مظہر ذات و صفات کے تحت علیحدہ باندھا جائے گا ۔ و باللہ التوفیق

صفت ہر آن موصوف کے ساتھ ہوتی ہے چاہے اُس کا ظہور ہو یا نہ ہو ۔ محل ظہور میں اتنا فرق ضرور پڑتا ہے کہ اس صفت کی نسبت مجازی طور پر ایک سے زیادہ کی طرف دی جاسکتی ہے ۔ برعکس اِس صفت کے ظاہر ہونے سے پہلے جو کہ صرف موصوف کے ساتھ ہی وابستہ ہوتی ہے ۔ اللہ عزوجل کی صفات کا بھی جب ظہور ہوا ۔ تو انسانی عقل نے اِن کی نسبت

اِن صفات کی مجازی اشکال سے وابستہ کرنی شروع کریں۔ رحم کو رحم کرنے والے پر رکھا۔ اور ظلم و قہر کو ظلم کرنے والے پر۔ حقیقت سے جب بعُد ہوا تو گمراہی نتیجہ نکلا۔ یہ نہ جانا کہ اشکال و لباس اِن صفات کے سبب ہیں علّتیں نہیں ہیں۔ صفات کی وابستگی اب بھی موصوف کے ساتھ ویسے ہی ہے۔ جیسے کہ پہلے تھی۔ میں و تو کی تمیز نے دراصل اسے ایک علیحدہ رنگ دے رکھا ہے۔ اگر یہ تمیز اُٹھ جائے تو کوئی جھگڑا نہیں رہتا۔ لوہا آگ میں رکھنے سے اگر گرم ہو جائے اور اپنی صفت تبدیل کر لے۔ تو اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ صفت ممکن التبدل ہے غلطی ہے لوہا بذاتِ خود ایک لباس ہے جس میں ہزارہا صفات پوشیدہ ہیں جو الآن کما کان ہیں لوہا گو اب گرم ہوا لیکن یہ جوہر اِس میں پہلے سے ہی موجود تھے۔ اس مغالطہ نے بھی انسانی عقول کو صفاتِ باری تعالیٰ کے سمجھنے میں کافی حد تک قاصر رکھا ہے۔ لباسوں کا اختلاف اور اِن میں بے شمار صفات کا اجتماع ایک ایسا کھیل ہے کہ جس کسی نے اسے دیکھنا چاہا خود تماشا بن گیا۔ اور خرد کی گتھیاں سلجھاتا سلجھاتا حیرت زدوں کی صفت میں آ کھڑا ہوا۔

مندرجہ بالا کلام سے صفاتِ باری تعالیٰ میں غور و تدبّر کرنے کی غایت بھی معلوم ہوتی کہ معرفت راہِ خدا میں اِس تفکر کی آخری منزل تسلیم و توکل کی وادی کے کنارے سے ٹکراتی ہے۔

صفاتِ باری تعالیٰ کا ظہور

ذاتِ باری تعالیٰ اپنی صفات کے ساتھ تخلیق سے پہلے ایک خزانہ تھا جو معرفت سے مخفی تھا۔ تخلیق کا باعث محبت اور معرفت کا باعث تخلیق ہوا۔ صفت موصوف کے ساتھ قدیم رہی اور تخلیق حادث بنی۔

حدیث پاک جو کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی جاتی ہے اِس سے معلوم ہوا کہ اللہ عزوجل کی سب سے پہلی تخلیق حضور علیہ السلام کا نور تھا۔ جو مدتوں صفات باری تعالیٰ میں دورہ کرتا رہا۔ یہ خلق (نور) حادث ہوا اور اپنا دورہ صفات قدیم میں رکھا۔ ہر صفت کا مظہر بنا۔ دورہ کی نوعیت صفات کی طرح بیک وقت رہی جو زمان و مکان سے پاک تھی۔ عالم کائنات کا حدوث اسی نور سے ہوا۔ اور صفاتِ باری تعالیٰ جلوہ گر ہوئیں۔ جو پہلے خلوت میں تھیں اب جلوت میں آئیں۔ ہر ایک نے اپنا اپنا لباس زیبِ تن کیا۔ اور ہر ایک کو عالم موجودات میں آنے سے پہلے اللہ عزوجل نے جہاں چاہا اور جیسے چاہا رکھا۔ چونکہ صفات کا اجتماع اجتماعِ ضدین تھا عالم مثال اور عالمِ موجودات بھی ویسے ہی ضدین کا مرکّب بنا۔ عالمِ موجودات عالمِ مثال کا پیراہن بنا۔ دراصل اسی پیراہن کو عالمِ موجودات کا نام دیا گیا۔ یہی پیراہن جو دیکھنے میں بودا اور کاغذی معلوم ہوتا ہے۔ اور جس کو لفظِ فنا سے بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے معرفت الٰہی کے لیے چنا گیا۔ اگر اِس لباس کو بھی اللہ عزوجل کی صفت کہا جائے اور اِسے صفت کا نام دئے بغیر چارہ ہی نہیں تو ماننا پڑے گا کہ اور صفات کی طرح یہ صفت ازلی ابدی ہے۔ فانی نہیں۔ عارضی فرقت کو دائمی جان کر یہ نظریہ گڑھ لیا کہ من یحی العظام وھی رمیمٌ سراسر بغاوت و عناد ہے۔ اجتماعِ ضدین کے پیشِ نظر یہ فنا و بقا بیک وقت موجزن ہیں۔ دیکھنے والوں کو ہر فنا میں بقا اور ہر بقا میں فنا نظر آتی ہے۔ ہم جب کسی شکل کو فنا ہوتے دیکھتے ہیں تو مغالطہ کھا جاتے ہیں کہ یہ صفت جو فنا ہونے سے پہلے اِس شکل میں موجود تھی فنا ہو گئی۔ دراصل یہ نہیں سمجھتے کہ فنا بذاتِ خود ایک علیحدہ صفت ہے۔ جو اِس شکل پر اب کارفرما ہے۔

صفات و اشکال

معلوم ہونا چاہیے ۔ کہ صفت اپنے میں کوئی شکل نہیں رکھتی ۔ یہ ہمیشہ موصوف کے ساتھ وابستہ ہے ۔ رنگریزی کسی شخص کی صفت ہے ۔ ہاں ۔ اِس صفت کا ظہور کسی کپڑے کے سرخ و سیاہ ہونے سے ہوتا ہے ۔ اَب چار اشیا سامنے ہیں ۔ ایک رنگریز ۔ دوسرا رنگریزی ۔ جو صفت اس میں موجود ہے تیسرا کپڑا ۔ اور چوتھا رنگ ۔ آخر الذکر دونو اشیا کی حیثیت اوّل الذکر دونو سے جداگانہ ہے اور آپس میں کوئی ذاتی تعلق نہیں رکھتے ذات باری تعالیٰ اپنے میں صفت رحمانیت رکھتی ہے جس کے ظہور کے لئے مثال کے طور پر یوں سمجھ لیجئے کہ ایک شخص لوگوں کو کھانا کھلا رہا ہے اُس کی سخاوت کا ظہور غریبوں کے کھانا کھانے سے ہو رہا ہے ۔ اب یہاں برخلاف رنگریز والی مثال کے اول الذکر دونو کے سوا ۔ (یعنی ذات و صفات کے) چونکہ تیسری شے کا وجود ہی نہیں اور ہونا بھی محال ہے اِس لئے یہ نہیں کہا جاسکتا ۔ کہ آخر الذکر دونو ایک علیحدہ حیثیت رکھتے ہیں یہاں جو کھلاتا ہے وہ بھی ایک صفت ہے اور جن کو کھلایا جارہا ہے وُہ بھی ایک صفت ہے اور جو کھلایا جا رہا ہے وُہ ایک علیحدہ صفت ہے ۔ یہاں اشکال بھی صفات ہیں اور صفات بھی صفات ۔ جواہر و اعراض کا پلٹ اتنی تیزی سے ہو رہا ہے ۔ کہ مشاہدہ کرنے والا متحیر ہے ۔ اِس تضاد کا اجتماع سرسری نظر میں محال معلوم ہوتا ہے ۔ لیکن بغور مطالعہ سے اگر ہر شکل و وجود ۔ صفات و عقول ۔ جواہر و اعراض اعیان یا یوں کہیے ۔ کہ عالم موجودات میں مرئی و غیر مرئی ہر شے جس پر لفظِ بیان کا اطلاق ہو سکتا ہے کو اکٹھا کیا جائے ۔ تو یقیناً یہ ماننا پڑے گا ۔ کہ یہ سب کچھ ثبوت و عدم ثبوت (نفی و اثبات) کا مرکب ہے ۔ اگر ذرہ (ایٹم) ایک طرف اپنی کم بساطی ظاہر

کرتا ہے تو دوسری طرف یہی ذرّہ (ایٹم) اپنے میں وہ طاقت رکھتا ہے۔کہ ساری دنیا و مافیہا کو ایک آن میں نیست و نابود کرسکتا ہے (ایٹم بم) اسی طرح بڑی بڑی جسامت والی اشیا ظاہری طور پر پرشکوہ نظر آتی ہیں۔ اہل نظر کے سامنے حقیر اور رائی کے دانے برابر بھی حقیقت نہیں رکھتیں۔ بلاد اللہ کو مجموعی حیثیت دینے کے بعد معمولی عقل رکھنے والا انسان بھی یہ کہہ سکتا ہے کہ ہر شے کی ضد ہر آن اس کے مقابل موجود ہے ہاں انفرادی طور پر یہ ضد موجود تو ہے جیساکہ اوپر ایٹم والی مثال سے ظاہر کیا گیا ہے۔ لیکن اس کی تفہیم اتنی آسان نہیں جتنی مجموعی حیثیت سے سمجھ میں آسکتی ہے۔ چنانچہ ثابت ہوا کہ اگر یونیورس کو اجتماع ضدین کا نام دیں اور اس سے نفس مضمون کی طرف رجوع کریں۔ پھر اس سے اس کے باعث اور پھر حقیقت باعث کی طرف آئیں۔ تو شاید اس محال کو صورت ممکن دی جاسکے، واللہ التوفیق۔

کائنات

کائنات (universe) عالم موجودات۔ عالم ماکان و مایکون۔ عالم تخلیق۔ عالم امر۔ عرش و عالم تحت العرش یا یوں کہئے کہ عالم ماسوائے اللہ۔ یہ سب آپس میں لغوی لحاظ سے ہم معنی ہیں آسانی کے پیش نظر اس عالم کائنات کو مندرجہ ذیل دو حصّوں میں تقسیم کیا جاتا ہے اور اس ترتیب سے انشاء اللہ ہر حصّہ میں اجتماع ضدین ثابت کیا جائے گا۔ فوق العرش کی بحث اس میں نہ ہوگی۔

نمبر ۱ قدرتی یا فطری اور مصنوعی۔ جو شے کہ حواس خمسہ کے ذریعہ ہم تک پہنچتی ہے۔ یا تو وہ دستِ قدرت کی بنائی ہوئی ہے یا صفت خلاقی ہوتی ہے۔ جس میں بیشتر حصّہ حضرت انسان کا ہے۔

اختصار کے پیش نظر یہ مناسب نہیں سمجھا گیا۔ کہ علیحدہ علیحدہ ہر شے میں صفات کا ظہور ثابت کیا جائے اور نہ ہی یہ ممکن ہے کیونکہ
ان تعداد نعمت اللہ لا تحصوھا کے ماتحت عقل انسانی اس سے عاجز ہے یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ عالمِ موجودات میں ہر وہ شے جس کا وجود ہے اپنے اندر صفاتِ قدرت کی ہر صفت کو جگہ دیئے ہوئے ہے خواہ اس صفت کا ظہور اس ظاہری حواس میں آئے یا نہ آئے یہاں کہیں بھی لفظِ وجود کا اطلاق ہوا۔ اس میں ان سب صفات کی کارفرمائی ماننی پڑی۔ کوئی شے وجود میں آہی نہیں سکتی اور نہ ہی اسے کوئی نام دیا جا سکتا ہے جب تک کہ یہ شے تمام صفات کی حامل نہ ہو۔ مسئلہ گو بہت دقیق سا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن سمجھانے کے لئے اتنا کہہ دینا کافی ہوگا۔ کہ جب صفات ذات سے علیحدہ نہیں ہو سکتیں۔ گو یہ عین ذات نہیں تو ان کا آپس میں علیحدہ ہونا محال ٹھہرا۔ پس جب یہ مجتمع ہوئیں۔ تو ضدین کا اجتماع بھی قرار پایا۔ ذرہ ذرہ پتہ پتہ اپنے اندر دفترِ معرفتِ کردگار لئے ہوئے ہے۔ پھر لطف کی بات یہ ہے کہ ہر آن صفات کی موجودگی میں اپنی ذات کے وجود کی نفی فرماتا ہے۔ کیا یہ عجب نہیں کہ موجود تو ہو لیکن وجود نہ رکھتا ہو۔ اسی وجود کی نفی سے ایمان کی تکمیل ہے ورنہ کئی فرقے انہیں صفات میں وجود کو مانتے ہوئے ایسی وادی میں سرگرداں ہیں جو گمراہی کے قریب ہے اور اسی طرح کئی ایک فرقے اشیا میں صرف ظہور صفات کو ہی دیکھتے ہوئے ذات کی موجودگی کا انکار کئے ہوئے ہیں حقیقت میں نہ اول الذکر کسی ساحل پہ ہیں نہ آخر الذکر کسی ٹھکانے لگے ہیں۔ ایک پتے کو دیکھ کر کہہ اٹھنا۔ کہ یہ وہی ہے اور اسی طرح اسے دیکھ کر کہہ دینا کہ یہاں وہ نہیں ہے دونوں نظریئے باطل ہیں۔

بے حجابی یہ کہ ہر ذرہ میں جلوہ آشکار
اس پہ یہ پردہ کہ صورت آج تک نادیدہ ہے

اللہ تجھے سمجھ عطا فرمائے اور کسی ایک نظریہ کو کوئی نام دینے سے آزاد کردے - یاد رکھ کہ نظریات کا قائم کرنا تجھے وقتی طور پر تیری دنیاوی زندگی میں شاید کچھ تیرے کام آئے - اگر منازلِ معرفت میں کسی نظریہ پر ٹھہر گیا - تو ہر قدم پہ بھٹکتا رہے گا - عالمِ موجودات کو اس کی تمام صفات کا پرتو جان - ساتھ ہی ہر شے میں اُس کا ہونا بغیر وجود کے مان - یہی تیری عقل اور یہی تیرا ایمان ہے - کسی چیز کا موجود ہونا بغیر وجود کے اصل اجتماع ضدین ہے - یہی ایک راز ہے جس کو آج تک کوئی وا نہ کر سکا اور نہ ہی الفاظ کا جامہ پہنا سکا جس پر وارد ہو وہی اس کی کیفیت سے واقف ہے حواس و آلات کی رسائی سے یہ بہت بلند ہے - عالم موجودات کی مندرجہ بالا دو اشیا افضل ترین موجودات میں سے حضرتِ انسان ہیں جس کے لئے یہ سب کچھ بدیع ہوا - اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ نوعِ انسانی جس کے قوام کو اللہ عزوجل نے احسن فرمایا ہے - کن کن پہلوؤں سے اپنے اندر یہ اجتماع ضدین لئے ہوئے ہے -

حضرتِ انسان

ہر کوئی جانتا ہے کہ خمیر آدم چار عناصر سے مرکب ہے - آگ مٹی پانی اور ہوا - چونکہ ہر عنصر ایک دوسرے کا ضد ہے اور ان کا اکٹھا ہونا بظاہر محال - تو یہ مرکب ہی ثابت کرتا ہے کہ قدرت نے مرکب ضدین سے اس ہستی کو پیدا فرمایا - ایک عنصر کا دوسرے پر غلبہ - ایک کا وجود دوسرے کا عدم - ایک کا ثبوت دوسرے کی نفی - بادی النظر میں عیاں ہے - لیکن کمال قدرت تو یہی ہے - کہ ضدین کو جمع فرما کر عقل کو متحیر کر دیا - فرع ہمیشہ اصل کے تحت ہوئی ہے اور ظہور وجود کے تابع - جب اصل ضدوں کی

جمع ٹھہری ۔ تو اس اصل سے جو سرزد ہو وہ بھی لازمی طور پر ضدین کا ہی مجموعہ ہونا چاہیے ۔ ہم جو اس کے برخلاف دیکھتے ہیں اس کی وجوہات مع تفصیل انشاء اللہ ابھی اپنی جگہ آئے گی یہاں صرف یہ واضح کر دینا ہے کہ اصل منشائے ایزدی انسان کو اپنی صفات میں رنگے ہوئے دیکھنا ہے ۔ اور انسان کو بھی اُن صفات کا آئینہ بننا ہے ۔ جب یہ حاصل ہوا ۔ تو اللہ عزوجل کی مرضی پوری ہوئی ۔ اور انسان مقام رضا سے نوازا گیا ۔ اور جو جو انعامات بندۂ رضا کے لئے موعود میں سب سے سرفراز کیا گیا ۔

خاصۃٌ و عامۃُ النّاس

نوعِ انسان کو اگر مجموعی طور پر مطالعہ کیا جائے ۔ تو اس اجتماع ضدین کا پانا کوئی مشکل معلوم نہ ہوگا ۔ کسی صفت کو کسی نہ کسی انسان میں ادجاگر معلوم ہوگی ۔ یہاں ایک نکتہ واضح کر دینا نہایت ضروری سمجھا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ عام طور پر لفظِ صفت سے عقل عوام دھوکا کھاتے ہوئے ہے ۔ وہ سمجھتی ہے کہ صفت کا اطلاق بُرے اور مکروہ معنوں میں بھی ہو سکتا ہے جو کہ ایک سخت مغالطہ ہے صفت ہمیشہ اچھے معنوں میں ہی ہوتی ہے ۔ یہ صفات آخر ہیں کیا اور کہاں سے پیدا ہوتی ہیں ۔ ذرا سے غور کرنے پر معلوم ہو جائے گا کہ یہ سب صفاتِ باری تعالیٰ کا ہی پرتو ہیں ۔ اور انہیں کا عکس کچھ نہ تھا ۔ لیکن یہ صفات ذات کے ساتھ وابستہ اور کسی قسم کے نقصان و عیب سے پاک و منزّہ تھیں ولہ الاسماء الحسنیٰ ۔ ان صفات کی خیر و شر میں تقسیم ان کے انسانی استعمالات مع مراتب پر رکھی گئی ۔ زید ایک فعل کرتا ہے جو اُسے کرنا نہیں چاہیے تھا یعنی اس کے مرتبہ کے لائق نہ تھا وہ ظالم ٹھہرایا جاتا ہے ۔ بکر اسی فعل کو کرتا ہے ۔ اور اُسے اپنے مرتبہ کے موافق پاتا ہے ۔ وہ عادل ٹھہرایا جاتا ہے

پس صفت بُری نہ ہوئی بلکہ مرتبہ اور استعمال نے اُسے خیر یا شر کا نام دیا۔ اِس نکتہ کو ذہن نشین کرنے کے بعد نفسِ مضمون کی طرف توجہ فرمائیں۔ کہ نوعِ انسانی مرکب ضدین ہے۔ مگر ہر بنی نوع انسان میں یہ اجتماع روشن نہیں جیسے کہ تمام عالمِ موجودات میں بغیر کسی روک کے کہا جا سکتا ہے کہ اجتماعِ ضدین کارفرما ہے لیکن اِس عالم کی کسی ایک شئے میں اسے ثابت کرنا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ اِس کی وجہ یہ حاوی ہونے کے لئے عالم کائنات کو جو سارا ایک کلمہ (کن) کا ظہور ہے کلمے کے ہی تین اجزا میں تقسیم کر دینے سے یہ مسئلہ واضح نہ ہو جائے گا۔

کلمہ اپنے اندر اسم۔ فعل۔ اور حرف رکھتا ہے۔ صرف و نحو کے پیش نظر۔ اسم۔ فعل۔ حرف جو جو تعریف اپنے میں رکھتے ہیں۔ اِس سے ظاہر ہو جائے گا۔ کہ کائنات کی ہر شئے منجملہ عام انسانوں کے سب کی سب حرف ہے۔ انبیا علیہ السلام کی جماعت اور گروہِ مومنین سب فعل ہیں اور اسم کا لفظ فقط سید انبیا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی درست آتا ہے۔ جہاں سارا عالم امر ہے۔ جس میں مومنین اُولے الامر ہیں حضور پر نور علیہ السلام صورتِ امر ہیں اور اللہ عزوجل حقیقت امر ہے اِس ترتیب سے انشاء اللہ اِس کتابچہ کو زینب دیا جائے گا۔ واللہ التوفیق۔

عامِ انسان

عالمِ موجودات میں اشرف الموجودات حضرتِ انسان ہے۔ اس کو اللہ عزوجل نے اپنا بھید فرمایا ہے۔ اِس کی تقویم احسن اور اِس کی تخلیق اپنے دستِ قدرت سے فرمائی۔ اسے اپنی امانت کا اُٹھانے والا بنایا۔ سب کچھ اِس کے لئے پیدا فرمایا اور اسے اپنے لئے بنایا۔ اتفاقی نام جو بھی

دیئے جائیں۔ سب اس کے لئے موزوں ٹھہرے۔ برعکس اس کے اس انسان کو اَسْفَلَ السَّافِلِیْنَ ؕ کے درجہ پر رکھ کر اسے اتنا معزول فرمایا کہ اُولٰئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ تک پہنچایا۔ کنود۔ مختال فخور۔ خوان۔ جہول۔ طرح طرح کے ناموں سے موسوم کیا۔ منافق۔ کافر فاجر۔ فاسق۔ ظالم۔ جاہل۔ ضال۔ مغضوب۔ سرکش۔ سفل۔ ذلیل۔ خلاف۔ مکذب۔ ہماز۔ نمام۔ مناع۔ معتد۔ اثیم۔ عتل۔ زنیم۔ بھی اس انسان کو نام دیئے۔ پھر ان دونوں طبقات کو کچھ اس طرح مخلوط کیا کہ عقل کی دھجیاں اُڑ گئیں۔ کوئی ایک نظریہ نہ قائم ہو سکا۔ کسی کو طاقت نہیں کہ وثوق سے کہہ سکے۔ کہ فلاں کافر۔ فاجر کو ایمان و تقویٰ نصیب نہیں ہو سکتا یا یہ کہے۔ کہ فلاں متقی فاجر فاسق نہیں بن سکتا۔ قسام ازلی نے یہ تقسیم کچھ ایسی پوشیدہ رکھی جو کسی نصب العین کی محتاج نہ ٹھہری۔ یہ سب اس لئے کہ انسان کو تمام کمالات و صفات سے مزین کیا۔ اور اس کی ذات میں اُن کا دورہ ایسا رکھا کہ کسی ایک حال یا ایک صفت پر قرار نہ دیا۔ مشکوٰۃ شریف میں ایک حدیث باب تغیر الناس کے تحت جس کا اردو ترجمہ درج ذیل ہے۔ اس نظریہ پر دلالت کرتی ہے۔

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ نہیں ہے آدمی بیچ اختلاف حالات اپنے کے اور تغیر صفات اپنے کے مگر مانند سو اونٹوں کے۔ نہیں قریب ہے کہ پاوے تو اے مخاطب ان میں سے ایک قابل سواری کے۔ ماہرین علم النفسیات (Psychology) بھی اس اجتماع ضدین کو کسی اور رنگ میں پیش کرتے ہیں۔ اُن کے مطابق یہ انسان اپنے میں دو متضاد فطرتیں (Natures) رکھتا ہے راجح بالباطن (Introvert) اور راجح بالظاہر (Extrovert) عموماً دیکھو گے کہ صاحب عمل انسان اپنے کلام کو ایک سرمدی کیف کی طرف لیئے جا رہا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے

کہ گویا اِس کا کلام پڑھنے والے کو نیند کے ٹیکے لگا رہا ہے۔ لیکن عمل اُس کا عین برعکس پاؤگے۔ برخلاف اس کے جس کا کلام عمل کی دعوت دیتا ہو۔ اور اس کے مطالعہ سے یا سننے سے جوشِ عمل پیدا ہو۔ اِس کی اپنی ذات میں فقدانِ عمل ہوگا۔ کالج میں میرے فلسفہ کے استاد اس مضمون پر لیکچر دیتے وقت رابندرہ ناتھ ٹیگور۔ اور ڈاکٹر اقبال مرحوم کی مثال دیا کرتے تھے۔ یہ دونوں صاحب ہمعصر تھے۔ لیکن خود عمل و کلام میں ایک دوسرے کی ضد۔ اور ان کا اپنا کلام اپنے عمل کی ضد۔ اور عمل کلام کی ضد یہاں اس سے بحث نہیں کہ ایسا ہونا چاہیے یا نہیں عامۃ الناس میں یہ ضد موجود ہے۔ اور اِس کا اظہار بھی۔ لِمَا تقولون مالا تفعلون ط کے تحت یہ سب آتے ہیں انہیں ضدین کی موجودگی سے سب قباحتیں ظہور میں آتی ہیں۔ اللہ عزوجل کی صفات سب کی سب بغیر کسی نقص و عیب کے ہیں۔ لہ الاسماء الحسنیٰ ، صفات اسما کا مظہر ہیں باطل اپنے باطل ہونے میں بھی حق ہے گو یہ نکتہ عقل کی پہنچ سے بالا ہے عقل کا کام کسی چیز کو ثابت کرنا ہے اور اس اجتماع میں ثبوت محال ہے۔ دودھ کا شربت اور لیمو کا شربت اپنی جگہ اور اپنی حیثیت اور اپنے اپنے استعمال میں فائدہ مند اور بے ضرر ہیں لیکن دونو کی ملاوٹ لازماً خطرہ سے خالی نہیں اور نہ ہی ان کا بے وجہ بے ضرورت اور بے محل استعمال سودمند ہوگا۔ بس تمام سیات کو اس مثال پر رکھنے سے یہ واضح ہوگیا کہ ما اصابك من سیئۃٍ فمن نفسك ، لیکن پھر ضدین نے اپنا رنگ دکھانا تھا۔ خیال پیدا ہوا۔ کہ اگرچہ سیئات ان صفات کی بے ترتیب ملاوٹ سے ہی ظہور میں آئی۔ لیکن یہ اختلاط اور ظاہر کرنا وغیرہ کس طاقت سے سرزد ہوئے کلام پاک نے اِس کی بھی وضاحت کر دی اور اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت اِس نکتہ کو بھی حل فرما دیا۔ جب کفار کو کوئی بھلائی

پہنچتی تو کہتے کہ یہ اللہ کی طرف سے اور جب برائی پہنچتی تو کہتے کہ یہ تیری۔ (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے اے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے فرما دیجئے۔ کہ کلّ من عند اللہ ' یہ سب کچھ اللہ عزوجل کی طرف سے ہے۔ ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ یہ مسئلہ تفہیم میں لاتے معلوم نہیں ہوتے۔ ومال ھٰؤلآء القوم لا یکادون یفقھون حدیثا یہاں ایک طرف برائی کو من نفسك ' فرمایا تو دوسری طرف من اللہ نہیں فرمایا بلکہ۔ من عند اللہ ' فرما کر ایک ایسی پیچیدگی میں ڈال دیا کہ عامۃ النّاس تو کیا۔ صاحب امر حضرات بھی متحیر رہ گئے۔ اور اسی حیرت کو اپنا نجات کا راز جانا۔ واللہ بکلّ شیٔ محیط ' کو سامنے رکھتے ہوئے۔ اور اس طرح فی انفسکم افلا تبصرون ' کے پیشِ نظر اللہ عزوجل کا اپنی صفات کے ساتھ ہر جگہ موجود ہونا معلوم ہوا۔ عام انسان ہوں یا خاص الخاص سب میں اس کی جلوہ فرمائی ہے۔ بلکہ کوئی جگہ اس سے خالی نہیں۔ اس طرح جہاں وُہ جلوہ فرما ہے وہاں اس کی صفات بھی موجود ہیں کیونکہ صفات کا یا کسی ایک صفت کا بھی علیحدہ ہونا اس کی ذات سے غیر ممکن ہے۔ چنانچہ ذرہ میں بھی انہیں صفات سے موجود ہے۔ جن صفات کے ساتھ انسان میں ہے۔ اور اس پہ ہر شئے کو قیاس فرمالیں۔ لیکن اب الجھن یہ پڑ گئی کہ با وجود مندرجہ بالا ہونے کے اشیاء میں تفاوت کی کیا وجہ ہے۔ جب ایک درخت میں بھی انہیں صفات سے جلوہ گر ہے اور ایک انسان میں بھی ویسے ہی کار فرما ہے تو پھر درخت اور انسان دو علیحدہ علیحدہ کیوں۔ توفیق باری تعالیٰ سے اس مسئلہ کا حل یوں ہوا۔ کہ ذات اپنی صفات کو متشکل اور متخلق اور ان میں اعمال و افعال کو متزیّن کرنے کے لئے اپنے ارادہ کو کام میں لاتی ہے۔ میں نے کبھی کسی تفسیر میں پڑھا تھا کہ سارے قرآن پہ ایک آئیت

فعال لما یرید ، حاوی ہے یہاں تک کہ ارادہ الٰہی امرالٰہی پر بھی غالب ہے۔ حکم ہوتا ہے کہ سجدہ کرو اور ارادہ یہ ہے کہ سجدہ نہ کرے حکم ہوتا ہے۔ دانہ نہ کھاؤ۔ ارادہ یہ ہے کہ کھالے۔ حکم ہوتا ہے میرے راہ میں بیٹا قربان کردو۔ ارادہ یہ ہے کہ چھری ایک بال تک بھی نہ کاٹے۔ وغیرہ وغیرہ۔ ارادہ ہر شئے پر غالب ہے کوئی شئے ارادہ پر غالب نہیں زیادہ آسان کرنے کے لئے ایک نقاش کی مثال لیں۔ نقاش اپنی صفت نقاشی کو اپنے ارادہ کے ماتحت جو چاہے شکل دے سکتا ہے۔ اگر ارادہ کرے تو کاغذ پر درخت کی تصویر بنا دے۔ اگر چاہے تو کسی جانور کی شکل کھینچ دے یا کوئی منظر پیش کردے۔ اس کی صفتِ نقاشی بدستور قائم ہے۔ صرف اس کے ارادے نے اسے مختلف قسم کا لباس پہنا دیا۔ نقاش ازل نے بھی اپنی جامع صفات کو کہیں ایک ذرہ میں چھپا لیا اور کہیں ایک انسان کی شکل دے کر اس میں خیال۔ اعمال اور افعال کا ظہور فرما کر اسے اشرف کردیا۔ وگرنہ۔ لهٗ ما فی السمٰوٰت وما فی الارض وما بینهما وما تحت الثریٰ ، کے تحت سب ہیں صفات کا ہونا برابر۔ اس لفظِ ارادہ کا محل صفات سے اوپر ہوا۔ اور ذات کے تحت۔ عالم مثال بھی اسی ارادہ کے ماتحت ٹھہرا۔ اب اس تفاوت کو ذہن نشین کرنے کے بعد نفسِ مضمون کے سمجھنے میں قدرے آسانی ہوگی وباللہ التوفیق۔

جب ارادہ الٰہی کی زد میں تخلیق کائنات آئی تو اس اجتماع ضدین نے کسی ایک شئے کو ظاہری شکل میں بھی کسی دوسری شئے سے نہ ملنے دیا۔ بلکہ یفعل ما یشاء ، یخلق ما یشاء ، یصورکم فی الارحام کیف یشاء ، نے بتا دیا کہ یشاء (ارادہ) کی کارفرمائی نے ہم جنس کو بھی مختلف پیراہن بخشا اور عقل کو محرم راز رکھا اختصار کے پیشِ نظر

چونکہ اِس کتابچہ میں صرف نوعِ انسان کی ہی بحث مدِّ نظر رکھی گئی ہے۔
ہر انسان احسن التقویم ؐ کا پیکر ہے ۔ اپنے اندر جوہرِ اصلی رکھنے کے
باوجود اِس جوہر سے غافل ہے یہ سادہ وپرکار ۔ بےخود وہشیار۔ اختیار
وجبر کا پتلا ایک ایسے بےبس میدان میں چھوڑا گیا ہے ۔ جہاں اُسے جابجا
خود مختاری کے سنگِ میل اور مرحلے نظر آتے ہیں ۔ جن کے بل بوتے پر یہ
کائنات کو برقرار رکھتے ہوئے اپنی زندگی کا سانس لیتا ہے ۔ اسے خود
اِس کے بھید سے محروم رکھا گیا اور باقی سب کچھ دیا گیا ۔ درخت کی قدر
اِس کے پتّوں ۔ پھلوں ۔ پھولوں سے ہوا کرتی ہے ۔ جو درخت اِن سے
خالی ہو ۔ اُسے کاٹ دیا جاتا ہے ۔ اِس طرح اِس ارض کی زینت بھی
حضرتِ انسان سے رکھی گئی ہے اِس پر باقی تخلیق کو اِس ہستی کے لئے
وقف کیا گیا ہے ۔ خلقکم مّا فی الارض جمیعًا ؐ

وضاحت کے لئے تھوڑے سے غور کی ضرورت ہے ۔ دنیا میں
ہر شے کی کمی یا عدم وجود انسان محسوس کرتا ہے لیکن اِس انسان کی کمی
یا اِس کا عدم دنیا کی کسی شے پر اثر انداز نہیں ہوتا ۔ پانی نہ ہو انسان
کے لئے مصیبت ہے ۔ اگر انسان نہ ہو تو پانی کی روانی میں کچھ فرق نہیں
آتا ۔ آگ نہ ہو آدمی کے ہزاروں کاروبار رک جائیں ۔ لیکن آدمی نہ ہو
آگ کی تپش میں کوئی فرق نہیں آتا ۔ وعلیٰ ہذا القیاس یہی ایک نکتہ ثابت
کر دیتا ہے کہ انسان اِن اشیا کے لئے پیدا نہیں کیا گیا ۔ بلکہ یہ کسی اور
کے لئے بھیجا گیا ہے ۔ عام انسان ۔ مومنین ۔ اور انبیاء علیہ السلام اِس
زمین کے بالترتیب ۔ پتّے ۔ پھول اور پھل ہیں ۔ عامتہ الناس سوائے
جوہرِ عقل (تشریعی) کے باقی تمام صفات سے نوازے گئے ہیں ۔ زمین
کی تہ تک اِن کو رسائی دی گئی ہے آسمان کی فضا میں ان کو قابو بخشا گیا
یہ گروہ انسان سب کا بنا لیکن اپنا نہ بن سکا ۔ اخباری دفاتر کے ایک

کمرے میں بیٹھا رمضان المبارک کے دنوں میں سگرٹ منہ میں لئے ہوئے اور چائے کی پیالی سامنے رکھے ہوئے روزہ کے فلسفہ پر رقمطراز ہے یہ ایک مسجد کے منبر پر کھڑا ہزاروں کی تعداد کو سامنے رکھے ہوئے اپنے مواعظ حسنہ سے انہیں سرشار کر رہا ہے۔ لیکن اپنے میں اپنی بات کا عشر عشیر بھی نہیں رکھتا یہ عامتہ الناس کا لیڈر بن کر انہیں توپوں تک سے لڑنے پر ابھارتا ہے۔ لیکن خود ایک معمولی سی آہٹ کی تاب نہ لاکر اپنی ہی نشست گاہ کے نیچے دبنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ درویشانہ لباس زیب تن کئے ہوئے درویشی کی بُوتک بھی نہ سونگھ سکا۔ اِس گروہ کا ظاہر اِس کے باطن کے خلاف اور ان کا باطن اِن کے ظاہر کے برعکس پایا۔ یہ گروہ ماتقولون مالا تفعلون ، کا مصداق بنایا۔

ایک ادنےٰ گداگر سے لیکر ایک بادشاہ تک اِس گروہ میں ہزاروں درجات آتے ہیں۔ اپنے ظاہری منصب کے ہوتے ہوئے باطنی طور پر منصب ضد کا بھی دعویدار ہے اور اپنے میں یہ اجتماع ہر آن جاری و ساری رکھتا ہے۔ فقیر بادشاہ ہونے کا دعوے اپنے اندر پنہاں کئے ہوئے ہے اور بادشاہ قوم کا خادم ہونا اپنے لئے فخر سمجھتا ہے۔ یہ عام انسان صرف اوجا گر صفات کی بنا پر منسوب و موصوف کئے جاتے ہیں اور اُن کا یہ منصب محض دنیوی اور سفلی تعلقات برقرار رکھنے کیلئے ہوتا ہے۔ نہ کہ شرعی اور حقیقی لحاظ سے اِن کی ہر ظاہر خصلت دنیا میں اپنے اندر اجر کی مستحق ہے اور بدلہ لینے کا ہی تقاضہ کرتی ہے اور اجر لے کر ہی رہتی ہے۔ لیکن یہی خصلت اِس انسان کے مآل بخیر ہونے یا نہ ہونے کا فتوےٰ نہیں دے سکتی۔ بہرحال دنیوی نظام میں عامتہ الناس کی حیثیت بڑی نمایاں ہے۔ دنیا کے کارخانے کا ہر شعبہ اِس گروہ کا ممنون ہے۔ دنیا کا وجود اسی گروہ سے ہے۔ یہی اِس کو برقرار رکھنے والے ہیں۔

اور انہی کی وجہ سے تو دنیا ادنٰے کا مؤنث ٹھہری ہے۔ اور اللہ عزوجل نے ایک نظر بھر کر بھی اس کی طرف التفات نہیں فرمایا۔ یہ گروہ اپنے اندر مجموعی طور پر بھی اور فرداً فرداً بھی اجتماع ضدین کا حامل ہے۔ اپنے اندر اچھائی۔ برائی دونوں رکھتا ہے۔ یہ ضدین خفی و جلی طور پر چھلک مارتی رہتی ہیں اور ان کی ایک دوسرے پر کارفرمائی سے ہی مختلف شعبوں کی تعمیر ہوتی ہے۔

عام انسانوں کی دنیا قباحتوں۔ کمزوریوں اور برائیوں کی دنیا ہے۔ جو صفات کے ناموزوں اختلاط کا نتیجہ ہے۔ اصولی طور پر جو صفات ایک ذرہ میں ہیں وہی ایک فرد میں اور جو ایک فرد میں ہیں وہی گروہ یا جماعت میں کیونکہ ذرہ اور فرد میں ان کا تجزیہ قدرے محال معلوم ہوتا ہے اس لئے عام فہم کرنے کے لئے گروہ اور اجتماع کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔

انسانی گروہ بے شمار اقسام کے ہیں گھر کی چار دیواری سے لے کر اطراف کائنات میں پھیلے ہوئے ہیں۔ جو مختلف ناموں سے موسوم کئے جاتے ہیں۔ کنبہ۔ محلہ۔ قریہ۔ شہر۔ اور ملک ان گروہوں کے نمایاں عنوان ہیں اور باقی تمام تنظیمیں انہیں کے ماتحت ہیں۔ مثال کے طور پر یہاں صرف ایک تنظیم لو۔ جس کو دفتر (Office) کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اس ادارہ کے افراد جو کسی ایک محکمہ یا اس کی شاخ کی تنظیم کے لئے مقرر کئے جاتے ہیں۔ اس دفتر کا سٹاف کہلاتے ہیں۔ کارپرداز۔ دفتری منشی بابو۔ کلرک۔ اسسٹنٹ ان کے مختلف نام ہیں۔ یہ صاحب دیکھنے میں خوش پوش صفائی پسند اور باوقار معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن درون پردہ پرلے درجے کے ذلیل اور اپنی ذہنیت کو افسروں کے ہاتھوں بیچے ہوئے ہیں۔ ان کا لباس ان کی رفتار ان کی گفتار حتیٰ کہ ان کا اخلاق ایک دوسرے کی ضد اور کسی معیار پر قائم نہیں رہتا۔ ایسے بھی ہیں جو رات والا سوٹ

(پاجامہ۔ کرتہ) ہی زیب تن کئے ہوئے دفتر میں حاضر ہو جاتے ہیں اور ایسے بھی ہیں جو دوپہر کو سکوٹر پر گھر کھانا کھانے جاتے ہیں اور واپسی پر ایک دوسرا سوٹ پہنے ہوئے ہوتے ہیں۔ ان کی گفتار۔ سبحان اللہ جیسے لباس کا کوئی معیار نہیں۔ ایسے ہی گفتار کا کوئی شعار نہیں پنجابی اردو۔ انگریزی تینوں کو ایسا ملاتے ہیں کہ ان کی زبان سے ہی ان کی پہچان ہو جاتی ہے۔ خاص کر اردو اور انگریزی کا تو ایسا قوام کرتے ہیں کہ دونوں زبانوں کے الفاظوں کی گنتی فیصدی کے حساب سے برابر نکلتی ہے۔ ان کی بحثیں دفتر لگنے سے شروع ہو جاتی ہیں۔ موضوعات دفتری لائن سے بالکل الگ۔ ملکی انتظام پر بحث چھڑ گئی تو یہ مشیر قانون ہیں۔ دفاع کا ذکر آیا تو یہ فیلڈ مارشل ہیں کوئی مذہبی مسائل پیش آئے تو امام و مجتہد سے کم نظر نہیں آتے۔ اس گروہ سے ہر طرح کی معلومات حاصل ہو سکتی ہے۔ ان کا اخلاق اور طرز عمل بھی کچھ ایسا ملا جلا ہے کہ جس نظریہ سے دیکھا جائے وہی پایا جاتا ہے۔ مذاق و شغل کے طور پر ہر نازیبا حرکت اور ہر بدکلامی کو اپنا معمول سمجھتے ہیں بلکہ اس پر فخر کرتے ہیں۔ بعض انہی گروہ سے مست مئے پندار بھی ہیں اور اپنے آپ کو زیادہ تہذیبی اور شائستگی کے دائرہ میں ہی رکھتے ہیں برائی والے نیکی سے خالی نہیں اور نیکوکار برائی سے مبرا نہیں۔ بالادست سے کوئی جھاڑ پڑے تو زیر دست پر غصہ نکال لیتے ہیں آپس میں دوستی کا دم بھرتے ہیں لیکن ایک دوسرے کے خلاف مکروہ سازشیں اور کمینی حرکات سے بھی باز نہیں رہتے۔ جب بھی موقعہ ملے اپنا داؤ چلانے سے نہیں رکتے اور عفو و درگذر سے دور رہتے ہیں۔ اپنے ساتھی کلرک کو نیچا دکھانے میں خوشی محسوس کرتے ہیں۔ بادی النظر میں کسی قسم کی الائش سے پاک معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن ان کے سامنے اگر سگرٹ۔ چائے یا تھوڑی سی مٹھائی پیش کی جائے تو بلا تامل استعمال

کر لیتے ہیں ۔ اور ان چیزوں کو رشوت یا یافت کا درجہ نہیں دیتے ۔ ہر شعبہ کے انتظام کے دعویدار ہیں لیکن بےبسی کا یہ عالم کہ کسی دعوے کے فیصلے کا اختیار نہیں دیا گیا ۔ یہ اُن شیروں کی طرح ہیں جو کسی تخت کو اٹھائے ہوئے تصویروں میں دکھائے جاتے ہیں صرف دفتر کے اوقات میں ہی ان کے معمولات کو اگر تفصیل کے ساتھ بیان کیا جائے تو دامنِ اختصار ہاتھ سے جاتا رہے گا ۔ یہ صاحب کیا ہیں اور کیا نہیں ۔ اسی ایک نظریہ کے ماتحت اجتماعِ ضدین کے مصداق ہیں ۔ علیٰ ہذا القیاس کائنات کے باقی تمام شعبے ۔ دفتر کا ادارہ اس لئے مثال کے طور پر پیش کیا گیا ہے تاکہ قارئین خود کو اپنے ماحول میں رکھ کر بخوبی اندازہ لگا سکیں عامتہ الناس میں یہ ناموزوں اور نامناسب اختلاطِ صفات چونکہ نمایاں حیثیت رکھتا ہے اس لئے اس گروہ کو ادنیٰ درجہ دیا گیا ہے ۔

اس عام انسانوں والے گروہ کے ساتھ ساتھ اللہ عزوجل نے ایک ایسے گروہ کو بھی شامل رکھا ہے ۔ جو مومنین ۔ کاملین کا تو درجہ نہیں رکھتے لیکن ان کی طرف راجع ہونے کے سبب عامتہ الناس سے فائز ہیں عامتہ الناس سے اُن کی تمیز ان کے اخلاق و عادات سے ہو جاتی ہے ۔ یہ صفات کے نامناسب اختلاط اور استعمال سے بچے ہوئے ہیں اور ان میں مناسبت کا ظہور نمایاں ہوتا ہے ۔ یہ جماعت اچھی صفات سے موسوم کی جاتی ہے ۔ اگرچہ یہ نیک کہلاتے ہیں لیکن برائی سے خالی نہیں ہوتے ۔ عامتہ الناس کی طرح یہ بھی دنیا کے ہر شعبہ میں پائے جاتے ہیں لیکن جس کسی ماحول میں بھی ہیں اپنے آپ کو اس سے علیحدہ رکھنا چاہتے ہیں یہ گروہ کوشاں ہے کہ ان میں صفات کا توازن اور تناسب قائم رہے اور کسی حد تک اس میں کامیاب بھی ہیں ۔ اگرچہ کما حقہٗ نہیں ۔ اگر ان میں برائی کا ظہور ہو تو یہ پہلے گروہ سے کہیں زیادہ بدنام اور رسوا

ہو جاتے ہیں کیونکہ ان کی برائی عامتہ الناس کو دام تزویر میں بہ نسبت اُن کے اپنے گروہ کے جلدی پھنسا لیتی ہے۔ اگر ایک باریش متشرع انسان دو پولیس افسروں کے درمیان ہتھکڑی پہنے ایک بازار سے گذارا جائے تو تقریباً تمام اہل بازار کی آنکھیں اس ملزم پر جم جائیں۔ برخلاف اس کے اگر چند در چند ریش صفا مندرجہ بالا سلوک سے گذر رہے ہوں۔ تو اتنے جاذب نگاہ نہیں ہوتے۔ اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ اول الذکر لباس تقوٰی سے مزین تھا اور ظہور صفت کا دعویدار جب کہ آخر الذکر پہلے ہی سے آمیزش و ملاوٹ صفات سے ملوث تھے۔ اور عامتہ الناس کے گروہ میں ہونے کی وجہ اس پاداش کے سزادار تھے جو ان کو دی گئی۔ بعض نام نہاد مولوی۔ مجتہد۔ فقیہ۔ بزرگ۔ درویش۔ پیر۔ عالم صوفی اس گروہ کی پیداوار ہیں۔ یہ گروہ انسان ایک طرف جتنی تیزی سے بعضوں کو صفات کی مناسبت کا درس دیتا ہے۔ اس گروہ کی اس بے اعتدالی صفات بہتوں کو اسفل السافلین، تک پہنچا دیتی ہے۔ اور اسی وجہ سے عامتہ الناس ان سے عقیدت کی بجائے نفرت اختیار کرتے ہیں۔ راقم الحروف کا روئے سخن مندرجہ بالا گروہوں کی تشریح سے کسی ایک پر نہ کوئی الزام لگانا ہے اور نہ ہی اُن کی کوئی تعریف مقصود ہے۔ بتانا صرف یہ ہے کہ اللہ عزوجل کی لاتعداد و لاتحدود صفات جو کہ ہر پہلو اور ہر لحاظ سے ستودہ ہیں اور اپنی اپنی جگہ بغیر کسی نقص و عیب کے الآن کما کان، کی مصداق ہیں۔ کیسے اختلاط اور بے محل استعمال کے باعث ایسے نتائج پیدا کرتی ہیں۔ کہ فہم و ادراک کی کسوٹی ان کو کسی خاص اصول کے ماتحت مقید نہیں کر سکتی بڑے بڑے حکما نے خیر و شر۔ نیکی و بدی کے نظریات باندھے۔ لیکن بہت کچھ کہہ چکنے اور لکھ دینے کے بعد سے ماہمچنیں دراول صفتِ تو ماندہ ایم۔ کا سہارا ہی کام آیا۔ وجہ یہی کہ عقل نارسا

صفات کی تیزیوں سے مقابلہ نہ کر سکی۔ عقل نے جسے منزل سمجھا۔ وہ رہگذر نکلا۔ اور جسے راستہ جانا وہ ابتدا بھی نہ تھی۔

مُومِنینْ کامِلِینْ

یہ گروہِ انسان (اللہ اِن کی پاک زندگیوں کے طفیل ہمیں بھی نجات بخشے آمین) صفاتِ الٰہیہ کے مجلاّ شیشے اور اجتماعِ ضدین کی پوری پوری تصاویر ہیں۔ یہ جماعت بھی کئی ایک ناموں سے موسوم ہوتی ہے۔ انبیاء علیہ السّلام رسل عظام۔ اولیاء اکرام۔ صاحب امر۔ اولی الامر سب اس جماعت سے وابستہ ہیں اِن کا وجود خال خال ہوتا ہے۔ اور ان کی پہچان نہائت دقیق ہوتی ہے۔ فانی صفاتِ ہونے کی وجہ سے اِن کا طرزِ عمل کسی فتوے کا محتاج نہیں رہتا۔ ان کا اپنا اختیار سلب ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ رضا کی وادی کے مکیں ہوتے ہیں۔ اور نامناسب اور غیر موزوں صفاتی آمیزشوں سے پاک ہوتے ہیں۔ ظاہری اور باطنی طور پر یہ ہستیاں مرتبہ "ہُدیٰ" پر متمکن ہوتی ہیں۔ لیکن عامتہ الناس کو اپنے سر نہیں آنے دیتیں۔ جمالی اور جلالی صفات الٰہیہ کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا لباس پہنا کر کائنات کے سامنے کچھ اِس انداز سے پیش کرتے ہیں۔ کہ ماسوائے اُن کے تصرف میں ہوتا ہے۔ اِن کی بقا میں فنا اور فنا میں بقا پوشیدہ ہے حیات وممات ان کے لئے یکساں ہے۔ ان کا وجود نہ نیکی کا دعویدار ہوتا ہے اور نہ برائی کا مدعی۔ یہ ایک ایسی جامع کتاب ہوتے ہیں کہ ہر مطالعہ کرنیوالا اپنی ہی نمایاں صفات کا عکس ان میں پاتا ہے۔ عامتہ الناس خیال کرتے ہیں۔ کہ یہ ہم جیسے ہیں اور خاصتہ الناس انہیں اپنا حادی خیال کرتے ہیں۔ حقیقت میں یہ دونوں گروہ اِن کی ذات میں اپنا آپ دیکھتے ہیں۔ کسی

چیز کا امر کرنا اور کسی چیز سے منع کرنا ہی ان میں صفاتِ الٰہیہ کا تضاد ثابت کرتا ہے۔ مظہر عونِ الٰہی ہونے کے سبب سے اپنی ہستی کو کوئی نمایاں نام نہیں دیتے۔ جمالی صفات کو رحم کا لبادہ اوڑھا کر مستحقین کو پہناتے ہیں۔ اور جلالی صفات کو غضب کی چادر سے ڈھانپ کر ملوث گروہ کو نیست و نابود کرتے ہیں۔ رحماء بینھم اشدآء علی الکفّار بیک وقت ہیں۔ عدم و وجود اور قرب و بعد ان کے لئے مساوی ہوتا ہے۔ یہ بیک وقت کئی جگہ ہو سکتے ہیں۔ اور اگر چاہیں تو سامنے بیٹھے بھی نظر نہ آئیں۔ اور حجاب بن کر رہ جائیں۔ یہ سوتے میں جاگتے ہیں اور جاگتے ہیں سوتے ہیں نیکوں کی نیکی ان کی برائی اور اُن کی لغزشیں عامتہ الناس کی نیکیاں بن جاتی ہیں۔ جیسے ظاہری حیاتِ طیبہ میں اپنے مخالف و موافق گروہ رکھتے ہیں ویسے ہی بعد ممات بھی اپنے موافقوں اور مخالفوں سے وابستہ ہیں۔ کیونکہ موت ان کی فقط آنی ہوتی ہے۔ جو ان کی زندگی جاوداں پر اثر انداز نہیں ہوتی۔ اور اُن کی زندگی اوقاتِ روز و شب کے شمار سے بالاتر ہوتی ہے۔ ان روشن میناروں کی روشنی کبھی ایک جماعت کے لئے کبھی ایک شہر کے لئے اور کبھی ایک ملک کے لئے آئی۔ روشنی میں آنے والے بعض انسانوں نے اس روشنی میں اپنے آپ کو دیکھا۔ لیشارِ الٰہی کی برکت سے احساس پیدا ہوا۔ صفات ممیّز ہو گئیں۔ اور تخلیق کا منشا پا گئے۔ انہیں میناروں نے جب اپنے ماحول کو روشن کیا تو بعض انسان جو ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُورِهِمْ کے زمرہ میں سے تھے۔ باوجود اس روشنی کے اپنے آپ کو ظلمت میں ہی پانے لگے۔ اور اس اندھیریوں میں ہی چھوڑے گئے۔ جو قسامِ ازل نے اُن کے حصّہ میں مقدر کی تھیں۔ یہ رضا کے بندے کسی شے کے وجود سے خوش نہیں ہوتے اور نہ ہی کسی شے کے عدم وجود سے ناخوشی کا اظہار کرتے ہیں برخلاف نیکوکاروں کے جو مقامات ہیں۔ مقید اور کھوئے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور

جن کا ذکر و شکر کسی مقام کی قید کی وجہ سے ہوتا ہے۔ لیکن یہ گروہ کاملین قُلْ اللّٰہُ ثُمَّ ذَرْھُمْ کے بے پایاں سمندر میں تیرتے ہیں۔ چونکہ خود میں صفاتِ تامہ رکھتے ہیں۔ اور صفات کا تقاضا ہے۔ کہ اپنی ضد کی ماہیت اور حقیقت کو آشکار کر دے جیسے آئینہ کی لطافت کا تقاضہ ہے کہ سامنے والی کثافت کو اپنے میں عریاں کر کے پیش کرے۔ اسی باعث جو جو جوہر کسی انسان میں موجود ہوتے ہیں۔ اِن کاملین کی ہستیاں اُن کو ان کے سامنے عریاں کر دیتی ہیں۔ اور وُہ اُن سے بہرہ مند ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔ بادی النظر میں عام انسان اِس تبدیلی کے پیشِ نظر ان کاملین کو رہنما و مرشد یا اس جیسے اور نام دے دیتے ہیں۔ یہ انسان کامل میں صفات الٰہیہ کے ظہور کا ہی کرشمہ تھا۔ کہ چوری و قطبیت۔ بظاہر ضدین تھیں اور ایک کا دوسرے میں منتقل ہونا بھی بظاہر محال نظر آتا تھا لیکن دونوں کا جوہرِ اصلی ایک ہونے کی وجہ سے صفات کے پرتو نے اس جوہر کو چور پر عیاں کر دیا اور وہ قطبیت کے درجے پر فائز ہو گیا۔ اس واقعہ نے اِس بات کی بھی تصدیق کر دی کہ انسانِ کامل کسی مقام یا مرتبے کا مقیّد نہیں۔ وہ ولائت و قطبیت سے کہیں بالا ہوتے ہیں بلکہ بالا و اعلٰے وغیرہ نام بھی ان کو نہیں دے جاتے۔

اِن صفات الٰہیہ کا پرتو کچھ اِس طرح بھی بیان کیا جا سکتا ہے اور یہ حقیقت کچھ ایسے بھی مشاہدہ ہو سکتی ہے۔ کہ ایک عامی انسان جب کسی انسانِ کامل کی صحبت اختیار کرتا ہے۔ تو شروع شروع میں جب وُہ اپنی ہی ملوث صفات کو مومنِ کامل کے آئینہ میں دیکھتا ہے تو مغالطہ کی بنا پر اُسے بھی اِن ملوث صفات کا حامل سمجھتا ہے۔ جو اصل میں اس کی اپنی ہوتی ہیں لیکن صحبت کا اثر اور بے پناہ صفات کے ناوک جب اِن ملوث صفات کو چھیدتے ہیں اور ان کا تجزیہ کرتے ہیں تو خود اس عام

انسان کو اپنے میں اَحْسَنِ تَقْوِیْم کے جوہر نمودار ہونے لگتے ہیں۔ صفات حقہ کا ملوث صفات پر غلبہ ہو جاتا ہے۔ اصل لوث کی جگہ سنبھال لیتا ہے۔ طوافِ بتاں۔ طوافِ کعبہ میں اطمینان پاتا ہے۔ اور غیض و غضب اور فساد فی الارض جہاد کے نشے میں سرشار ہوتا ہے۔ چوری غنائم میں بدل دی جاتی ہے اور ضد و ہٹ دھرمی عقیدت کا رنگ پکڑتی ہے تکبر وادنی خودی میں پناہ گزیں ہوتا ہے۔

انسانِ کامل علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب کشف المحجوب میں چند متقدمین اور اپنے ہمعصر مومنین کا ذکر کرتے وقت پہلے ان کو چند اوصاف سے موصوف کرتے ہیں۔ اِس کتاب میں چونکہ صفات کی بھی بحث ہے اِس لئے مجموعی طور پر اُن تمام صفات کو جو داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے ان کاملین میں پائی ہیں ذیل میں درج کیا جاتا ہے تاکہ جس حد تک ہو سکے ان کی ذہن نشینی بھی بیاں میں ممد ہو۔ اور کتاب مطالعہ کرنے والوں کے لئے زیادہ دشوار نہ بنے۔

۱۔ مبداء ارباب مشاہدہ ۲۔ حجت ارباب مجاہدہ ۳۔ مخزن حیا ۴۔ اعبد اہل صفا ۵۔ متعلق درگاہ رضا ۶۔ متجلے امطریق مصطفےٰ ۷۔ منبر معرفت ۸۔ مزین صفوت ۹۔ منور خصلت ۱۰۔ آفتاب امت ۱۱۔ شمع دین وملت ۱۲۔ رئیس العلما ۱۳۔ فقہ الفقہاء ۱۴۔ ہر دل عزیز ۱۵۔ خوب سیرت ۱۶۔ شجاع طریقت ۱۷۔ متمکن در شریعت ۱۸۔ نقیب اہل تحقیق ۱۹۔ زینب چمن دانش ۲۰۔ فقیر کبیر ۲۱۔ سب دلیوں کے امیر ۲۲۔ پیر صالح ۲۳۔ داعی اہل مجاہدہ ۲۴۔ قائم اندر مشاہدہ ۲۵۔ عز علما ۲۶۔ واصلین حق کے سردار ۲۷۔ مقربین بارگاہ کے بادشاہ ۲۸۔ سفینہ تخلیق وکرامت ۲۹۔ حمصامِ شرف اندر ولائت

۳۰۔ امیر الامرا۔ ۳۱۔ سالک طریقِ بقا۔ ۳۲۔ سریر آرائے معرفت ۳۳۔ تاج اہل معاملت۔ ۳۴۔ معرفت و محبت کے آسمان ۳۵۔ امام فنون۔ ۳۶۔ جاسوس ظنون۔ ۳۷۔ لوگوں سے کنارہ کش ۳۸۔ حصولِ جاہ و مرتبت سے مستغنی۔ ۳۹۔ منقطع از جملہ علائق ۴۰۔ سر فہرست اہل و بلا و بلوی۔ ۴۱۔ مایۂ زہد و تقویٰ۔ ۴۲۔ راہ حق میں یگانہ۔ ۴۳۔ زینِ عباد۔ ۴۴۔ جمالِ اوتاد۔ ۴۵۔ جوانمرد و پارسا ۴۶۔ شیخ سنت۔ ۴۷۔ قاہر بدعت۔ ۴۸۔ سراجِ وقت ۴۹۔ متحمل آفات۔ ۵۰۔ امام متوکلان۔ ۵۱۔ برگزیدہ اہل زمان ۵۲۔ ساکنِ وطن غیب۔ ۵۳۔ زمانِ محبت و وفا۔ ۵۴۔ امید حق پر ثابت قدم۔ ۵۵۔ زمین و زمان کے نادر۔ ۵۶۔ گرفتارِ بلا میں سلامت ۵۷۔ ملامتیوں کے سرخیل۔ ۵۸۔ شیخ باوقار۔ ۵۹۔ شرف خواطر و اسرار ۶۰۔ ممدوح اولیاءؒ۔ ۶۱۔ قدوہ اہل رضا۔ ۶۲۔ شیخ المشائخ۔ ۶۳۔ امام الائمہ۔ ۶۴۔ بادشاہِ اہل تصوف۔ ۶۵۔ بری از آفت تکلف ۶۶۔ پیشوائے سلف۔ ۶۷۔ یادگار صلحا۔ ۶۸۔ سہیل برا وج معرفت ۶۹۔ قطب محبت۔ ۷۰۔ وحید عصر۔ ۷۱۔ امام دہر۔ ۷۲۔ نادر زمانہ ۷۳۔ رفیع المنزلت۔ ۷۴۔ قدوہ اہل معاملت۔ ۷۵۔ تغیرات زمانہ سے محفوظ۔ ۷۶۔ باطن کے نور۔ ۷۷۔ دلوں کے سرور۔ ۷۸۔ مالکِ القلوب۔ ۷۹۔ ماحی العیوب۔ ۸۰۔ مشائخ کرام کے قرۃ العین ۸۱۔ شیخ باخطر۔ ۸۲۔ فانی از صفات بشر۔ ۸۳۔ شرف زیاد امت ۸۴۔ مربی اہل فقر و صفوت۔ ۸۵۔ سفینۂ توکل و رضا۔ ۸۶۔ سالک طریق فنا۔ ۸۷۔ شاہ محققان۔ ۸۸۔ دلِ مریداں۔ ۸۹۔ شیخ اہل تسلیم ۹۰۔ در طریق محبت مستقیم۔ ۹۱۔ داعی مریداں۔ ۹۲۔ شیخ زمانہ ۹۳۔ وقت کے یگانہ۔ ۹۴۔ باسط علوم۔ ۹۵۔ واضع رسوم۔ ۹۶۔ شیخ ظرف

۹۷۔ قدوۂ اہل صفا ۹۸۔ سرہنگ متوکلاں ۹۹۔ سردار مقبلان ۱۰۰۔ محرم سراپردہ تمکین ۱۰۱۔ آساس اہل یقین ۱۰۲۔ عالی حال ۱۰۳۔ لطیف کلام ۱۰۴۔ نرمیٔ گفتار سے حکایت کنندہ اولیائ ۱۰۵۔ شیخ محمود ۱۰۶۔ معدن جود ۱۰۷۔ زمانہ کے مالک ۱۰۸۔ خالی از تکلف و تصرّف ۱۰۹۔ سیف سیادت ۱۱۰۔ آفتاب نجابت ۱۱۱۔ معبر احوال عارفان ۱۱۲۔ سالکانِ طریق حق ۱۱۳۔ اسرار کے اسرار ۱۱۴۔ طراز طریق ولائت ۱۱۵۔ جمال جمیع اہل ہدائت ۱۱۶۔ بیاں مریداں ۱۱۷۔ برہانِ محققان ۱۱۸۔ شرفِ اہل زمانہ ۱۱۹۔ در زمانہ خود یگانہ ۱۲۰۔ عبادت و بیان میں منفرد ۱۲۱۔ ملک الملوک صوفیاں ۱۲۲۔ زینِ اوتاد ۱۲۳۔ شیخ عباد ۱۲۴۔ امام و زین اسلام ۱۲۵۔ شیخ و امام اوحد ۱۲۶۔ در طریق خود منفرد ۱۲۷۔ قطب زمانہ ۱۲۸۔ در وقت یگانہ ۱۲۹۔ انیس اولیائ ۱۳۰۔ ناصح اصفیا ۱۳۱۔ مرد نیک سیرت ۱۳۲۔ ستودہ طریقت ۱۳۳۔ شیخ عارف ۱۳۴۔ ممدوحِ زمانہ ۱۳۵۔ خواجہ امام ۱۳۶۔ مقبول خاص و عام ۱۳۷۔ جانشین حرمت و وقار ۱۳۸۔ قدر و منزلت میں رفیع۔

مندرجہ بالا صفات کو بار بار پڑھنے اور بغور مطالعہ کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ یہ کاملین مقامات شریعت و طریقت۔ صفوت۔ رضا۔ تسلیم کرامت۔ تصوف۔ ولائت۔ معاملت۔ معرفت۔ محبت۔ زہد تقویٰ بلا و بلوی۔ ہدائت و شرف۔ وغیرہما جو اوپر درج ہوئے ہیں۔ ان میں سے کسی ایک پر متمکن نہیں بلکہ یہ مومنین کاملین ان مقامات کے بادشاہ امام۔ نادر۔ قدوہ۔ شیخ۔ مزکی۔ سفینہ۔ مایہ۔ سراج۔ قرۃ العین سردار۔ وغیرہما جیسے کہ اوپر سے ظاہر ہے ہوتے ہیں۔ یہ منصب گر ہوئے ہیں اور ان کا اپنا منصب کوئی نہیں ہوتا۔ منصب اِن پر نازاں

ہوتا ہے ۔ اور یہ منصب سے بے نیاز ہوتے ہیں ۔ چونکہ صفات الٰہیہ اپنے میں کوئی نام و مقام نہیں رکھتیں ۔ اسی طرح یہ کاملین مظہر صفات کے سبب اپنے میں کوئی نام و مقام نہیں رکھتے ۔ ان میں صفات کی نابداری عقل و خرد اور قلب و نظر کو کچھ اس طرح سے شکار کر لیتی ہے ۔ جس کا بیان میں احاطہ کرنا محال ہے ۔ یہ کاملین کبھی کبھی اپنی گفتار سے اور کبھی کبھی اپنے اعمال سے عامتہ الناس پر اس کیفیت کا انکشاف بھی کر دیتے ہیں ۔ داتا گنج بخش صاحبؒ اس کتاب کشف المحجوب میں ایک کامل کا ذکر کرتے فرماتے ہیں کہ وہ اپنے ایک مرید کے ساتھ بازار سے گذر رہا تھا کہ اہل بازار میں سے چند لوگوں نے اُن کو دیکھ کر انہیں گالیاں نکالنی شروع کر دیں ۔ یہ کامل بزرگ خاموش و تحمل سے گالیاں سنتے رہے لیکن عقیدت مند مرید جو ساتھ تھا غصہ میں بھر آیا ۔ اور اُن اہل بازار سے انتقام پر تُل گیا ۔ پیر کامل نے اسے منع فرمایا اور اپنے حجرہ میں لے گئے ۔ اور ایک صندوقچہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کھولنے کے لئے کہا ۔ اس صندوقچہ میں مختلف اطراف و جوانب سے اس بزرگ کے نام مراسلات پڑے پائے جو کہ بڑے بڑے القابات سے شروع ہوتے تھے ۔ مرید کی توجہ ان القابات کی طرف کرتے ہوئے فرمایا ۔ کہ دیکھ نہ تو میں یہ ہوں جو تم ان تحریروں میں پاتے ہو اور نہ ہی میں وہ ہوں جو تم نے اہل بازار کی زبان سے سنا ۔ ہم تکلفت و تصرف سے خالی ہوتے ہیں اور نام و مقام کی الجھنوں سے آزاد رہے ہیں ۔ حضرت جنید بغدادیؒ کے حال میں ایک مشہور روائت ہے کہ ایک دفعہ ان کا جہاز مال سے لدا ہوا سمندر کے کنارے تک پہنچنے سے پہلے غرق ہو گیا کسی نے آکر یہ خبر اُن کو سنائی جواب میں فرمایا الحمد اللہ ۔ تھوڑی دیر بعد دوسرا شخص اس جہاز کے سلامت کنارے لگنے کی خبر لے کر آیا اور کہا کہ حضرت جہاز سمندر کی لہر کی مدد سے ڈوبا ہوا سلامت

کنارے لگ گیا ہے اور بادامیوں کا کچھ نقصان نہیں ہوا۔ آپ نے اُس کے جواب میں بھی فرمایا۔ الحمد اللہ۔ واقعات دونو ایک دوسرے کی ضد تھے لیکن جواب مساوی سے لازماً سُننے والوں کو استفسار کرنا پڑا کہ قبلہ دونو کا جواب ایک ہی کیسے ہوا تو فرمایا کہ غرق کی خبر سے جو دل پر نگاہ کی تو اسے مطمئن اور رجوع علی اللہ پایا۔ تو الحمد اللہ کہا۔ اور جب سلامتی کی خبر سنی تو پھر دل کی طرف نگاہ کی کہ کہیں خوشی میں یاد سے غافل تو نہیں ہو گیا۔ لیکن جب اسے اپنی پہلی حالت پر ہی رجوع دیکھا تو کہا الحمد اللہ۔ چونکہ خود حائل ضدین ہوتے ہیں اس لئے وقوعِ ضدین ان پر اثر انداز نہیں ہوتے۔ خارقِ عادت افعال یا جس کو عام طور پر کرامت کے لفظ سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ان مومنین کاملین کی زندگیوں کا نمایاں پہلو ہوتا ہے۔ ان کی نشست و برخاست۔ ان کے افعال و کردار۔ انکی گفتار ان کا سوتا جاگنا سب کرامات ہوتی ہیں۔ باوجود اسکے یہ ہستیاں ان کرامات کے ظہور سے گریز کرتی ہیں تاکہ نظامِ کائنات میں خلل نہ آئے۔

اجتماعِ ضدین ہونے کے سبب جب ان سے کوئی فعل سرزد ہوتا ہے تو عقلِ عام جس کے تحت یہ اجتماع محال ہے اس فعل کی تفہیم سے عاجز و قاصر رہ جاتی ہے اور اسے ناچار کرامت یا اعجاز کا نام دے کر اپنی تسلی کر لیتی ہے۔ تیرِ جستہ کو نشان تک پہنچنے سے بیشتر ہی لوٹا دینا۔ غضب والی صفت کو بروئے کار لاتے ہوئے پانی میں آگ لگا کر اسے خشک کر دینا اور صفات رحیمہ کو خوشی میں لاکر حرارت کو برودت میں تبدیل کر دینا۔ پانی پر چلنا۔ ہوا میں اُڑنا تحت الثریٰ میں مدفون خزانوں کا پتہ کر لینا بنفس نفیس کرۂ زمہریر سے گذر کر عجائبات شمس و قمر کا مشاہدہ کرنا و علیٰ ہذالقیاس جس شئے کو بھی کرامت کا نام دیا جا سکے یہ سب ان میں صفات کے ظہور کا ہی کرشمہ ہے۔ اور انہیں صفات

کے طفیل ان کو ہر ممکن پر قدرت ہوتی ہے۔ باوجودیکہ ان کو صفات کے اثرات سے آگاہی ہوتی ہے اور ہر ایک صفت کے لاتعداد نتائج سے واقف ہوتے ہیں جہاں تک کہ بارش کے قطرات گننے پر بھی قادر ہوتے ہیں لیکن پھر بھی ان کو بروئے کار نہیں لاتے اور جاننے کے باوجود ان کا اعلان نہیں کرتے ۔ چونکہ اُن کے سامنے مقصدِ حیات محض معرفت الٰہی ہوتا ہے اور کرامات وغیرہ صرف چراغِ راہ ہیں اور منزل کی نشاندہی کرنے میں کسی حد تک ساتھ بھی دیتی ہیں اس لئے ان کا اعلان ان کے اپنے لئے معرفت میں متعلق نہیں ہوتا بلکہ بعض اوقات ان کے لئے سخت مضر ثابت ہوتا ہے۔

ان کاملین کا اپنا اختیار جیسے کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ مسلوب ہوتا ہے ۔ اسی لئے کشف وکرامات کو اختیار کے ماتحت لانا درست نہیں ۔ زیادہ وضاحت کے پیشِ نظر یوں سمجھ لینا چاہیے کہ کسی کرامت کا ظہور کسی علت کے بغیر نہیں ہوتا اور علت شے سے ہی متعلق ہوتی ہے ۔ اور ہر شے میں صفات الٰہی پنہاں ہیں ۔ ذرہ سے لے کر بڑی سے بڑی جسامت والی سے صفات کے لحاظ سے مساوی ہوتی ہیں ۔ اس کی دلیل کو پھر ذہن نشین کرلیں ۔ کوئی شے یا جگہ ذات سے خالی نہیں ذات اپنی صفات سے علیحدہ نہیں اس لئے ایک صفت دوسری سے جدا نہیں جہاں ایک صفت نظر آتی ہے وہاں تمام صفات پوشیدہ ہیں جو ذات سے علیحدہ نہیں اور نہ عینِ ذات ہیں ۔ پس اس نظریہ کے ماتحت مٹی کی ڈلیا کا سونے کی ڈلیا میں منتقل ہونا اثرِ صفات الٰہی کے سامنے کچھ مشکل نہ ہوا ۔ اصل ۔ جنس ۔ مواد ۔ وجود ۔ شکل ۔ مشابہت میں سے کسی ذرہ بھر حصہ کا ہونا لازمی ہے ۔ اس کی ماہیت کا بدلنا صفات کا کمال ہے ۔ عدمِ وجود سے کسی کرامت کا وجود گو ذاتی طور پر ممکن ہو لیکن

صفاتی طور پر محال ہے۔ غیر مرئی صفات غیر مرئی صفات میں ہی تبدیل ہو سکتی ہیں جیسے رنج و غم کا خوشی میں۔ وغیرہ۔ یہ ذات تک ہی محدود ہے کہ جب کچھ نہ تھا اور وہ تھا تو عدم کو وجود بخشا۔ صفات میں یہ شے نہیں پائی جاتی کہ عدم سے وجود پیدا کرے۔ پہاڑ سے اونٹنی کا نکلنا عصا کا اژدہا بن جانا ایک ابریک (لوٹے) میں قلیل مقدار پانی سے نہریں جاری کر دینا یہ سب معجزات علت کے مقتضی ہیں وعلی ہذا القیاس۔ صفات کی موجودگی لازمی طور پر ضدیں کی موجودگی ہوئی۔ ایک کا پنہاں ہونا دوسرے کا آشکار ہونا ہے۔ اور دوسرے کا آشکار ہونا اس کی ضد کا پنہاں ہونا ہے۔ تقابل کی صفات نے جو رنگ پکڑا ہوا ہے۔ لازماً مقابل شے وہی رنگ اختیار کرے گی چاہے وہ مٹی سے سونا ہو یا سونے سے مٹی۔ مومنین کاملین ان چیزوں کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے وہ صفات کے ہر رنگ میں دورہ کرتے رہتے ہیں اور بیک وقت۔ انہیں صفات کے نمایاں طور پر ان کو کبھی کبھی اُن کے ہم پلّہ کاملین ذات کا نقطہ بھی دے دیتے ہیں

؎ اولیا اللہ و اللہ اولیا
ہیچ فرقے درمیان نبود روا

جس سے عامۃ الناس اپنی تفہیم نارسا کے بہ پیش نظر مغالطہ میں پڑ جاتے ہیں اور الٹے پلٹے فتوے لگانے شروع کر دیتے ہیں۔

امام ابن جوزیؒ کے زمانہ میں فضیلت صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی بحث نے پورا زور پکڑا مسلمانوں کے دو گروہ ہو گئے۔ ایک حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کو افضل کہتا تھا۔ دوسرا گروہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی افضلیت کا دعویدار تھا۔ بظاہر ان متضاد نظریات کا منطبق ہونا محال معلوم ہوتا تھا اور نوبت بھی یہاں تک پہنچ چکی تھی کہ دونوں گروہ اس کا فیصلہ تلوار سے ہی کریں۔ چنانچہ خلیفہ وقت نے ایک مجمع عام

جو دو گروہوں پر مشتمل تھا۔ طلب فرمایا۔ اور مناظرانہ رنگ دے کر اس گتھی کو سلجھانا چاہا۔ امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ جو اس زمانہ میں کاملین میں سے تھے اور خود ضدین صفات کے حامل تھے اس جلسہ میں کھڑے ہو کر ایک فقرہ میں گروہ ضدین کو ایک دوسرے کے گلے ملا دیا اور اس بے معنی بحث کو اپنے وقت میں ہمیشہ کے لئے ختم کر گئے۔ فرمانے لگے صحابہ کرام میں سے افضل وُہ ہے۔ "الذی بنتہ من بیتہ۔ جس کی بیٹی جس کے گھر میں" دونوں گروہوں نے ان الفاظ کے معنی اپنی اپنی صفات کے مطابق پائے۔ ضدین کا علاج ضد سے ہو گیا۔ مشاہدہ اس کا بھی گواہ ہے کہ یہ خارقِ عادت۔ ارحاص اعجاز۔ کرامت کے نام لیتی ہوئی جب کسی غیر مومن سے سرزد ہوتی ہے تو صرف اپنا نام ہی تبدیل کرتی ہے۔ حقیقت اور اصلیت میں کوئی فرق نہیں آتا استدراج نام پانے کی وجہ سے گو اس کے استعمال اور عمل پر مختلف قسم کے فتوے لگ سکتے ہیں لیکن اس کے واقع ہونے میں کسی قسم کی شک کی گنجائش نہیں۔ پانی کا دودھ بن جانا یا شراب کا شہد میں بدل دینا اگر ایک مومن کامل سے وقوع پذیر ہو سکتا ہے تو یہی افعال ایک غیر مومن سے بھی ظہور پذیر ہوتے مطالعہ میں آ چکے ہیں۔ انہیں مومنین کاملین نے آخر الذکر کو استعمال کے لئے جائز اور حرام ٹھہرایا ہے لیکن اس کے باعث میں شاید سکوت برتا ہے۔ اور اس کو "ممکن" کے درجہ سے آگے نہیں رکھا۔ اللہ آپ کو توفیق عطا فرمائے اس حقیقت کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیں کہ خوارق عادات (جو چاہیں ان کا نام رکھ لیں) کسی طرح سے بھی ایمان اور شرعی عقل کا معیار نہیں ہو سکتیں۔ اور نہ ہی کسی انسان کی شخصیت کو ان پر عبور سے معرفت الہیہ میں کوئی درجہ دیا جا سکتا ہے۔ جب بات یہ ٹھہری تو بلا تامل ان غیر مومنین کی جماعت کے استدراجی افعال کو بھی صفات کے پرتو کا ہی کرشمہ ماننا پڑے گا۔ صفات ہر آن ہر مقام پر جلوہ گر ہیں۔ اور کسی شے میں کسی ایک صفت کا جلوہ متقابل

صفت کو جو ابھی شئے میں مضمر ہے آشکارا کر سکتا ہے جیسے کہ پہلے آئینہ والی مثال میں بیان ہو چکا ہے۔

علم السحر یا جادو بھی آخر انہیں صفات کے اختلاط سے ہی موثر ہوتا ہے۔ کلمات بھی اپنے اندر علیحدہ صفات رکھتے ہیں ان کی ادائیگی ایک جداگانہ صفات کی حامل ہے اوقاتِ ادائیگی بھی ایک علیحدہ صفات رونما کرتے ہیں۔ اسی طرح کلمات کا ایک شئے یا ایک سے زائد اشیا پر جو خود اپنے میں گوناگوں صفات رکھتی ہیں مختص طریقہ سے پڑھنا بھی ظہور صفات سے خالی نہیں۔ صفات کے آپس میں چکرانے اور ٹکرانے سے خارقِ سنت افعال کو ہی سحر۔ جادو۔ استدراج۔ کرامت۔ اعجاز۔ ارحاص وغیرہ کے نام دئے جاتے ہیں۔ امتیاز کے طور پر فقط اس قدر کہنے پر قناعت کرتے ہیں کہ ساحر اپنے سیکھے ہوئے طرق کو بروئے کار لائے غیر مومنین نے کسی ایک یا چند مختص صفات کو اپنے اپنے مجاہدہ اور ریاضت سے جلا دی۔ اور مومنین کاملین میں یہ خارقِ عادت افعال غیر شعوری طور پر ثبات استقامت کی برکت سے یا یوں کہئے کہ اتباع سنت سید الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل روشن ضمیری کی معرفت سرزد ہوتے۔ فقط ان کی ارواح قدسیہ صفات سے منور ہوتی ہیں اور لوح محفوظ کے نقوش ان میں منعکس ہو جاتے ہیں جس سے مغیبات پر اطلاع اور عالم سفلی میں تصرف ان کا ادنےٰ کمال ہوتا ہے۔ اسلام۔ سنت یا استقامت سے ان افعال کا واسطہ الگ ہو گیا اس لئے کہ ان کا صدور اوروں میں بھی پایا گیا۔ اور مومنین کاملین کا معیار بجائے کرامت کے استقامت ٹھہرا۔ جس کے ثبوت کے لئے توفیق ایزدی سے ذیل میں درج سطور ملاحظہ فرمائیں وما توفیقی الا باللہ

اولی الامر حضرات اور اکابر صوفیہ کا کلام بلاخلاف متفق ہے کہ کمال ایقانِ ایمانی کے ساتھ شرع و سنت پر استقامت اصل میں معیار ہے اور

کشف وکرامات یہاں کوئی چیز نہیں۔ سابقین ولاحقین حق کو شیخ عارف حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالےٰ نے بھی لکھا ہے کہ "کشوف راجوئی نمی خرند"۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اس مرتبہ پر تھے وہاں کچھ کشف وکرامات کی تلاش نہ تھی بلکہ رزق حلال کی تلاش کے ساتھ اتباع سنت اُن کا شعار تھا۔ اسی کے بیش نظر راقم الحروف استقامت کو لیتا ہے وباللہ التوفیق

استقامت

استقامت یہ ہے کہ صفاتِ اوامر وصفات نواہی پر مستقیم رہے راہ حق سے نہ پھرے۔ جب تک منزل وصل کو نہ پہنچے۔ جرجانیؒ نے کہا طالب کرامت نہ ہو طالب استقامت ہو۔ استقامت فوق کرامت ہے۔ یہ مقام انہیں مومنین کاملین کو حاصل ہوتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس مقام کے امام ہیں۔ یہ فضلِ حق ہے جس کو چاہے اس زورق پر بٹھا کر اسے پار کردے۔ تمام رنج ومجاہدہ بے فائدہ اور بے سود اگر حق تعالےٰ نے اسے یہ مقام نہیں دیا۔ ابوعلی وقاقؒ نے کہا ہے کہ استقامت وُہ ہے کہ سِر اپنے کو ماسوائے اللہ سے محفوظ رکھے۔ نہ خطرہ ماسوا دل میں سمائے اور نہ خیال غیر سِر میں آئے جس کی صفات ہیں بس اس کا ہی دھیان ہو یہی استقامت ہے۔ افعال اقوال اور اخلاق سب صفات الہٰیہ کے طفیلی ہیں ان کا راہِ متوسط پر رہنا اور افراط و تفریط۔ غلو اور تقصیر کی آمیزشوں سے علیحدہ رہنا ہی استقامت ہے۔ انہیں مومنین کاملین نے دینِ اسلام کو استقامت کا نام دیا اور سنتِ سید الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ثابت قدمی کو بھی استقامت ہی کہا ہے حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا "ثبتنا علی الصراط المستقیم" ثابت رکھ ہمیں راہ راست پر۔ یعنی جو صفات عرفان کی ہیں عبادت کی ہیں

احسان کی ہیں اور طاعت کی ہیں اللہ عزوجل کی توفیق سے ان مومنین کاملین میں پائی جاتی ہیں اور یہ دنیا میں نزع میں اور آخرت میں بھی انہیں صفات کے طفیل برگزیدہ اور راہِ راست پر رہتے ہیں۔

اقسام صفات

۱۔صفات الہامیہ۔ ۲۔صفات احساسیہ۔ ۳۔صفات عقلیہ۔ ۴۔صفات نظریہ۔ ۵۔صفاتِ شہویہ۔ ۶۔صفات غضبیہ۔ ۷۔صفات رحمیہ کرمیہ اور حلیمیہ۔

صفت ہر آں موصوف سے وابستہ ہے۔ قرب و بعد کا اعتبار نہیں جنت کی خوشبو فقراء امراکی نسبت پچاس برس کی مسافت سے بیشتر سونگھے گے۔ خوشبو کا تعلق بہر حال جنت سے وابستہ ہے۔ اس طرح صفات باری تعالےٰ اس ورا الورا کی نشاندہی ضرور کراتی ہیں۔ اگرچہ یہ ورا الورا بھی اس کی ایک صفت ہے۔ اور وہ اس سے بھی آگے۔ نشان کا بتانا۔ یا نشان پر چلانا یہ صفت کی خوبی ہے۔ اس چلانے اور بتانے کو ہی لفظ ہدائت سے پکارا جاتا ہے۔ یہی ہدائت اس مطلب و مقصدِ اعلےٰ کی نشاندہی کراتی ہے۔ رسائی مقصد کے کئی ایک طریقے ہیں۔ سب سے افضل طریقہ صفات الہامیہ سے ہے۔ جو ان کاملین میں موجود ہے۔ اس کی مثال بچہ میں اپنی ماں کے پستانوں کو بے تامل اور بے تلمذ چوسنا ہے اور جوان آدمی میں تلاش و احساس زوج اور کبر سنی میں اعضا کا مضمحل ہونا ہے۔ بھوک کی شکائت کی جہت سے گریہ کا ہونا کسی دنیاوی مکتب کی کرامت نہیں بلکہ خروج شکم مادر سے ہی طفل یہ تعلیم پاکر آتا ہے۔ صفت احساس کا تعلق حواس ظاہرہ و باطنہ دونوں سے ہے اِس سے اچھی بُری چیزوں کی پہچان ہوتی ہے۔ اس

صفت کا ظہور حسیات (Sensations) سے ہی وابستہ ہے - اور جہاں اس صفت کی رسائی نہیں یا یوں سمجھئے جہاں احساس مفقود ہوئے - وہاں کے دریافت کرنے کو صفت عقل کارفرما ہوتی ہے جس کا ذکر اس کتاب کے پہلے اوراق میں گذر چکا ہے - اور جہاں عقل نہیں پہنچی وہاں معلوم کرنے کو صفات نظریہ کام میں آتی ہیں تاکہ ان صفات سے نتیجہ برلائے اور جن اشیا میں نظر عقل کی گنجائش نہیں اور جن کا حسن و قبح قوت عقلیہ سے مدرک نہیں ہوتا یا اس کے سمجھنے میں وہم و خیال معارضہ کرتے ہیں ہیں اُن کے دریافت کرنے کو حقیقت میں ان کاملین کا وجود ہے - کہ ان اکابر کے واسطہ سے مقصد زندگی برآئے اور جمیع صفات کو اپنے میں سمیٹے ہوئے راہ خیر و شر کی واضح کریں - اور ما جاء به الرّسول اکرم علیه الصّلوٰة والتسلیم تبیانی (شریعت) اور توفیقی (طریقت و معرفت) طور پر عامۃ الناس تک پہنچائیں - کیونکہ انہیں کاملین پر حقائق علیٰ ما هی علیه کا انکشاف ہوتا ہے جن کی مجملاً تین طرحیں ہیں - ۱ - من اللہ - مثال - قُل انّ ھدی اللہ ھو الھدی - ۲ - الی اللہ - مثال اِنّی ذاھبٌ الی ربّی سیھدین - اور ۳ - باللہ مثال - لولا ھدانا اللہ ما اھدینا (حدیث) اور یہی آخری درجہ آیت اھدنا الصّراط المستقیم میں مطلوب ہے - اور یہی بامدار کاملین عامۃ الناس پر واقع ہوتی ہے حالاً فحالاً و مقاماً بعد مقامٍ ۰ چونکہ ان کاملین نے صراط مستقیم اختیار کیا ہوتا ہے اور مستقیم اختیار توسط ہے درمیان افراط و تفریط کے اس لئے مناسب سمجھا کہ کچھ بیان افراط و تفریط کا بھی ہو جائے -

---

افراط و تفریط

عبارت میں لفظ افراط اس معنیٰ میں آتا ہے کہ جہاں صفات الہیہ سے
کسی صفت کا ظہور دیکھے تو اُس کی بے اختیار پرستش کرنے لگے جیسے اہل ہنود
کا طریقہ ہے ۔ اور تفریط یہ ہے کہ کسی وقت بھی مشاغلِ دنیا اور مطلب دنیا
سے فارغ ہو کر عالمِ غیب کی طرف متوجہ نہ ہو جیسے انگریز اور ملاحدہ یہ بھی افراط
ہے کہ ہر چیز کو وہم میں سبب (Cause) ٹھہرا کر اس سے درخواست کرنے
لگے اور اپنی مطلوبہ حاجات میں اس کی طرف رجوع کرے ۔ ستاروں کی تاثیریں
دِنوں کی سعادتیں اور نحوستیں اور معدنیات ۔ نباتات اور حیوانات کے خواص
کو ملحوظ رکھ کر ان کی رعائت کرتا رہے ۔ اپنی عورت ۔ اپنی اولاد ۔ اپنے ماتحتوں
گھوڑوں ۔ حویلیوں ۔ تلواروں اور ان کے سوا اور اشیاء میں شوم و یمن کا خیال
رکھے اور زندگی کے اوقات اپنے اوپر نخواہ تنگ کرلے اور سودائیوں کی
طرح ہر چیز سے ڈرے اور ہر چیز سے توقع نفع اور انتفاع عظیم کی رکھے ۔ اور اس
نظریہ کے بپیش نظر کہ آخر یہ صفات غیر ذات نہیں صفات تک ہی محدود رہے ۔
تفریط یہ ہے کہ معتبر اسباب جیسے دوا و غذا اور پرہیز اور صحبت نیکوں
کی اور بدوں کی اور دعا و التجا جناب باری کو سرے سے ہی ساقط الاعتبار جانلے
اور اس نظریہ کے بپیش نظر کہ آخر یہ صفات عین ذات تو نہیں صفات کو گنتی میں
ہی نہ لائے ۔ اور اپنے تنزیہ کے واسطے ان کی مطلق نفی کرے الحاصل اثبات
و نفی صفات دونوں خطرہ سے خالی نہیں ۔ افعال الٰہی کو مانند افعال اپنے کے کسی
غرض پر حمل کرنا ۔ یا فعل کی نسبت کسی بندے کی طرف کرنا ۔ یا بندے کو مثل
جمادِ بے دخل اعتقاد کرنا ۔ انسان کا چارہ ان میں سے کسی ایک میں نہیں ۔ افراط
و تفریط یہ بھی ہے کہ ان کاملین دائمۃ دین کو اپنی مثل اغراض دنیوی میں پھنسا

ہولجانے اور مغلوب حاجاتِ نفسانیہ سمجھے۔ یا ان کو لوازم الوہیت کے یا قدرت اوپر تمام مقدورات کے ہی ثابت کرے اور اُن کو معبود بنائے اور رزق و فرزند۔ خدمت منصب ادنٰے بالاستقلال چاہے اور علی الاطلاق مانے۔ اور ان کی شفاعت جناب الٰہی میں واجب القبول سمجھے۔

افراط و تفریط یہ بھی ہے۔ کہ ایمان کو اس درجہ ساقط الاعتبار کرے کہ ہر گناہ کی تاثیر سے ایمان کا زوال لازم جانے۔ اور ایمان دار گنہگاروں کو کافروں کی مثل مخلّد فی النار جانے یا اعمال نیک و بد کی تاثیر ذاتی آخرت میں ثابت کرے کہ ذات باری تعالےٰ بے اختیار تابع اعمال بندہ ہے عفو گناہ اور نا قبول طاعت اس سے ممکن نہیں۔

۴۔ افراط و تفریط صفات شہویہ صفات شہویہ کا مبدأ و منبع منافع کا حاصل کرنا اور مرغوبات کی خواہش ہے۔ اس کی افراط فجور ہے اور اس کی تفریط ہر اس چیز سے سکون ہے جس کو عقل و شرع ترغیب دیں مثل نکاح حلال اور طعام لذیذ بغیر شبہ کے۔ اور مرتبہ وسط اس کا عفت ہے یعنی شہوت کو حکم عقل اور شرع کے تابع کرنا۔ اور اس وسط سے اخلاق محمودہ جو متولد ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر درج ذیل ہیں۔ ۱۔ حیا۔ ۲۔ صبر۔ ۳۔ قناعت۔ ۴۔ تورع۔ ۵۔ جوانمردی۔ ۶۔ سخاوت۔ ۷۔ ایثار۔ ۸۔ کرم۔ ۹۔ عفو ۱۰۔ مروت اور معاملات میں مساہلہ۔

۵۔ افراط و تفریط صفات غضبیہ۔

ہر پُرخطر چیز کا اقدام کرنا اس کا مبدا و منبع ہے اور یہ صفت ہمیشہ تقاضہ کرتی ہے کہ تسلط و ترفع جاری رہے اور مضرتِ غیر اپنی ذات سے اور اپنے متعلقین سے ہمیشہ دفع رہے۔ اس کی افراط جرأت کرنی وہاں جہاں نہ چاہیے۔ اور تفریط اس کی ڈرنا جس سے نہ ڈرنا چاہیے۔ اور توسط اسکی شجاعت ہے۔ جس سے آگے بہت سے اخلاق محمودہ پیدا ہوتے ہیں۔

۱۔ مثل علو ہمت ۔ ۲۔ استقلال ۔ ۳۔ حلم ۔ ۴۔ تحمل اور حمیت اور سوا اس کے ۔

۶ : انسان حیوانِ ناطق ہے اور صفت نطقیہ سے بھی سرفراز کیا گیا ہے اِس کی افراط کو جربزہ (یاوہ گوئی) اور اس کی تفریط کو غباوت (کند ذہنی) کہتے ہیں ۔ اس قوّت کے اوسط کو حکمت کہتے ہیں جس کے ماتحت ۔ ۱۔ ذکا ۲۔ سرعت فہم ۔ ۳۔ صفائے ذہن ۔ ۴۔ آسانی سے تعلیم کرنا ۔ ۵۔ حسن تحفظہ ۶۔ تذکر اور ۔ ۷۔ تعقّل جیسی صفات ظہور پذیر ہوتی ہیں ۔ مندرجہ بالا صفات جن کا خاکہ مختصراً درج کر دیا ہے اگر ان سب کا توسط ایک جگہ اکٹھا کو دیا جائے تو جو حاصل ہوگا اسے عدالت کہیں گے ۔ جس کے ۔ تابع ۔ ۱۔ دوستی ۔ ۲۔ الفت ۳۔ وفا اور ۔ ۴۔ شفقت اور ۔ ۵ ۔ مکافاتِ احسان اور ۔ ۶ ۔ پاسِ علاقہا ۷ ۔ اور حسنِ صحبت ۔ ۸ ۔ اور مشارکت ۔ ۹ ۔ اور توکل اور ۔ ۱۰ ۔ ایفائے حق معبود مطلق اور ۔ ۱۱ ۔ حق ملائکہ اور ۔ ۱۲ ۔ پیغمبران اور ۔ ۱۳ ۔ اولوالامر اور انقیاد اوامر ۱۴ ۔ و نواہی شرعی جیسی صفات کا ظہور رہتا ہے ۔

یہاں ایک لطیف نکتہ ذہن نشین کرلیں کہ صفتِ نطقیہ ذاتی ہے جو کہ روح کو بدن کے تعلّق سے پہلے ہی حاصل تھی بخلاف صفات شہویہ اور غضبیہ کے کہ بواسطہ تعلّق بدن حاصل ہوئیں ۔ پس کمال توسط صفت نطقیہ میں یہ ہے کہ اس کا یہاں تک بھی ہو سکے استعمال کرے کہ زیادہ اس سے ممکن نہیں ۔ اور کمال توسط صفت شہویہ اور غضبیہ کا یہ ہے کہ اس کا بقدر ضرورت استعمال کرے بحدیکہ کمتر اس سے ممکن نہیں ۔ پس طریق توسط دریافت کرنا بغیر رفاقت ان کاملین کے دشوار ہے اور یہی گروہ صراط مستقیم پر ہے ۔ یہ صفات کے مجموعے ذات کی طرف متوجہ رہتے ہیں اور ماسوای صفات سے اعراض کئے ہوئے ہیں ۔ اور یہاں تک تابع فرمان الٰہی ہیں کہ اگر ارشاد ہو کہ پسر ذبح کر تو کر ڈالے ۔۔۔ اگر فرمان ہو کہ جان اپنی

نثار کر تو بشاشت تمام سے قبول کرے اور اگر حکم ہو کہ اپنے آپ کو دریائے ذخار میں ڈال تو ڈال دے۔ اور اگر بعد عطائے مرتبہ اعلیٰ کے فرمان ہو کہ شاگردوں کی طرح ایک مجہول الحال کے پاس جاکر بعض باتیں سیکھے تو ننگ و عار نہ رکھے حکم بجا لائے۔

ضیائے کلمتہ اللہ کے لیئے اگر میدان کرب و بلا میں کودنا پڑے اور خون دے کر دین اسلام کے پودوں کی آبپاشی کرنی پڑے تو دریغ سے گذر جائے

صفت رحیمیہ

دراز و تابدار گیسو کی طرح اس حسن لم یزل کا یہ گیسو بھی بے شمار طرحیں اور ادائیں رکھتا ہے حالانکہ حدیث پاک سے ظاہر ہے کہ اللہ عزوجل کے پاس سو رحمت ہیں جن میں سے صرف ایک تمام کائنات پر بھیجی گئی ہے۔ دیگر صفات کی طرح یہ صفت بھی اپنے اندر افراط و تفریط اور توسط رکھتی ہے۔ اس کی افراط نبوت و وحی اور ہدائت ہے اور تفریط بہائم کا اپنے بچوں پر شفقت کرنا اور اس کا توسط قرار اشیائے کائنات ہے۔ ہر سہ ذاتی ہیں اور ما سوائی ان تینوں کے صفاتی رحمت ہے۔ یعنی بخشنا اس چیز کا جو لائق ہر موجود کے ہے اور اس سے فضل اوروں پر حاصل ہو۔ مثال کے طور ـــــ خورشید کو روشنی تابیدن۔ اشجار کو سایہ و ثمر۔ اور یہ صفاتی رحمت دو قسم کی ہے عام اور خاص۔ عام جو اوپر والی مثال میں بیان ہوئی۔ اور خاص میں طاعات و عبادات شامل ہیں اور ایسے علوم بھی جن کا خاص افراد کو نفع پہنچے جیسے علم طب و علم نباتات وغیرہ یہ رحمت خاص اُن مومنین کاملین کا نصیب ہے اور اس مظروف کا ظرف جمیع عبادات جن کو کنایتہً نہایت جنت بھی کہا جاتا ہے ہوتا ہے۔ حالانکہ اصل کلید

جنت بھی مظروف (رحمت) ہے۔ اور اعمال کی دخول جنت کے لئے کوئی وقعت نہیں رکھی۔ وضاحت کے پیش نظر شربت و بوتل کی مثال ہی لے لیجئے۔ شربت نوش فرمانے کے بعد اگر ایک آدمی یہ کہہ دے کہ اس بوتل نے میری پیاس بجھائی تو چنداں مضائقہ نہ ہوگا۔ اسی طرح اعمال کو حیثیت دی جاتی ہے کہ دخول جنت کا باعث وسبب کہلائیں گو علت رحمت ہی ہوگی۔ بارہا یہ رحمت کسی کی جملہ ریاضات اور عبادات کو ایک نظر بھی نہیں دیکھتی اور کبھی یہ رحمت کسی کی ایک معمولی سی ادا میں سما جاتی ہے۔ اور اس کی نجات کا ذریعہ ہوتی ہے۔ اور صفات کی طرح یہ صفت بھی اضداد میں ظاہر ہوتی ہے۔ اگر ایک کیفیت بادی النظر میں غیر ضروری اور غیر نافع معلوم ہو تو تجربہ شاہد ہے کہ یہی غیر ضروری اور غیر نافع بعد میں اس کے لئے رحمت ثابت ہوتی ہے۔ امراض و بلا جو ظاہری طور پر رحمت کا لبادہ اتارے ہوئے نظر آتی ہیں۔ کسی ایک کے لئے گناہوں سے توبہ کا پیش خیمہ بن جاتی ہیں۔ اور کبھی بارش جس کو عام طور پر رحمت کے نام سے ہی موسوم کیا جاتا ہے بعضوں کے لئے تباہی وبربادی لاتی ہے۔ یہی رحمت ایک رنگ میں اس کے لئے زحمت ہے اور پھر یہی زحمت، اول الذکر مثال کے پیش نظر پھر رحمت بن کر انسان کو کھڑا کر دیتی ہے۔ اہل قلم اس کو "رحمتِ اضافی" کے نام سے پکارتے ہیں۔ شئے غیر نافع ہو یا غیر ضروری ہر حال میں رحمت ٹھہری لیکن بنی نوع انسان کو اپنے چکر کے ساتھ ایک ایسا چکر دے گئی کہ "الحمد للہ رب العالمین فی کل حال" کے سوا کوئی چارہ نہ چھوڑا۔ بعینہٖ اللہ عزوجل کی حکمت اور ان کا کرم اتنی وسیع صفات ہیں کہ کائنات کی ہر شئے کو محیط کئے ہوئے ہیں۔ شئے چاہے کسی لباس میں ہو۔ کوئی رنگ اختیار کئے ہو۔ نہ رحمت سے نہ حکمت اور نہ اس کے کرم سے خالی ہے۔ اور یہ

صفات کچھ اس انداز سے ان مومنین کاملین میں گھر کئے ہوئے ہیں کہ یہ مقدس جماعت ایک لمحہ کے لئے بھی شکایت کا زباں سے تو درکنار دماغ میں خیال تک بھی نہیں لاتے۔ اس نعمت کو کلام پاک نے خیر کثیر کا دوسرا لفظ دیا ہے۔ من یوت الحکمۃ فقد اوتی خیراً کثیراً۔ پس جب فقدان شکوہ ہو تو لامحالہ موافقت نے جگہ پکڑ ہی اور جب موافقت اور سازگاری آگئی تو تمام حجابات ایک ہی ساز کے پردے ہو گئے۔ اور وصل و فصل کی تمیز بھی اٹھ گئی۔ این و آن کے پرے اپنا مقام لے گئے۔ صفاتی ظہور نے کہاں سے کہاں تک نہ پہنچایا۔ لیکن ضد کا تازیانہ ہر آن ہر صفت کے ساتھ وابستہ رہا۔ ان کاملین نے بلندیوں میں اپنے آپ کو نیچا پایا۔ از خود رفتہ مقامات پر بھی عبودیت کا دم بھرا۔ انتہائے فنا میں بھی ان کاملین کی صفتِ انانیت کو جدا نہ پایا اور ضمیر متکلم کو اپنے اقوال میں قائم رکھا۔ اپنی نسبت نیک گمان رکھنے والوں کے لئے بدگمانی ظاہر کی اور سارا نیک گمان بیک وقت دھو کر رکھ دیا۔ اور ایسے ہی اس کے برعکس۔ اہل جہاں کی موافقت و مخالفت متوازی رکھی۔ لاچارگی اور بے بسی کی حالت میں بھی تصرّف و اختیار اتنا پایا کہ دنیا والے اب تک اور خبر نہیں کب تک ان کاملین کی نسبت نیک نامی و بدگمانی کے فتوے صادر کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ جیسا کسی نے گمان باندھا ان حضرات کو ویسا پایا۔ یہ رضا کے بندے۔ صفات کے مجموعے بناوٹوں اور لگاوٹوں سے علیحدہ رکھنے والی صفت کے بھی حامل ہوتے ہیں ؎

وہ ہیں کیا مگر وہ ہیں کیا نہیں، کے مصداق ٹھہرے۔ اہل قلم و علم کتابِ دل کی تفسیریں لکھ سکتے ہیں۔ خوابِ جوانی کی تعبیریں بتا سکتے ہیں۔ خوشحال لوگوں کی جاودانی مسرت اور مظلوموں کی فریادرسی کے نقشے کھینچ سکتے ہیں۔ باغ و بہار۔ گل و بلبل۔ صنم کدے دیر و حرم۔ علوم و فنون۔ امورِ سلطنت و بادشاہی یا جو کچھ کہ بیان کے دائرہ میں

آجائے بیان ہو سکتا ہے لیکن ان کاملین کی شناخت سوائے انہی کاملین کے کوئی دوسری ہستی کرنے یا کرانے سے عاجز ہے۔ عامۃ الناس کو ان کے متعلق جو وصول ہو اتضاد سے خالی نہیں۔ اور تضاد ہی صفات کا خاصہ ہے بلکہ ایک صفت ہی اپنے اندر ہزاروں ضدیں پنہاں کئے ہوئے ہے۔ اور ہر صفت میں معنی إذا جاوز شئ حدّہ انعکس ضدّہ ظہور میں آتے ہیں۔ جس صفت نے بھی صیغہ مبالغہ اختیار کیا البتہ ضد سے بدل گئی۔ سیاہی چمک مارنے لگی اور روشنی بینائی اچک لے گئی حضرت قاسم الانوارؒ زیر تفسیر انہ کان ظلوماً جھولاً فرماتے ہیں کہ ظلم اور جہل ضد عدل اور علم ہے۔ اور کلام پاک میں صرف و نحو کے اعتبار سے ظلوم اور جہول دونو صیغے مبالغہ کے استعمال ہوئے ہیں اس لئے اپنے اندر عدل اور علم کے معنی رکھتے ہیں انسان جہول ہے یعنی عالم کیونکہ نہایت علم باللہ اقرار کرنا ساتھ جہل کے ہے۔ اسلوب کلام نے ان الفاظ میں ایسی نازکی باندھی کہ مدح کو مذمت کا چکر دے کر پلٹ دیا۔ اور اس کا کل کو کچھ ایسا الجھایا کہ اس کا سلجھانا قیامت تک کے لئے نا روا رکھا۔ ایسی ادائیں کلام اللہ عزوجل میں کثیر التعداد ہیں جن کا اپنے محل میں ذکر کیا جائے گا انشاء اللہ۔ صفت کو ابتدا سے نہایت یا غایت یا تجاوز عن الحد تک کے سفر میں گوناگوں اور بوقلموں اثرات چھوڑنے ہوتے ہیں اور اس دائرہ یا چکر کی تیزی نظر و خیال کی تیزی کی طرح ہوتی ہے بلکہ اس سے بھی زائد روشن۔ صدورِ فتوے کا عجز بھی اسی سبب سے ہے۔ نہ کہیں صفت قرار پکڑے اور نہ کسی فتوی کی منت کش ہو۔ عام مشہور ہے کہ آج کل فتوے فروخت ہوتے ہیں۔ ان کی اصل بھی یہی گھتی ہے۔

ایک صفت شیریں۔ (عذب۔ مٹھاس۔) کو ہی لے لیجئے۔ اللہ جلنے اس کی ابتدا کہاں سے ہوتی ہے اور یہ کس لٹ کا بال ہے۔ بادی النظر میں ہمارے سامنے نیشکر (گنّا) جب آتا ہے۔ تو مٹھاس کا تصور بھی ساتھ لاتا ہے جو اس میں پوشیدہ ہے۔ اس کے چوسنے سے لیکر اس کے انتہائی عمل تک جب کہ یہ ایک

مصری کے کوزے کی صورت پکڑتا ہے درمیان میں کئی طرح کی شیرنیاں لاتا ہے۔ رس۔ قند۔ راب۔ گڑ۔ شکر۔ چینی باوجود ایک اصل (شیرین) کے مختلف اثرات پیدا کرتی ہیں۔ اس کے چوسنے سے جو طبیعت پر اثر ہوتا ہے۔ اس کی رس (دیلے پیلنے سے) علیحدہ اثر رکھتی ہے۔ اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ جونہی صفت نے لباس اتارا تو معاً کسی دیگر صفت کے ساتھ ملی۔ یہ دو نو صفات ضرب کھاتی بیک وقت ہزاروں صفات سے ایسی گھل مل جاتی ہیں کہ عقل ان کے تجزیہ سے ناکام رہ جاتی ہے صفات کی آمیزش صفتِ اصلیہ کے مزاج کی تبدیلی کا باعث بنتی ہے۔ اور جوہر عقل کو کوسوں پیچھے چھوڑ جاتی ہے۔

مومنین کاملین کے بیان میں لفظ استقامت سے اگر ایک گونہ کامیابی ہوئی اور یہ نظریہ قائم کیا کہ روشِ طریقت میں کوئی درجہ عالی تر استقامت سے نہیں اور بقول محمد بن فضل رحمۃ اللہ علیہ کہ ہونے اس کے سے سب نیکیاں نیک ہوں اور نہ ہونے اس کے سے بدیاں سب ہوں استقامت ہے۔ باوجود اس امر کے بھی کہ استقامت کو افراط و تفریط کا وسط بھی ثابت کیا لیکن پھر بھی کسی ایک ٹھوس دائرہ میں پناہ نہ ملی۔ اوسط۔ وسط۔ توسط۔ مستقیم استقامت یا ان کے ہم معنی جو الفاظ بھی ہیں سب کے سب جب صفت کی لپیٹ میں آئے تو اس کی تیزی نے استقامت کے ایک سے زائد معانی نکالے۔ اور ہر مرد کامل کے لئے یہ استقامت اس کے اپنے مرتبہ کے مطابق رونما ہوئی۔ نمونہ کے طور پر راقم الحروف متقدمین میں سے چوٹی کی پانچ شخصیتوں کا نظریات آپ کے سامنے رکھتا ہے۔ اسی سے باقی کاملین کے نظریات کا اندازہ کرلیں۔ جوں جوں درد کی دوا ملتی رہے گی درد اور لا دوا ہوتا جائے گا۔

۱:- حضرت ابابکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں استقامت یہ ہے کہ "شرک نہ کرے" چونکہ آپ ارباب مشاہدہ کے بادشاہ ہیں اور محبت میں آپ ایسے گم ہیں کہ سولئے "صورت امر" کچھ دیکھتے ہی نہیں اس لئے آپ کا

وسط نفی شرک ٹھہرا۔

۲:۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ فرماتے ہیں کہ استقامت یہ ہے کہ امر ونہی پر قائم رہے اور رُو بہ بازی نہ کرے۔ چونکہ آپ ارباب مجاہدہ کی حجت ہیں۔ آپ کا وسط مجاہدہ ٹھہرا۔

۳:۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ فرماتے ہیں کہ استقامت خالص اور پاکیزہ عمل ہیں۔ چونکہ آپ مخزن الحیا ہیں اس لئے پارسائی اور طہارت کو وسط ٹھہرایا۔

۴:۔ حضرت علی کرم اللہ تعالےٰ وجہہٗ فرماتے ہیں کہ استقامت یہ ہے کہ فرائض ادا کرے چونکہ طریقیت میں آپ کی شان اعلیٰ اور درجہ رفیع ہے اس لئے فرائض اور اصول کو وسط ٹھہرایا۔

۵:۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں کہ استقامت یہ ہے کہ بندہ طاعت گذار رہے اور گناہ سے بچے۔ چونکہ آپ امام عصر ہیں۔ اور علم سلوک میں آپ کے لطیف ارشادات ہیں۔ اور زہد و تقوےٰ میں کمال حاصل ہے۔ اس لئے بندگی مولا اور تقوےٰ کو وسط ٹھہرایا۔

غرضیکہ لفظ استقامت کو بھی استقامت نہ ملی۔ اللہ عزوجل کی راہ میں ایک کم از کم اوقات دینے والا بھی اُسی قدر زہد کو استقامت سمجھتا ہے۔ یہ گروہ مومنین کاملین آپس میں بھی چند مخصوص صفات کی بنا پر ایک دوسرے سے افضلیت اور شرف رکھتے ہیں۔ متقدمین حضرات نے ان کو چار جماعتوں میں تقسیم کیا ہے جو یہ ہیں۔

۱:۔ اہل معاملات۔ یہ صاحب امر اپنے میں کرامات اور نشانیاں جیسے مٹی سے سونا کرنا یا ایک آن واحد میں دور و دراز کا سفر طے کرنا دعا قبول کرنا وغیرہ امور رکھتے ہیں۔

۲:۔ اہل درجات۔ پہلے گروہ کی نسبت اشرف ہیں ان میں زہد۔ پرہیزگاری

یعنی سوائے اللہ عزوجل سے سب سے تقوٰی کرنا۔ صبر۔ شکر۔ توکل۔ رضا تسلیم۔ تفویض۔ تقویم۔ صدق۔ اخلاص۔ احسان۔ استقامت۔ طمانیت وغیرہ امور پائے جاتے ہیں۔

۳:۔ اہل حالات۔ یہ پہلے دو نو گروہوں سے افضل شمار ہوتے ہیں۔ اُن کے امور حسب ذیل ہیں۔ وجد۔ نجویٰ۔ مراقبہ۔ حیا۔ خوف۔ رجا۔ محبت شوق۔ عشق۔ سکر۔ محو۔

۴:۔ اہل معائنہ۔ یہ گروہِ اولی الامر فوق پر ہیں ان میں کشف۔ مشاہدہ معرفتِ توحید۔ تفرید۔ فنا۔ بقا وغیرہ امور پائے جاتے ہیں۔ یہ لوگ اپنی فراست سے تمام دلوں کے مالک ہوتے ہیں اور ہر شخص کے دل کو اس کی صلاحیت کی قدر و اندازہ پر جان لیتے ہیں۔

راقم الحروف کی نظر سے ایک چھوٹا سا رسالہ بنام "آب حیاتی" ایک صاحب امر حضرت پیر عمر بخش نوشاہی" کا لکھا ہوا گذرا اس کے آخری صفحہ پر سلیس فارسی زبان میں چند سطور انہیں اولی الامر حضرات کی تعریف میں لکھے پائے۔ چونکہ ان کا نفسِ مضمون سے تعلق پایا۔ بعینہٖ درج ذیل کر دیئے۔ "تا غیب کہ دلِ سالک از غیر پاک نہ شود ہر نماز و روزہ خواندن برائے کسب دنیا کار باد فروشاں است۔ وخانقاہاں و مسجداں دفر وخانہ کارِ بازاریاں است وچاہ کندیدہ آب دادن کارِ باغباں است۔ ونفی و اثبات کردن کار آہنگراں است۔ واز عورات ماندن کار مخنثاں وخواجہ سرایاں است۔ وظہور کرامت کارِ ساحراں است۔ وروئے دپائے برائے وضو شستن کارِ لولیاں است۔ وحکائتِ پوشیدہ باز کردن کارِ دیوانہ وغمازان بہ است۔ وکسے تنبیہ کردن و زدن کارِ جلادان است۔ وبدعائے نیک نفع رسانیدن کار سود خواراں است۔ ودر علم مشہور بودن کارِ شیطاناں است وخلق را رجوع کردن کارِ بتاں است وقطب گویانیدن کارِ ستارگان است۔

دعوتی شدن کارِ سپاہیاں است۔ وپیغمبری کردن کارِ حاجیاں است۔
وخدا شدن کارِ خود پرستاں وخود نمایاں است۔

نتیجہ

ازخود رفتن وبے خود شدن کارِ شاہ مرداں وکامگاراں است۔
این ہمہ کارہا کہ مذکور شدہ اند تمام کارِ شیخی است ومشائخاں است۔
چراکہ شیخ تواند کہ از ایماں بے ایمان شود۔ ازخدا تعالےٰ بیزار گردد و از
رسولِ خدا صلوات اللہ تعالےٰ علیہ انکار کند۔ از دین بے دین باشد۔
اَمّا از چاہِ شیخی بر آمدن نتواند۔ وچاہِ شیخی بسے پست وعمیق است۔ کہ ہزاراں
ہزار سالک دراں غرق شدہ اند۔ اے برادر نہائتِ کار سالک آں است
کہ از کار بے کار واز مراد بے مراد واز امید نا امید واز خود بے خود۔ ہمہ طالبی
وسالکی دریں است کہ۔ توکل وتسلیم "

صورتِ امر

اللہ عزوجل کی عنائت کردہ توفیق سے عامتہ الناس اور صاحب امر
(اولی الامر) جماعتوں کا ذکر صفاتِ باری تعالےٰ کی روشنی میں ہو چکا۔ اور
صفات کے سامنے عقلِ انسانی نے ہر قدم پر شکست کھائی "تفکروا فی صفاتہٖ
ولاتفکروا فی ذاتہٖ" والی حدیث کے پہلے حصے نے تشنہ کامی ظاہر کی اور
شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ اقدس سے اس اجتماع ضدین کا ذخیرہ
تلاش کرنے کے لئے راہ دکھائی۔ سیاق والی تحریر انہیں کے کرم سے ہوئی اور
ماسبق جو آئے گا تیرے ہی کرم سے ہو گا۔

کائنات ساری معترف ہے اور آپ کی توصیف میں عاجز۔ آپ کے خصائص بے پایاں اور فضائل بے کراں بڑی بڑی کتابوں میں مذکور ہیں آپ کے لیے جو جو الفاظ صلوۃ وسلام کے ساتھ آج تک قرطاس میں آچکے ہیں۔ اگر سب کو جمع کیا جائے تو ان کا تحمل بھاری سے بھاری طاقت یا جماعت پر بھی بھاری ہوگا آپ کا نام نامی اور اسم گرامی ہی جو ازلی احمدؐ قیامت تک محمد صلعم اور ابد الاباد میں محمود ہے بتا رہا ہے۔ کہ صفات کا کوئی پہلو نہیں جو آپ سے وابستگی کا دم نہ بھرتا ہو۔ مندرجہ بالا تینوں الفاظ لفظ حمد سے مشتق ہیں اور حمد کا ترجمہ (تعریف) جو متقدمین سے وصول ہوا حمد کی کما حقہ ترجمانی نہ کر سکا۔ یہاں پہلے حمد اور تعریف کے فرق کو ذرا ذہن نشین کر لیں تاکہ نفس مضمون سہل ہو جائے۔

ا: تعریف ہر اس خوبی کا تقاضہ کرتی ہے جو کسی شئے یا وجود سے وابستہ ہو حمد ہر اس کمال کی مقتضی ہے جو وجود سے مستغنی ہو اور اس کی مثل کوئی شے نہ ہو۔ یا لفظ تعریف خوبی کے ایک درجہ پر صادر ہو سکتا ہے۔ لیکن حمد کمال سے نیچے کچھ نہیں چاہتا۔ صفت میں یہاں نقص پڑا حمد کا لفظ اس کے لئے راست نہ آیا۔

۲: تعریف مجاز چاہتی ہے اور حمد حقیقت۔ اسی واسطے حقیقت محمدی حقیقۃ الحقائق ہے۔ حدیث پاک اول ما خلق اللہ نوری وخلق الخلق من نوری والے نور سے بھی مراد جناب رسالتمآب ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) اور وجہ اس نام کی یہ ہے کہ پہلے سب سے حق تعالےٰ نور آپ کا پردہ عدم سے باہر لایا پھر تمام عالم اس نور سے ظاہر فرمایا انہیں سے زمین و زمان بلکہ نہ آسمان روشن ہوئے سے نہ ہوتے وہ تو یاں نہ ہنستا کوئی "نہ ہنستا کوئی اور نہ روتا کوئی" یہ وجود و نمود جو عدم سے ظہور پذیر ہوا اسی نور سے ہے۔ یہی نور امیر نہیں اور سردر

مرسلین بنا۔ یہی نور بادشاہ آخرین و مفخر اولین ہوا۔ جناب محمد علیہ السلام رسولِ مجتبیٰ شفیع انام امامِ جہان۔ مقتدائے رسل۔ قیامِ زماں رہنمائے سبل لفظ اُمّی بھی نور کے معنی میں ہی استعمال ہوتا ہے بحر الحقائق میں ہے کہ عرب اصل اور منشا کو ام کہتے ہیں۔ جیسے کہ مکہ کو ام القریٰ کہتے ہیں کہ سب شہروں کا مبداء و منشا ہے اور لوحِ محفوظ کو ام الکتاب کہتے ہیں۔ ایسے ہی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اُمّی ہیں یعنی اصلِ موجودات ہیں اور آپ کے نور سے سب کا ظہور ہے۔ موید اس معنی کا اولاہ لما اظہرت الربوبیتہ اور شاہد اس دعویٰ کا "لولاک لما خلقت الافلاک" ہے یہاں یہ بیان کر دینا بھی ضروری ہے کہ نور کسی ایک صفت کا نام نہیں۔ نور ہمیشہ صفات کا مجموعہ ہوتا ہے۔ روزمرّہ کی زبان میں جب کہا جاتا ہے کہ یہ سب آپ کا ہی نور ظہور ہے تو اس سے آپ کی سب صفات کا ترشح ہونا پایا جائے گا۔ "آغوشِ ذہن" سے جب لفظ کُن نکلا تو اسی نور نے ہی حمد کے ذریعے رازِ بستہ کو افشا کیا اور یہاں تک کہ اپنا نام احمد رکھوایا یہ صوریت کن یا صورت امر اپنے پیدا کرنے والی حقیقتِ امر کی طرح جسم و جسمانیت کی محتاج نہ تھی بلکہ اپنا دورہ صفاتِ باری تعالیٰ میں ہی رکھا اور تا حدِ بشریت اسم فاعل ہی رہے گوناگوں مصلحتوں کے پیشِ نظر لباس بشری زیبِ تن کیا اور قیامت تک کے لئے اسمِ مفعول (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کا صلہ پایا۔ اس لباس نے عوام کو دھوکا دیا اور عقل کل کو اپنی جزوی عقول کے ماتحت ناپنا شروع کر دیا سراپا حمد کو اپنے جیسا جانا اور اپنے سے کچھ اوپر درجہ پر مانا۔ ان کی ظاہری حیاتِ طیبہ کو اپنی حیات کی طرح تصوّر کیا اور ان کے چشمِ سر سے چھپ جانے کو موت تک کا لفظ دے دیا۔ کاش اُن کے گوش اُس مومنِ کامل کے اُن حقیقت بھرے الفاظ سے شناسا ہوتے جب انہوں نے محلِ انتقال پر فرمایا کہ جو کوئی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پوجتا تھا اُس کے لئے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مر گئے اور جو

محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خدا کو پوجتا تھا ان کے لئے محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) اب بھی اس طرح زندہ ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مثل کلام اللہ عزوجل بھی حقیقت عظمیٰ کا داعی ہے۔ جو سیاہی الفاظ و اوراق اور شد و مد میں ملبوس نظر آتا ہے۔ اسکی تنزیل من رب العالمین کسی لباس و شکل کی محتاج نہ تھی۔ عرش اعظم سے آسمان دنیا پر یک بارگی جو نازل ہوا اس کی کیفیت نازل کرنے والا جانے۔ ہاں اس کا نزول جو قلب اطہر صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوا۔ نزلناہ علی قلبک آیہ صاف صاف بتا رہا ہے کہ قلب پر جو شے وارد ہوتی ہے وہ ہمیشہ کیفیت ہوتی ہے الفاظ نہیں ہوتے۔ قلب کی دھڑکنیں انسانی لباس پہن کر مخاطب کے لئے فہم و استنباط کا درجہ پاتی ہیں اور قارئین اور سامعین پر ان الفاظ کی معرفت سے پھر وہی کیف اور وجد پیدا ہوتا ہے جو الفاظ کے ظہور سے پہلے محل نزول پر پایا گیا۔ مثال کے طور پر محکمہ ڈاک میں تار رسانی کا عمل ملاحظہ فرمائیں۔ تار وصول کرنے والا ایک آلہ کے سامنے بیٹھا گر۔ گٹ۔ گر گٹ کی آوازیں سنتا ہے اور انہیں دھڑکنوں سے اُن آوازوں کو الفاظ کا جامہ پہنائے جاتا ہے۔ جس سے ایک مبسوط عبارت پیدا ہو جاتی ہے۔ ادھر تار ارسال کرنے والا بھی انہیں دھڑکنوں کو ہی بروئے کار لاتا ہے۔ اوراق و الفاظ کی شکل جو جو ایک کتاب میں نظر آتی ہے۔ خود قرآن نے اسے "قولِ رسول کریم" کہا ہے۔ اور اس کی حقیقت کو لو انزلنا ھذا القران علی جبل رایتہ.. الخ والی آیہ مبارکہ میں کھول دیا ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ قرآن کوئی اوراق کا مجموعہ نہیں اگر ایسا ہوتا تو پہاڑ تو درکنار ایک معمولی سا میز اس کا متحمل ہو سکتا لیکن برعکس اس کے اس کا دباؤ اس قدر فرمایا کہ پہاڑ کو ریزہ ریزہ کر دینا اس کی حقیقت اعلیٰ کے سامنے دشوار نہ ہوا۔

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) و کلام اللہ عزوجل کی حقیقتوں کے

ثبوت کے بعد تیسری حقیقت جو سامنے آتی ہے وہ حقیقت امر یعنی ذات باری تعالیٰ ہے۔ جو پہلے سے ہی کسی لباس وغیرہ کی منت کش نہیں اور نہ ہی اس حقیقت کے ثبوت کے لئے کسی دلیل و برہان کی ضرورت ہے بلکہ دلائل کی ثبوت تک رسائی ہی نہیں۔ یہ ذات حقیقت ہی حقیقت ہے اور مندرجہ بالا دونو حقیقتوں میں کچھ ایسے گم ہے۔ کہ ایک کا پانا تینوں کا پانا ہو جاتا ہے۔

حضور پر نور علیہ الصلوٰۃ السلام قرآن کی چلتی پھرتی تصویر ہیں اور کلام اللہ حضور علیہ السلام کی تفسیر۔ رویت حقیقت محمدی رویت باری تعالیٰ ہے ایسے ہی تینوں حقیقتیں اپنے اندر جن صفات سے متصرف ہیں ان میں سے کسی ایک حقیقت کی صفات باقی دونو حقیقتوں کی صفات سے علیحدہ نہیں ۔ اجتماع ضدین چونکہ ایک دشوار ترین معمہ ہے۔ اور ضدوں سے کھیلنا ہے اس لئے موضوع سے دلچسپی رکھنے والے حضرات سے التماس ہے۔ کہ پہلے صفات کا ذخیرہ جو ابھی تک بواسطہ متقدمین حضرات بیان کے دائرہ میں آچکا ہے اس کو محفوظ کریں اور اپنے دل و دماغ میں اُن کو جگہ دیں۔ کلام اللہ کے مطالعہ سے صفات باری تعالیٰ جو ذخیرہ آیہ ولہ الاسما الحسنٰی کی تفسیر کے تحت حدیث پاک کی روشنی میں متقدمین کرام کی وساطت و تصدیق سے ہم تک پہنچا وہ بھی اور جو اسمائے صفات ایک ہی آیہ مبارکہ میں ایک دوسرے کی ضد میں پائے گئے ان کو بھی راقم الحروف نے اکٹھا کیا ہے۔ تاکہ صفات کے ذخیرہ میں اضافہ ہو جائے۔ جتنا ذخیرہ صفات زیادہ ہو گا۔ اتنا ہی مسئلہ اجتماع ضدین آسان ہوتا جائے گا۔ وباللہ التوفیق

ولِلّٰہِ الاسما الحسنیٰ فادعوہ بہا۔ (اعراف) اور واسطے اللہ کے ہیں نام اچھے پس پکارو ان کو ساتھ ان کے مراد ان سے نود ونہ نام ہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔ من احصاہ دخل الجنۃ جس نے

پھر ان کو یعنی یاد کیا ان ناموں کو داخل ہوا جنت میں۔ وہ یہ ہیں۔

۱۔ ھواللہ الذی لا الہ الا ھو۔ ۲۔ الرحمٰن۔ ۳۔ الرحیم
۴۔ الملک۔ ۵۔ القدوس۔ ۶۔ السلام۔ ۷۔ المومن
۸۔ المھیمن۔ ۹۔ العزیز۔ ۱۰۔ الجبار۔ ۱۱۔ المتکبر
۱۲۔ الخالق۔ ۱۳۔ الباری۔ ۱۴۔ المصور۔ ۱۵۔ الغفار
۱۶۔ القھار۔ ۱۷۔ الوھاب۔ ۱۸۔ الرزاق۔ ۱۹۔ الفتاح
۲۰۔ العلیم۔ ۲۱۔ القابض۔ ۲۲۔ الباسط۔ ۲۳۔ الخافض
۲۴۔ الرافع۔ ۲۵۔ المعز۔ ۲۶۔ المذل۔ ۲۷۔ السمیع
۲۸۔ البصیر۔ ۲۹۔ الحکم۔ ۳۰۔ العدل۔ ۳۱۔ اللطیف
۳۲۔ الخبیر۔ ۳۳۔ الحلیم۔ ۳۴۔ العظیم۔ ۳۵۔ الغفور
۳۶۔ الشکور۔ ۳۷۔ العلی۔ ۳۸۔ الکبیر۔ ۳۹۔ الحفیظ
۴۰۔ المقیت۔ ۴۱۔ الحسیب۔ ۴۲۔ الخلیل۔ ۴۳۔ الکریم
۴۴۔ الرقیب۔ ۴۵۔ المجیب۔ ۴۶۔ الواسع۔ ۴۷۔ الحکیم
۴۸۔ الودود۔ ۴۹۔ المجید۔ ۵۰۔ الباعث۔ ۵۱۔ الشھید
۵۲۔ الحق۔ ۵۳۔ الوکیل۔ ۵۴۔ القوی۔ ۵۵۔ المتین
۵۶۔ الولی۔ ۵۷۔ الحمید۔ ۵۸۔ المحصی۔ ۵۹۔ المبدئ
۶۰۔ المعید۔ ۶۱۔ المحی۔ ۶۲۔ الممیت۔ ۶۳۔ الحی
۶۴۔ القیوم۔ ۶۵۔ الواجد۔ ۶۶۔ الماجد۔ ۶۷۔ الواحد
۶۸۔ الفرد۔ ۶۹۔ الصمد۔ ۷۰۔ القادر۔ ۷۱۔ المقتدر
۷۲۔ المقدم۔ ۷۳۔ الموخر۔ ۷۴۔ الاول۔ ۷۵۔ الاخر
۷۶۔ الظاھر۔ ۷۷۔ الباطن۔ ۷۸۔ الوالی۔ ۷۹۔ المتعالی
۸۰۔ البر۔ ۸۱۔ التواب۔ ۸۲۔ المنعم۔ ۸۳۔ المنتقم
۸۴۔ العفو۔ ۸۵۔ الروف۔ ۸۶۔ مالک الملک

۸۷- ذوالجلال والاکرام - ۸۸- المقسط الجامع
۸۹- الغنی المغنی - ۹۰- المانع المعطی - ۹۱- الضار
۹۲- النافع - ۹۳- النور - ۹۴- الهادی - ۹۵- البدیع
۹۶- الباقی - ۹۷- الوارث - ۹۸- الرشید - ۹۹- الصبور

لا تمت کلمۃ اللہ

اسمائے صفات (سوائے اللہ کے جو اسم ذات ہے) اپنے اندر ترجمے معانی - تشریحات سب کچھ رکھتے ہیں - یہ صفات کس سے ماخوذ اور کس سے مشتق ہیں - یہاں اس کی بحث نہیں - یہ صفات جلالی ہیں یا جمالی اور ان کا علیحدہ علیحدہ وظیفہ کون کون سے اثرات مرتب کرتا ہے اس کتاب میں اس کا بھی تعلق نہیں کتب صوفیائے کرام میں ان کا عمل درج ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں - اگر چاہیں -

اسمائے صفات جو صورت امر یا حقیقت محمدیہ صلعم سے متقدمین رحمۃ اللہ نے وابستہ کئے ہیں کم و بیش وہی ہیں جو حقیقت امر (باری تعالیٰ) کے لئے پیچھے لکھے جا چکے ہیں مندرجہ ذیل مزید صفات خصوصی طور پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اسم گرامی کے ساتھ کلام اللہ کی روشنی میں پائی جاتی ہیں -

اسماالحسنیٰ

حضور پر نور علی الصلوٰۃ و اسلام

۱- محمدؐ - ۲- احمد - ۳- حامد - ۴- محمود - ۵- قاسم
۶- عاقب - ۷- فاتح - ۸- خاتم - ۹- حاشر - ۱۰- ماحی
۱۱- داع - ۱۲- سراجؐ - ۱۳- رشید - ۱۴- منیر - ۱۵- بشیر
۱۶- نذیر - ۱۷- ھاد - ۱۸- مھد - ۱۹- نبی - ۲۰- رسول - ۲۱- طٰہٰ
۲۲- یٰس - ۲۳- مزمل - ۲۴- مدثر - ۲۵- شفیع - ۲۶- خلیل
۲۷- کلیم - ۲۸- حبیب - ۲۹- مصطفیٰ - ۳۰- مرتضیٰ - ۳۱- مجتبیٰ

۳۲-مختار-۳۳-ناصر-۳۴-منصور-۳۵-قائم-۳۶-حافظ
۳۷-شہید-۳۸-عادل-۳۹-حکیم-۴۰-نور-۴۱-حجت
۴۲-برہان-۴۳-ابطحی-۴۴-مومن-۴۵-مطیع-۴۶
مذکر-۴۷-واعظ-۴۸-آمین-۴۹-صادق-۵۰
مصدق-۵۱-ناطق-۵۲-صاحب-۵۳-مکی-۵۴-مدنی
۵۵-عربی-۵۶-ہاشمی-۵۷-تہامی-۵۸-حجازی-۵۹
نزاری-۶۰-قریشی-۶۱-مضری-۶۲-امی-۶۳-عزیز-
۶۴-حریص-۶۵-رؤف-۶۶-رحیم-۶۷-یتیم
۶۸-غنی-۶۹-جواد-۷۰-فتاح-۷۱-عالم-۷۲-طیب
۷۳-طاہر-۷۴-مطہر-۷۵-خطیب-۷۶-فصیح
۷۷-سید-۷۸-متقی-۷۹-امام-۸۰-بار-۸۱-شافی
۸۲-متوسط-۸۳-سابق-۸۴-مقتصد-۸۵-مہدی
۸۶-حق-۸۷-مبین-۸۸-اول-۸۹-آخر-۹۰-ظاہر
۹۱-باطن-۹۲-رحمت-۹۳-محلل-۹۴-محرم-۹۵-آمر
۹۶-ناہی-۹۷-شکور-۹۸-قریب-۹۹-منیب-۱۰۰-مبلغ
۱۰۱-طٰس-۱۰۲-حٰم-۱۰۳-حسیب-۱۰۴-اولی-۱۰۵-
رحمت اللعالمین ﴾
وصلی اللہ تعالیٰ علیہ بعدد کل ذرۃ مِائۃ الف
الف مرۃ وبارک وسلم ٭

اسمائے الحسنے جو کلام الٰہی میں کلام پاک سے متعلق ہیں وہ سوائے لفظ قرآن ایک اوپر چالیس ۴۱ ہیں جو درج ذیل ہیں۔

۱-فرقان-۲-ذکر-۳-تنزل-۴-احسن الحدیث
۵-موعظ-۶-حکیم-۷-تذکرہ-۸-ذکری

۹۔ حکم ۔ ۱۰۔ حکمت ۔ ۱۱۔ محکم ۔ ۱۲۔ یٰس ۔ ۱۳۔ شفا
۱۴۔ رحمت ۔ ۱۵۔ ھدیٰ ۔ ۱۶۔ ھادی ۔ ۱۷۔ صراط
۱۸۔ مستقیم ۔ ۱۹۔ جبل اللہ ۔ ۲۰۔ نعمت
۲۱۔ قص الحق ۔ ۲۲۔ بتیان ۔ ۲۳۔ مبین ۔ ۲۴۔ بصائر
۲۵۔ فصل ۔ ۲۶۔ نجوم ۔ ۲۷۔ مثانی ۔ ۲۸۔ متشابہ
۲۹۔ برھان ۔ ۳۰۔ بشیر ۔ ۳۱۔ نذیر ۔ ۳۲۔ قیّم ۔
۳۳۔ مھیمن ۔ ۳۴۔ نور ۔ ۳۵۔ حق ۔ ۳۶۔ حق
الیقین ۔ ۳۷۔ عزیز ۔ ۳۸۔ کریم ۔ ۳۹۔ عظیم
۴۰۔ مبارک ۔ ۴۱۔ روح +

اسمائے صفات جو ایک ہی آیت میں ایک دوسرے کی ضد میں آئے اور جن کا نزول مختلف جگہوں میں متعدد بار ہوا ۔

۱ :۔ انعام ۔ غضب ۔	۲ :۔ ایمان ۔ کفر ۔
۳ :۔ صلح ۔ فساد ۔	۴ :۔ سفھیہ ۔ عالم ۔
۵ :۔ ضلالت ۔ ہدائت ۔	۶ :۔ ضیا ۔ ظلمت ۔
۷ :۔ قطع ۔ وصل ۔	۸ :۔ موت ۔ حیات ۔
۹ :۔ تبدون ۔ تکتمون ۔	۱۰ :۔ حق ۔ باطل ۔
۱۱ :۔ امر ۔ نسیان ۔	۱۲ :۔ ادنیٰ ۔ خیر ۔
۱۳ :۔ فضل ۔ خسارہ ۔	۱۴ :۔ مسلّم ۔ شئیت ۔
۱۵ :۔ سر ۔ اعلان ۔	۱۶ :۔ امام ۔ ظالم ۔
۱۷ :۔ شکر ۔ کفر ۔	۱۸ :۔ یسر ۔ عسر ۔
۱۹ :۔ ابیض ۔ اسود ۔	۲۰ :۔ دنیا ۔ آخرت ۔
۲۱ :۔ اثم ۔ نفع ۔	۲۲ :۔ عزیز ۔ حلیم ۔
۲۳ :۔ امساک ۔ سرح ۔	۲۴ :۔ ظلمت ۔ نور ۔

۲۵:- فقر - غنا - ۲۶:- صغیر - کبیر -
۲۷:- رُشد - غیّ - ۲۸:- آتا - تنزع -
۲۹:- لیل - نہار - ۳۰:- حنیف - مشرک -
۳۱:- طوعاً - کرھاً - ۳۲:- معروف - منکر -
۳۳:- وُدّ - بغض - ۳۴:- حسنۃٌ - سیئۃٌ -
۳۵:- حمق - ربٰو - ۳۶:- غنم - امن -
۳۷:- اخفا - تبدون - ۳۸:- بشارت - حزن -
۳۹:- خبیث - طیّب - ۴۰:- قلیل - کثیر -
۴۱:- کراہت - خیر - ۴۲:- وسمع - غیر مسمع -
۴۳:- یطع - تولّی - ۴۴:- امن - خوف -
۴۵:- قاعد - مجاہد - ۴۶:- لَو - اعراض -
۴۷:- بشیر - نذیر - ۴۸:- عزت - ذلت -
۴۹:- غِل - مبسوط - ۵۰:- قبض - بسط -
۵۱:- حلال - حرام - ۵۲:- تولو - بلاغ -
۵۳:- شدید العقاب - غفور الرحیم - ۵۴:- عذاب - مغفرت -
۵۵:- سر - جہر - ۵۶:- کشف - نسیان -
۵۷:- بر - بحر - ۵۸:- نفع - ضرر -
۵۹:- مستقر - مستودع - ۶۰:- ظاہر - باطن -
۶۱:- اول - آخر - ۶۲:- یذہب - یستخلف -
۶۳:- ثقیل - خفیف - ۶۴:- ضراً - خفیاً -
۶۵:- صَعِقاً - آفاق - ۶۶:- تحمل - تترک -
۶۷:- خیر - سوٓد - ۶۸:- وجہہ - دبر -
۶۹:- نفق - کنز - ۷۰:- نکث - عہد -

۷۱: غیب - شہادت - ۷۲: صلحاً - سیئاً -

۷۳: تاخر - تقدم - ۷۴: اعمیٰ - بصیر -

۷۵: عالی - سافل - ۷۶: شقی - سعید -

۷۷: سمان - عجاف - ۷۸: رطب - یابس -

۷۹: اصل - فرع - ۸۰: فاصدع - اعرض -

۸۱: ذکر - انثیٰ - ۸۲: سموات - تحت الثریٰ

۸۳: طلوع - غروب - ۸۴: رغب - رہب -

۸۵: تحت - فوق - ۸۶: حصیناً - عظیمٌ -

۸۷: یسرفو - یقتر - ۸۸: علو - اسلم -

۸۹: نجات - غیر - ۹۰: شیعہ - عدو -

۹۱: لا - الا - ۹۲: بسط - قدر -

۹۳: عذاب - رحیم - ۹۴: کذب - حق -

۹۵: خوف - طمع - ۹۶: قوت -

۹۷: فوق - سفل - ۹۸: معوّقین - قائلین -

۹۹: رجس - طہر - ۱۰۰: نکاح - طلاق -

۱۰۱: یلج - یخرج - ۱۰۲: ید - خلف -

۱۰۳: یمین - شمال - ۱۰۴: ممسک - مرسل -

۱۰۵: عذب - ملح - ۱۰۶: ظلّ - مسرور -

۱۰۷: بین - خلف - ۱۰۸: محسن - ظالم -

۱۰۹: متقی - فاجر - ۱۱۰: کذب - صدق -

۱۱۱: ضال - ہاد - ۱۱۲: غد - عشا -

۱۱۳: مرض - شفا - ۱۱۴: آخرت - اولیٰ -

۱۱۵: ضحک - بکا - ۱۱۶: فنا - بقا -

۱۱۷:۔ مہتد - فاسق - ۱۱۸:۔ بر - اثم -
۱۱۹:۔ تقوسے - عدوان - ۱۲۰:۔ فخذو - فانتہو -
۱۲۱:۔ جمیعاً - شتاً - ۱۲۲:۔ عدو - ولی -
۱۲۳:۔ طاغی - راغب - ۱۲۴:۔ نبقی - تذر -
۱۲۵:۔ شمش - زمہریر - ۱۲۶:۔ سبات - معاش -
۱۲۷:۔ قدرت - آخرت - ۱۲۸:۔ خفی - جہر -
۱۲۹:۔ شفع - وتر - ۱۳۰:۔ افلح - خاب -
۱۳۱:۔ جن - انس

اسمائے صفات کی ترتیل سے کئی ایک صفات کا مشترکہ تینوں حقیقتوں میں آنا ظاہر ہوتا ہے - علاوہ ازیں تینوں حقیقتیں ایک ہی دعوے 'بے مثلی' کا اعلان کرتی ہیں - ۱:۔ لیس کمثلہ شیٔ (اللہ) -۲:۔ أیکم مثلی (رسول اللہ) -۳:۔ فاتو بسورۃ ممثلہ (کلام اللہ) اور ہر سہ حقیقت کا خاصہ "اجتماع ضدین" ہے اس لئے علیحدہ علیحدہ کسی ایک حقیقت کو لے کر کتاب کو کسی خاص ترتیب کے ماتحت پیش کرنا کارِ بے دارد+ سعی ہر چند ہوگی لیکن تناقص کی معذرت ساتھ ساتھ رہے گی - حقیقت امر اور صورت امر کے بارے میں جو کچھ بیان ہوگا - انہیں کی تشریحات یعنی قرآن پاک اور حدیث پاک کی روشنی میں ہوگا -

حقیقت امر - صورت امر - کلام اللہ اور کلام رسول اللہ ہر جہا پہلو میں مماثلت اور موافقت کا ثابت کرنا اور ان کو ایک ہی حقیقت اعلی کا عکس ماننا کوئی معمہ نہیں اس اصول سے تھوڑی سی بھی دلچسپی رکھنے والے حضرات خوب واقف ہیں کہ کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی حدیث پاک کلام اللہ عزوجل یعنی قرآن پاک کی ہی تفسیر ہے - اور کلام اللہ عزوجل - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی اخلاق اور انہیں کی ہی نعت ہے - اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم - اللہ عزوجل کی

ذات و صفات کے ہی مظہرِ اتم ہیں - اہلِ طریقت حضرات نے جو ان حقیقتوں میں موافقت اور برابری کے بول بولے ہیں یا تحریر کئے ہیں وُہ بھی اسی بیان کردہ حقیقت کو سامنے رکھ کر لکھے گئے ہیں - عامتہ الناس کو ان کے سمجھنے میں ایک مہلک مغالطہ لگا ہے - انہوں نے لباس کے جامے کو سامنے رکھا اور حقیقتیں طاقِ نسیاں رہیں - وُہ ہمیشہ کوشاں ہیں کہ اللہ اور رسول اللہ کے درمیان فرق نکالیں اور چاہتے ہیں کہ بین ذٰلک کوئی سبیل مل جائے کلام اللہ اس کی تردید فرماتا ہے اور انہیں "اولئک ھم الکافرون حقاً" کے الفاظ سے منسوب کرتا + برخلاف اس کے علماً اور عرفا نے لباس پر نظر نہیں رکھی بلکہ امر کی حقیقت اور صورت کو ایک جانا - اُن کے لئے کلام اللہ نے وفائے اجر کا وعدہ فرمایا +

بابِ استقامت کے آخیر میں جو قول حضرت ابا بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ استقامت یہ ہے کہ شرک نہ کرے - اس کو ہی لے لیں - آپ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت و مودّت کا کسی کو انکار ہے - اگر اس محبت کو ماسوا کا درجہ دیں تو (نعوذ باللہ) شرک لازم آگیا - لیکن ایسا ہر گز نہیں - آپ کی محبت محمدؐ ابن عبد اللہ سے نہیں بلکہ آپ کی محبت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو نور من نور اللہ ہیں اُن سے ہے - اور اسی بنا پر استقامت کے لئے آپ کے محکم اور مستقیم الفاظ کہ اللہ سے شرک نہ کرے کہنا ہی عین ایمان ہے +

انہیں جانا انہیں مانا نہ رکھا غیر سے کام
للہ الحمد میں دنیا سے مسلمان گیا

امر

یہ لفظ امر "حقیقت اور صورت" کا مضاف الیہ راقم الحروف نے بارِ اول

حضرت امام احمد غزالی رحمۃ اللہ کے کسی رسالہ میں دیکھا اِس کا ہر پہلو سے مطالعہ کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ عالم موجودات کے اوپر اس ایک اکیلے لفظ کا تصرف ہے۔ جو کچھ ہے یعنی خلق صورت امر سے ہے اور اسی صورت امر کا اس میں یعنی خلق میں تصرف ہے۔ لفظ امر کوئی جسمانی یا مرئی حیثیت نہیں رکھتا۔ نہ یہ محسوس ہے اور نہ مبصر۔ یہ غیر مادی اور قدسی ہے۔ عناصر اور مرکبات عناصر سے منزہ۔ لفظ حکم اس لفظ امر کا کمزور ترجمہ ہے۔ تفہیم کے طور پہ امر۔ حکم عرض۔ حقیقت اعلیٰ کی ایک صفت کا ہی افراط۔ توسط اور تفریط ہے۔ کلام الٰہی میں جہاں جہاں لفظ امر وارد ہوا ہے۔ ہر قسم کی علت سے بے نیاز رہا۔ امر جب پہنچتا ہے۔ تو ہو کر ہی رہتا ہے۔ یا بندہ کا اس میں کوئی اختیار نہیں رہتا۔ مندرجہ ذیل چند مثالیں اس کی وضاحت کے لئے کلام اللہ سے پیش کی جاتی ہے۔

۱:۔ حتی اذا جاء أمرنا وفار التنور (سورۃ ھود) "یہاں تک کہ جب آیا امر ہمارا (ساتھ عذاب کے) اور جوش مارا (پانی نے) تنور سے" + یہ واقعہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پر گذرا + تنور سے پانی کا نکلنا عقل کے تحت محال ہو تو ہو لیکن ایسی ضدوں کا جمع ہونا امر کا ادنےٰ کرشمہ ہے۔

۲:۔ ولمّا جاء أمرنا نجینا ھودًا والذین امنوا معہٗ برحمۃٍ منّا۔ (ھود) "اور جب آیا حکم ہمارا ساتھ اوس کے اور وہ چار ہزار آدمی تھے کہ سب کو ساتھ ہود علیہ السلام کے بچا دیا ہم نے عذاب سے اپنی طرف سے رحمت کے ساتھ اور نجات دی ہم نے اُن کو گاڑھے عذاب سے" + یہ قوم عاد اولیٰ تھی۔ دوزخ کی ہوائے گرم اُن کے نتھنوں سے گھس کر شرمگاہوں سے نکل گئی اور ان کے تمام اندا موں کو ٹکڑے ٹکڑے کر گئی + اسی طرح عاد ارم کہ وہ عاد ثانیہ تھے قوم ثمود کے ساتھ ہلاک ہوئے جن کا نبی صالح علیہ السلام تھا

زاد المسیر میں ہے کہ تین دن جو وعدہ حیات رکھتے تھے گھروں میں بیٹھ کر قبریں کھودیں اور عذاب کے منتظر رہے۔ چوتھے دن آفتاب طلوع ہوا اور عذاب نہ آیا۔ گھروں سے نکل کر ایک دوسرے کو پکارنے لگے کہ ناگاہ حضرت جبرئیل علیہ السلام اپنی صورت اصلی پر ظاہر ہوئے زرد قدم سبز بال سفید دندان۔ پیشانی نورانی رخسارے چمکتے ہوئے۔ بال سرخ برنگ مرجان۔ افق چھپ گیا۔ ثمودی یہ دیکھتے ہی گھروں میں قبروں میں در آئے۔ جبرئیل علیہ السلام نے نعرہ مارا کہ "موتو علیکم لعنتہ اللہ"۔ یک بارگی سب مر گئے۔ گھروں میں ان کے زلزلہ پڑا۔ چھتیں گر پڑیں + امر کے آگے عقل کے ہوش اڑ گئے۔

۳:۔ فلما جاء امرنا جعلنا عالیھا سافلھا۔ (ھود) "جب امر ہمارا آیا کیا ہم نے اوپر اس شہر کا نیچے اس کے یعنی الٹ دیا" یہ لوط علیہ السلام کی قوم کا قصہ ہے جب امر الٰہی سے جبرئیل علیہ السلام نے اس قوم کے شہر کو اپنے پروں پر اٹھا لیا یہاں تک کہ آواز سگ اور خروس مرغ اہل آسمان نے سنی۔ پھر اس کو الٹا کر کے گرا دیا۔

۴:۔ ولما جاء امرنا نجینا شعیبؑ والذین معہٗ برحمۃ منا (ھود) اس آیت مبارکہ میں بھی قوم مدین کی تباہی اور ہلاکت کا ذکر ہے اور اس قوم کو قوم ثمود سے تشبیہ دی ہے کہ ہلاکت دونوں کی ایک طرح کے عذاب سے تھی کہ صیحۃ جبرئیل علیہ السلام تھا حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نہیں ہوئیں تباہ دو امتیں ایک عذاب سے مگر قوم شعیب اور صالح علیہم السلام ایک کو عذاب تحت سے ہوا ایک کو فوق سے +

۵:۔ وکذلک اوحینا الیک روحاً من امرنا (سورۃ الشوریٰ) اور اسی طرح وحی کیا ہم نے طرف تیرے قرآن کو امر اپنے سے یہاں سارے قرآن کو روح کہا گیا ہے اس واسطے کہ اس سے دل زندہ ہوتے ہیں جیسے کہ بدن روح

سے حیات پاتے ہیں اور اس روح (قرآن) کو صفت امر کا ہی مظہر بنایا۔ جب کلام اللہ مظہر امر ٹھہرا تو لامحالہ مظہر اجتماع ضدین بنا۔ حقیقت کا خاصہ مظہر میں پایا جانا لازمی ہے۔

سورہ بنی اسرائیل میں "قل الروح من امر ربی" سے بھی امر کی کارفرمائی کو فہم و ادراک کی رسائیوں سے بلند و بالا رکھا۔

۶۔ قلنا یا نار کونی بردا وسلما علی ابراہیم (سورۃ انبیاء)
"فرمایا ہم نے اے آگ ہو جا ٹھنڈی اور سلامتی والی اوپر ابراہیم علیہ السلام کے" یہاں بھی امر کا تصرف ضد کی شکل میں ظاہر ہوا۔ آگ آگ بھی رہے اور گلزار بھی بنے

۷۔ امرا من عندنا انا کنا مرسلین (سورۃ الدخان)
"حکم کیا ہم نے حکم کرنا ساتھ فیصل کرنے قضایا کے اس شب میں نزدیک اپنے سے"۔ یہاں بھی امر کے اعجاز شب برات کہ نصف شب شعبان ہے۔ کے بیان میں ظاہر فرمائے۔ فرشتوں کا اترنا۔ دعائیں قبول ہونی۔ حصہ موتی تقرر پانا۔ رزق بٹنے وغیرہ یہ سب کچھ ایک رات میں طے پانا۔ اور سارے سال کا بجٹ بیک وقت تیار ہونا۔ سال بھر کی ظہور صفات کو ایک رات میں اکٹھا کرنا۔ امر کی بادشاہی سے بعید نہیں۔

۸۔ اسی طرح جب ابراہیم علیہ السلام کی بیوی نے فرشتوں کی زبانی بچے کی بشارت سنی تو حیرانگی سے پکارا ءالد وانا عجوز وھذا بعلی شیخا۔ ان ھذا لشیء عجیب تو فرشتوں نے یہی جواب دیا۔ اتعجبین من امر اللہ۔ "کیا تجھے اللہ کے امر میں تعجب ہے۔ یعنی اجتماع ضدین کو محال سمجھتی ہے۔ امر اللہ کے آگے یہ کچھ مشکل نہیں (سورۃ ھود)

کلام الٰہی ایسی مثالوں سے بھرا پڑا ہے۔ جہاں کہیں لفظ امر وارد ہوا اپنے ساتھ ایسے ہی اعجاز لایا۔ حقیقت امر ہو۔ صورت امر ہو یا صاحب امر

ہو ہرسہ کی ابتدا عقل کی انتہا سے شروع ہوتی ہے۔ ہرسہ اپنے اندر سنت کے علاوہ قدرت رکھتے ہیں۔ اور اُن کی یہی قدرت محال کو ممکن کر دیتی ہے۔ یہ حقیقتیں بیان کردہ ہر صفت کی بیک وقت حامل ہوتی ہیں۔ امر ہمیشہ اپنے ہمراہ قدرت اور طاقت رکھتا ہے اور ان کا عمل بھی قضائے امر کے ساتھ ہی ہوتا ہے۔

حضرت سفیان بن عیینہؒ نے کہا کہ خلق تو عرش اور اس کے نیچے سب ہے اور امر اس سے اوپر ہے اور اس سے نکلا کہ کلام اللہ مخلوق نہیں +

حکم اور عرض کا یہ درجہ نہیں۔ حکم جب پہنچتا ہے تو یا بندہ کا اختیار اس میں چھوڑے رکھتا ہے اور حکم اپنی قدرت اور طاقت کو روکے رکھتا ہے پر تعزیر اور مواخذہ ہے۔ کلام اللہ میں معروف و نہی سب اس حکم کے تحت ہیں۔ جن کا حاکم حقیقت میں اللہ ہے اور صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرض کا درجہ سب سے نچلا ہے۔ اس میں نہ تو امر کی سی وجاہت ہے اور نہ حکم کی سی تعزیر۔ یہ صرف کسی شئے کے روبرو کی جاتی ہے اور اس کا ماننا یا نہ ماننا اس شئے کی مرضی پر چھوڑا جاتا ہے + حکم کا ابا کیا۔ شیطان رجیم ہوگیا۔ ابا و ستکبر و کان من الکافرین آیہ انا عرضنا الامانتہ . . . . الخ (سورہ احزاب) میں امانت کا روبرو کرنا اور آسمانوں زمینوں اور پہاڑوں کا آبا اُن کے لئے کچھ نقصان دہ نہ ہوا۔ اور نہ ہی ان سے کوئی مواخذہ لیا گیا۔

خلق و امر سب اسی کی قدرت کاملہ ہے اور ان میں وہی قادر مختار کسی کو ذرہ بھر تجاوز کا اختیار نہیں بلکہ ممکن نہیں کہ کوئی اس کے حکم قدرت عظیم سے سوائے مسخر ہونے کے جنبش کر سکے + سب کو اپنی مشیئات پر اور نفاذِ قدرت پر تفویض فرمایا + خلق اس کا فعل ہے اور امر اس کی صفت ہے۔ خلق تو اشباح میں جاری ہے اور امر اس کا ارواح میں

جاری ہے + نور خلق سے تمام عقول کو مبہوت فرمایا اور اپنی نشانیوں کے سمجھنے میں حیرت ناک کر دیا + ادھر امر کی تجلی سے دلوں کو صفات کی طرف جذب کیا پھر مخلوقات افہام اس کے وصف صفات سے عاجز ہوئے اور زبانیں اس کی مدح سے گونگی ہو گئیں تو خود اپنی ذات پاک کا وصف فرمایا - بقولہ تعالیٰ "تبارک اللہ رب العالمین" +

حقیقت امر کا انکشاف سوائے صاحب امر حضرات کے محال ہے - یہ اس لئے کہ اس حقیقت کا دوسرا نام اللہ ہے جو اسم ذات ہے اور معرفت اسم ذات غیر ممکن ہے کہ اس کو سوائے اسی حقیقت کے اور کوئی جانے + اولامر حضرات نے اس لفظ اللہ سے کئی ایک اشارات نکالے ہے - اور ان کے حروف - الف - لام - لام اور ہ کو کئی طرح بیش کیا ہے - باوجود اس کے تمام بندگان مقربین مقام حیرت کمال میں ہیں - اور یہ ان کی حیرت حیرت عوام کی سی نہیں جو نفاق و کفر ہے بلکہ حیرت مقربین ہے جو کمال معرفت ہے - شیخ شبلیؒ نے کہا کہ اللہ احد سوائے حق عزوجل کے کوئی کہنے والا نہیں - کیونکہ کمال عرفان بھی حظ روح ہے اور حقیقت کو حظ کے ساتھ ادراک نہیں کر سکتے بعض علما نے کہا کہ اللہ ایسا نام پاک ہے کہ اس نام تک رسائی محال ہوگی جب نام تک رسائی محال ہو تو جس کا نام ہے اس کی کنہ ذات تک رسائی محال المحال ہو - پس مخلوق کو تنبیہ فرمائی کہ ذات حق کے واسطے شیطانی وسوسہ قبول نہ کریں جب کہ وہ نام حق سے عاجز ہیں + حدیث شریف میں آیا ہے کہ شیطان بندہ مومن کے پاس آکر کہے گا کہ یہ کس نے پیدا کیا اور وہ کس نے پیدا کیا حتیٰ کہ کہے گا کہ اگر ان کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اللہ تعالیٰ کو کس نے پیدا کیا پس جب شیطان یہ وسوسہ لاوے تو لا الہ الا اللہ کہنا چاہیئے یعنی حقیقت امر کو دور کر کے نور امر کو دل میں جگہ دے کہ

اس کی ذات و صفات اس سے اعلیٰ ہے کہ کوئی مخلوق بے حقیقت اس کا
ادراک کر سکے + جب حال و قال سے اس کی توحید کمیت رسائی نہیں تو عین
رحمت سے بندوں کا عذر قابلِ پذیرائی ہے + کتاب ہذا بھی اسی عذر
سے وابستہ ہے۔ اور اجتماع ضدین کو بھی اسی عذر کا ہی عنوان دیا گیا
ہے۔ نہ تو اس کتاب میں اپنے نفس کی کوئی خوشی پوری کی گئی ہے۔
کیونکہ نفس کا ساتھی اخلاص سے دور ہوتا ہے اور نہ ہی مطالعہ کرنے
والوں کو کسی ایک واضح اور مکمل نصب العین تک لے جایا گیا ہے۔ کیونکہ
یہ محال ہے جیسے کہ پہلے تحریر کیا جا چکا ہے۔

قابلِ غور یہ نکتہ ہے کہ صفات باری تعالیٰ صورت امر سے پہلے کما کان
میں تھیں اور صورت امر کے بعد الئن میں آئیں۔ اور ان دونوں کو جمع کر کے
اپنے آپ کو الئن کما کان کہلوایا۔ اور یہ کہلوا کر خود کو زمان و مکان کی قید
سے آزاد ثابت کر دیا۔ کسی شے کا ثابت ہونا ہر حال میں یا تو زمان کے
ساتھ وابستہ ہوتا ہے یا مکان کے ساتھ اور خود زمان و مکان کا ثبوت
فنا کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے۔ جس شے پر فنا وارد نہ ہو اس کا ہونا بھی
ثابت نہیں ہو سکتا۔ عالم خلق تمام کا تمام زمان و مکان کی قید میں ہے
اور فانی ہے۔ لیکن عالم امر جس کا کہ یہ عالم خلق لباس ہے نہ کسی زمان
و مکان کی قید میں ہے اور نہ ہی اس پر کسی قسم کی فنا وارد ہے حقیقت امر
کی طرح امر بھی کسی قسم کے تناقص سے مبرّہ و منزّہ ہے + اسی امر کو
جو غیر فانی ہے لباس خلق پہنایا جو فانی ہے۔ اور اپنی دونوں صفات
کو (یعنی امر و خلق) کو جو بالترتیب غیر فانی اور فانی ہیں اکٹھا کر دیا۔
اور اپنی کمالِ قدرت سے اس اجتماع ضدین کو اس طرح نبھا رکھا
ہے کہ شانِ امر رکھنے والے ہی جانیں ان دونوں ضدوں کی اجتماع اولین
سے ہی باقی صفات کی ضدوں کا اجتماع بیان ہوگا۔ انشاء اللہ +

هو الاول والاخر والظاہر والباطن

"وہی سب سے پہلے اور سب کا بنانے والا قدیم ازلی کہ اول اس کے کی ابتدا ہی نہیں۔ اور وہی ہے سب سے پیچھے باقی ابدی کہ اخر اس کے کو انتہا ہی نہیں۔ اور وہی ہے سب سے ظاہر دلیلوں کے سبب چھپا ہوا کہ وہم اور خیال میں کسی کے نہیں آتا۔ اس آیت قدسیہ کو اگر دو حصوں میں تقسیم کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ پہلا حصہ۔ ھو الاول والاخر زمان سے تعلق رکھتا ہے اور دوسرا حصہ۔ ھو الظاہر والباطن مکان کے ساتھ۔ لیکن چونکہ وُہ ذات زمان و مکان سے پاک ہے جیسے کہ پیچھے الآن کما کان کے تحت معلوم ہوا تو لازماً اس کا اوّل اس کا آخر ہوا اور آخر اوّل۔ اسی طرح اس ذات کا ظاہر اس کا باطن اور اس کا باطن اس کا ظاہر ہوا۔

اوّل آخر کے ساتھ ملا تو زمان اُٹھ گیا ظاہر باطن سے ملے تو مکان نہ رہا۔ تفسیر بحر الحقائق میں ہے۔ کہ اوّل ہے عینِ آخریت میں۔ اور آخر ہے عین اولیت میں۔ اور ظاہر ہے عین باطنیت میں۔ اور باطن ہے عین ظاہریت میں۔ شیخ ابو سعید خرّاز قدس سرہٗ سے پوچھا کہ اللہ سبحانہٗ کو کس چیز سے پہچانا تم نے۔ فرمایا اس سے کہ ضدین جمع فرمائی ہیں پھر یہ آیت پڑھی اور کہا کہ متصور نہیں ہے جمع اضداد حیثیت واحدہ میں مگر اسی واحد میں۔ اس کے علم میں اوّل و آخر برابر ہے اور ظاہر و باطن ایک ہے۔ یہ تھا مطالعہ حضرت ابو سعید خرّاز رحمۃ اللہ کا حقیقت امر میں۔ راقم الحروف کو ان کے بیان میں صورت امر اور صاحب امر کے متعلق کچھ نہیں ملا۔ داتا گنج بخش رحمۃ علیہ کی تصنیف کشف المحجوب"

میں ان کے حالات میں لکھا ہے کہ یہ پہلے صاحب ہیں جنہوں نے فنا و بقا کی تعریف الفاظ میں کی۔

اس کے جلوے کا تو کیا کہنا مگر
دیکھنے والے کو دیکھا چاہیے

تفسیر شیخ ابن کثیر میں ہے کہ یہی وہ آیت ہے جو حدیث عرباضؓ بن ساریہؓ میں گذری کہ وہ ہزار آیت سے افضل ہے۔ شاید اس اجتماع ضدین کے پیش نظر اسے افضل فرمایا گیا ہو۔ منطقی نقطۂ نظر سے ابتدا اور انتہا کے درمیان ہر چیز محدود ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ پاک ہے کہ وہ محدود ہو سکے اس لئے اس کا اوّل اور آخر بیک وقت ایک ہے۔ اوّل ایسا کہ اس سے پہلے کوئی شئی نہیں۔ آخر ایسا کہ اس کے بعد کوئی شئی نہیں۔ ظاہر ایسا کہ لیس فوقہٗ شئی (اس سے اوپر کوئی شئی نہیں) اور باطن ایسا کہ "لیس دونہٗ شئی" (اس سے ورے کوئی چیز نہیں ہے)۔

جیسے اوّل و آخر سے وقت اٹھا ایسے ہی ظاہر و باطن سے جگہ مفقود ہوئی۔ جب زمان و مکان سے پاک ہوا تو شانِ عظمتِ الٰہی ظاہر ہوئی۔ جب اللہ تعالیٰ کی شان میں عقل فنا ہوئی تو واجب ٹھہرا کہ ذات میں غور نہ کیا جائے۔ صفات الٰہی عزوجل میں بھی عقلیں رسائی نہیں کر سکتیں۔ ہاں صفات میں فکر کرنے سے یہ فائدہ ہے کہ عقل بالکل نورانی ہو جاتی ہے۔ اور انسان اپنی خودی کی نجاست سے خارج ہو کر عین نور ہو جاتا ہے۔ تفسیر "مواہب الرحمٰن" میں صاحب "عرائس البیان" نے جو اسرار اس آیت پاک کے لکھے ہیں ذیل میں درج ہیں۔

" اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے ذات و صفات و نعوت و اسما کا بھید ظاہر فرمایا اور باطن غیب اور غیب الغیب وغیرہ کو اظہار کیا تاکہ عارفین

کی ارواح اُس کے قدم و بقا میں متحیّر ہوں اور موحّدین کے اسرار اس کی ذات و صفات میں فنا ہوں - اور ان اسرار سے کچھ ادراک نہیں ہوتا سوائے تحیّر کے کیونکہ اسرار کو ذکر سے کسی نے نہیں پہچانا - اور ابد تک کنہ صفات کو کوئی نہیں پہچان سکتا ہے + اس واسطے کہ جملہ مخلوقات ہیں + اُن کے واسطے اولیّت نہیں تو اولیّت کو کیونکر پہچان سکتے ہیں + اور اُن کے واسطے آخریت نہیں ہے تو آخریت کو کیونکر پہچان سکتے ہیں - اور اُن کے واسطے ذاتی حقیقت نہیں ہے تو کنہ حقیقت کیونکر پہچان سکتے ہیں - یہ بحر بے پایاں ہے - یہاں اولیں و آخرین اس کے ایک قطرہ میں غرق ہیں اور عجب یہ کہ ابھی تک پیاسے ہیں - اور میری کیا مجال ہے کہ قدم و ابد کو دریافت کرنے پر متوجہ ہوں کیونکہ آفتاب الوہیت کی شعاعیں عقل کے ابصار کو جلاتی ہیں اور اس کے اسرار میں اذکار متحیّر ہیں - پس میری یہی راہ ہے کہ میدان ناپیدا کنار میں شیر کے سامنے سے بھاگوں - بھلا کہاں مشتِ خاک تراب ہے اور کہاں رب الارباب ہے - اولیّت و آخریت نے بے انتہا دور زمانہ کا گھوڑا اگر پڑا اور مکان کا نشان نہ رہا - سمجھ گم ہے اور عقل تھک کر حیران ہے - نہ وہاں زبان ہے نہ بیان ہے - نہ دلیل ہے نہ عرفان ہے - سبحان اللہ وہی اوّل ہے جس نے ازل کے ازل پیدا کئے - اور وہی آخر ہے جس نے ابد کے ابد پیدا کئے - وہی ظاہر ہے کہ اس کے صفات و افعال میں کمال ظہور ہے - لیکن مخلوقات فانیہ پر ہزاروں پردے ہیں کیونکہ حق عزوجل کے واسطے کوئی چیز حجاب نہیں ہو سکتی - کیا اتنا بھی نہیں سمجھ سکتے ہو کہ چیز وہاں کہاں پہنچ سکتی ہے - اور وہی باطن ہے کہ اس کی کنہ ادراک محال ہے - اشیا کی علت کون پہچانتا ہے جو اولیّت پہچانے - اور دوام بے انتہا کی نبض

کس نے دیکھی جو آخریت پہچانے ۔ اور آنکھ کہاں ہے جو ظاہریت دیکھے اور ارواح و نفوس کو کون پہچانتا ہے جو اس کی باطنیت پہچانے پس عقل کا کمال یہی ہے کہ اس کو اصل الکل جانے ۔ اور اس کی اولیّت کے واسطے زمانہ کا شمار نہیں ہو سکتا ۔ کیونکہ زمانہ اسی نے پیدا فرمایا ہے ۔ اور اس کی ظاہریت کے واسطے حواس کا ظہور بے کار ہے کیونکہ یہ کمتر مخلوق اپنے دائرہ امکان میں ناپائیدار ہے "۔

یہ ہے جذب شوق میں الوہیت کے صفات کا بیان کسی صاحب امر کی زبان سے ۔

والشفع والوتر (الفجر)

ترجمہ: قسم ہے شفع (جفت) کی اور قسم ہے وتر (طاق) کی ۔ اس آیہ مبارکہ سے بھی نفس مضمون کو کافی مواد ملتا ہے ۔ یہ دونو الفاظ شفع و وتر حقیقت میں ایک دوسرے کی ضد ہیں اور خود اپنے میں بھی اجتماع ضدین کا بحر بیکراں رکھتے ہیں ۔ فقہائے عظام نے ان دونو لفظوں کی تشریح میں اپنی اپنی استطاعت کے مطابق کافی غواصی کی ہے ۔ اور بڑے بڑے انمول موتی نکالے ہیں ۔ راقم الحروف نے اختصار کے پیش نظر مشتے از خروارے قارئین کرام کی خاطر پیش کئے ہیں جو ملاحظہ فرمائیں ۔

ابن عباسؓ سے روائت ہے کہ الوتر اللہ تعالیٰ کی شان ہے اور الشفع تم لوگ ہو ۔ اس روائت کے یہ معنی نہیں ہو سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ شمار میں آتا ہے تو وہ طاق ہے ۔ یہ معنی باطل ہیں اس لئے کہ شمار میں آنا اور طاق و جفت ہونا سب عوارض ہیں اور جس معروض کو عارض ہوں وہ اُن سے موصوف ہوتا ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ پاک ہے کہ [illegible] شمار میں آوے

اسی واسطے امام ابو حنیفہؒ کی فقہ اکبر میں تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ واحد ہے لیکن عدد اور شمار کی راہ سے نہیں بلکہ اس معنی میں کہ وہی ہے اور اس کے سوا کوئی نہیں۔ مجاہدؒ سے روایت ہے کہ جو چیز اللہ تعالے نے پیدا کی وہ جفت ہے۔ آسمان و زمین۔ خشکی و تری اور جن و انس ہے اور سورج و چاند ہے وعلی ھذا القیاس +

بعض مفسرینؒ اس طرف گئے ہیں کہ جفت و طاق دو چیزیں اللہ تعالے نے پیدا کیں اور انہیں کے شمار سے مخلوقات پیدا کیں ایک وہ جو ظاہر و محسوس ہیں اور دوئم وہ جو روحانی آثار و آخرت سے متعلق ہیں۔

زیادہ تر مفسرین کا رجوع اس قول کی طرف ہی ہے کہ الشفع مخلوق کے صفات ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ مخلوق میں کمال محال ہے تو ہر مخلوق میں دونوں ضد موجود ہونا ضروری ہے۔ جیسے علم و جہل یعنی مخلوق میں جو شخص عالم ہے وہ ضرور جہل بھی رکھتا ہے۔ مثال کے طور پر وہ اپنی روح کی حقیقت سے جاہل ہے۔ حضرت ابراہیمؒ بن طہمانؒ ثقات محدثین میں سے گذرے ہیں ان کی نسبت ایک مشہور حکایت ہے کہ کسی نے ان سے ایک مسئلہ پوچھا۔ فرمایا کہ میں نہیں جانتا ہوں۔ لوگوں نے کہا کہ آپ ہر مہینہ اس قدر عطیہ لیتے ہیں اور ایک مسئلہ کا جواب نہیں جانتے ہیں۔ ابراہیمؒ نے جواب دیا کہ میں جو کچھ لیتا ہوں وہ تو اسی قدر کا عوض ہے جو میں جانتا ہوں اور اگر میں اپنے نہ جاننے کے حساب سے لینا شروع کروں تو تمام بیت المال خرچ ہو جاوے اور جن کو میں نہیں جانتا ہوں وہ ابھی بہت باقی رہیں یعنی بے شمار مسائل جن کو میں نہیں جانتا ہوں ایسے باقی وہ ہیں جن کے لئے بیت المال میں کچھ باقی نہیں ہے۔ خلیفہؒ نے یہ جواب پسند کیا اور ابراہیمؒ کے واسطے انعام وافر بھیجا اور ان کی ماہواری رزق میں بڑھا دیا۔ علما متقدمین اس طرح کے سچے تھے۔ اس بیان میں

علما کے واسطے عبرت بھی ہے کہ وہ اپنے نفس کو جاہل سمجھتے رہیں اور عوام کو چاہیے کہ اپنے علما کی تعظیم کریں اور اللہ تعالےٰ جل جلالہٗ کی عظمت پہچانیں۔

خلاصہ اس قول کا یہ ہوا کہ مخلوقات میں سب صفتیں جفت یا تضاد میں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً علم و جہل۔ قدرت و عاجزی حیات و موت بلکہ وہ تمام ضدیں بھی جو راقم الحروف نے کلام پاک سے جمع کیں ہیں اور پہلے لکھی جا چکی ہیں۔

یہاں اس الجھن کو دور کر دینا بھی ضروری سمجھا گیا ہے وہ یہ کہ ضدین اوصافِ مخلوق کے برعکس ہم یہ دیکھتے ہیں کہ انفراد صفات الٰہی عزوجل ایسے ہیں جو تناقص سے پاک ہیں۔ مثلاً جناب باری تعالےٰ جل شانہٗ میں علم ہے اور جہل ندارد۔ قدرت ہے عاجزی ندارد۔ حیات ہے موت نہیں۔ نگہبانی ہے۔ غفلت۔ نیند اور اونگھ کچھ نہیں۔ قوت ہے ضعف نہیں وغیرذلک۔ تو معاً خیال پیدا ہوتا ہے۔ کہ آخر یہ تناقص والی ضدیں کہاں سے ظہور پذیر ہوئیں۔ جب تمام صفات اسی کا پرتو ہے تو ضعیف صفتوں کا وجود کہاں سے آیا۔ اللہ عزوجل توفیق فرمائے اس پیچیدگی کا حل یوں کریں کہ اللہ عزوجل وتر ہے اور اس میں صفات قدس کمال ہیں۔ تناقص اصل میں کوئی شئے نہیں۔ صرف کمال کی ہی تفریط ہے۔ جو افراط و تفریطِ صفات کے عنوان میں وضاحت سے بیان کی جا چکی ہیں۔ عالم خلق سب کا سب اسی جال میں پھنسا ہوا ہے۔ یہ ایک سرِ الٰہی ہے جو نہ کسی تفصیل اور نہ ہی کسی اجمال کا مقتضی ہے۔ عالمِ عقل خود مخلوق ہے۔ اس لئے عقل والے اس بھنور کی گرہ کھولنے سے عاجز ہیں۔ صاحب امر یا صورت امر ہی اس حقیقت کو جانے۔ یہ ایک باریک علم ہے اور بنظر دقیق اس میں

ہزاروں نکات پوشیدہ ہیں۔ کلام پاک سے ماخذ ضدوں کا بغور مطالعہ شاید توفیق الٰہی سے تیرے دل میں کوئی چمک پیدا کر دے۔ جس سے تو متحیّر ہو جائے اور تیرا مقصد بر آئے۔ اے حیرت زدوں کے مولا میری حیرت بڑھا دے!!!

کیا یہ عجب نہیں کہ ہر چیز جو موجودات سے ہے خواہ مرئی ہو یا غیر مرئی یعنی جس چیز کو بھی کہ نام دیا جا سکے وہ سب کی سب ایک دوسرے کا جوڑا اور ضد ہے اور یہ اشیا انفرادی حیثیت کے علاوہ یعنی انفرادی اجتماع ضدین کے علاوہ بطریق مخالفت یا بطریق شکل بھی ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ ضدیں آپس میں بے شمار طرق سے رونما ہوتی ہیں۔ بیان کردہ اضداد کا مجموعہ جو کہ کلام الٰہی سے اخذ کیا گیا ہے اس کا مطالعہ یہ طرق واضح کرتا ہے۔ کہ کوئی ضد تو بحسب شکل ہے۔ کوئی بحب مخالفت ہے۔ کوئی بطریق احساس ہے۔ کوئی بطریق ورود ہے۔ کوئی آگے پیچھے آنے والی ہیں۔ مثال کے طور پر یہاں صرف چند بالترتیب پیش کی جاتی ہیں۔ مرد۔ زن + نور۔ ظلمت + تر۔ خشک + آسمان۔ زمین + بحر۔ بر + گرمی۔ سردی + جن۔ انس + علم۔ قہر + جبن۔ شجاعت + جود۔ بخل + حق۔ باطل + کفر۔ ایمان + شقاوت + سعادت + حلو + مُر + مرض۔ صحت + غنا۔ فقر + ضحک۔ بکا + فرح۔ غم + موت۔ حیات + رات۔ دن +

یہ سب اس لئے کہ تعدد ہر چند صفاتِ ممکنات سے ہے۔ اگرچہ ظہور ان کا واجب بالذات سے ہی ہے۔ اور واجب کسی حالت میں بھی تقسیم یا تعداد کا قائل نہیں ہو سکتا + یہاں عقل و علم کے ہوش کیوں نہ گم ہوں۔ علم و عقل خود ان تمام صفات والے بحر بیکراں کے دو ادنےٰ قطرے ہیں انفرادی طور پر دو اشیا کا آپس میں تضاد تو عقل نے پا لیا

اور اُس کو کمالِ قدرت کا نام دے کر کچھ تسلی بھی کر لی۔ لیکن شئے واحد میں تضاد بلکہ تضاد در تضاد کو کونسی طاقت پہنچے ؟ حضرت انسان کو ہی لے لیجئے اور ادھر موت وحیات ضدوں کو بھی خیال میں جگہ دیں۔ انسان کے ہر اندام میں روحِ زندگی رواں ہے ۔کسی ایک حصّہ یا عضو کو تکلیف دینے سے حیات کا احساس ہوتا ہے۔ جسم کے لاتعداد بالوں میں سے ایک بال کا پکڑنا یا کھینچنا ثبوتِ احیا کے لئے کافی ہے۔ لیکن قدرت نے خود ان ہی بالوں میں موت پوشیدہ رکھی ہے قینچی سے کسی ایک بال کی یا سارے بالوں کی تراش وتقصیر بدن میں روانیٔ حیات کو متاثر نہیں کر سکتی۔

اس ظاہری موت وحیات کے علاوہ انسان میں ایسی ہزاروں حیاتیں اور اُسی قدر اموات ہر آن جاری وساری ہیں۔ اگر وہ ایک طرح سے زندہ ہے تو دوسری طرح سے مردہ۔ روح کے نور میں نفس کی اندھیریاں ہی لے لیجئے یا طبیعت کی اندھیریوں میں قلوب کی زندگی اور صفائی۔ جو لوگ اپنی طبیعت کی پرورش میں پڑے رہتے ہیں اور برابر پے در پے اس کی تاریکیاں بڑھاتے رہتے ہیں ان کے سرِّ باطن کے انوار زائل ہوتے رہتے ہیں اور اس کے برعکس جن ابدان میں نورِ قدیم کی روشنی چمکنی شروع ہو جاتی ہے تو حدوث شکستہ ہوتے جاتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ جوارح و اعضا مضمحل ہو کر فنا ہو جاتے ہیں بلکہ معنی یہ ہیں کہ حدوث کے آثار ایسے لوگوں میں ظاہر نہیں ہوتے اور وہ جسم رکھتے ہوئے بھی لطیف ہوتے ہیں۔ انسان کے علاوہ بھی کسی چیز کو دیکھیں تو ذرا سے غور کرنے پر معلوم ہو جائے گا کہ ہر شئے دوسرے کی ضد ہے۔ اگر آسمان اس قدر بلند ہے تو اس کی ضد میں زمین اس قدر پست ہے اگر رات اتنی تاریک ہے تو دن ایسا روشن ہے۔

آفتاب میں حرارت ہے تو قمر میں برودت ہے اگر خشکی خالی پیدا فرمائی تو اس کے مقابلے میں آبی سمندر بنایا۔ انسان کو مجبور ظاہر کرنے کے واسطے تندرستی کے ضد میں بیماری پیدا کی۔ اور اس جیسی ہزاروں ضدیں جمع فرمائیں جن کا احاطہ محال و ناممکن ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں دیکھا کہ اپنے بیٹے اسمٰعیل علیہ السلام کو ذبح کر رہے ہیں۔ بیٹے سے رائے دریافت کی تو جواب پایا "یٰاَبَتِ افعل ما تؤمر (اے باپ کر گزریں جو آپ کو امر دیا گیا ہے)۔ بچے کا ذبح۔ چھری کا کُند ہونا۔ فدیہ کے طور پر دُنبہ کا چھری کے نیچے آنا اور ذبح ہونا یہ تمام امور فہم وادراک کے احاطہ سے باہر تھے۔ لیکن عالم امر کے احاطہ میں تھے۔ اس حقیقت امر کے عرش عظیم کو ملائکہ اربع (علم۔ قدرت۔ ارادہ۔ حکمت) اٹھائے ہوئے ہیں۔ اور ان چاروں کی حقیقت بھی عالم خلق سے پنہاں رکھی ہے۔ علم الٰہی ہو۔ یا قدرت الٰہی ارادہ الٰہی ہو یا حکمت الٰہی یہ چاروں حقیقت امر کے سپاہی ہیں۔ ان چاروں طاقتوں کا کم از کم حصّہ عالم خلق میں بھی ودیعت کیا گیا ہے۔ لیکن ان کے حقائق اعلیٰ کو جو بالترتیب ۱:۔ انکشاف۔ ۲:۔ کمال بلوغ۔ ۳:۔ تقدس اور۔ ۴۔ عدالت ہیں کلّ من علیھا فان کے بعد میں رکھا۔ اور فرمایا کہ اس وقت حاملان عرش بجائے چار کے اٹھ ہوں گے۔ حقیقت امر کے پیش نظر ہر کہ ومہ پر قیامت کے دن ہر شئے کا انکشاف ہوگا۔ ہر شئے اپنے کمال بلوغ پر ہوگی ہر ایک نے تقدس کا جامہ پہنے ہوگا اور عدل ہی عدل نظر آئے گا۔ کثافت جو لطافت کی ضد ہے وہاں کالعدم ہوگی کیونکہ وہاں جلوہ نمائی کا سوال ہی پیدا نہ ہوگا۔ انکشاف کے ماتحت نہ کوئی حجاب دور کرنا ہوگا اور نہ کسی کثافت کو دھونا ہوگا۔ لقائے حقیقت امر

سب کو عالم خلق کے عملوں کی پاداش میں گھیر لے گی۔ معذّب اس طرح کہ ایک دوزخی کو دوزخ میں لے جانے کے لئے جو زنجیر اسکی ساق میں ڈالی جائے گی اس کی ایک کڑی کا حلقہ دنیا کا تمام لوہا اکٹھا کیا جائے تو نا کافی ثابت ہو۔ مقرّب اس طرح کہ ادنیٰ بہشتی کے خیمہ کی جھالر میں جو موتی پروئے ہوئے ہیں ایک موتی کی وسعت ساتوں آسمان اور زمینیں گھیرے ہوئے ہے۔ یہ ہوگا وہاں انکشاف اور کمالِ بلوغ اور یہ ہوگی وہاں عدالت اور تقدس +

؎ کوئی سمجھے تو کیا سمجھے کوئی پائے کو کیا پائے۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ

یہ کلمہ جیسے کہ ظاہر ہے چار الفاظ سے مرکب ہے۔ ۱:۔ لَا ۲:۔ اِلٰہ ۔ ۳:۔ اِلَّا اور ۴:۔ اللّٰہ ۔ پہلے تینوں الفاظ اپنے اندر معانی رکھتے ہیں اور چوتھا لفظ شرمندہ معنی نہ ہو سکا لَا اور اِلَّا آپس میں ضدیں ہیں۔ اور اس کلمہ میں نفی مقدم رکھی گئی ہے اثبات پر۔ اعمال کا مدار اکتساب او امر اور اجتناب معاصی پر ہے دونو کا ہونا ضروری سمجھا گیا ہے لیکن ترجیح دوا کی نسبت پرہیز کو دی گئی ہے۔ راہِ معرفت میں سائرین کے لئے منازلِ اول نواہی اور پرہیز ہیں۔ تخلیہ بہتر ہے تجلیہ سے اور صفات سلبیہ مقدّم ہیں صفات ثبوتیہ پر۔ اِلٰہ اسم صفت ہے لغوی لحاظ سے یہ لفظ اس اونٹنی کے لئے بولا جاتا ہے جس کا دودھ پیتا بچہ ہو۔ اور اسے اپنا دودھ دے کر اس کی حاجت روائی کرے چونکہ عبادات کا تعلق الوہیت سے ہے اور استعانت کا ربوبیت سے۔ جیسا کہ ــــ

الحمد للہ رب العالمین
ایاک نعبد وایاک نستعین

لفظ اللہ دونوں کا جامع ہے یعنی حاجت روا بھی ہے اور قابلِ پرستش بھی + اس کے پہلے لفظ "لا" لگانے سے اس کی نفی ٹھہری + نفی ہمیشہ ضد کی ہوتی ہے اور اللہ ضد سے پاک ہے۔ اس لئے نفی بے معنی ثابت ہوئی اور الا اللہ کو ثبوت میں لگانا پڑا۔

لا الہ ۔ الا اللہ کے مساوی ٹھہرا ۔ لفظ اللہ معنوں سے پہلے ہی منزہ تھا الّا پہلے لگانے سے اور چکر میں ڈالا گیا جنہوں نے الّا کے معنے "سوائے" لئے وہ اس طرح ڈوبے کہ سوائے کے تصور نے انہیں کہیں کا نہ چھوڑا ۔ اور ماسوائے ماورا کے بھنور میں پھنس گئے انہوں نے اللہ اور ماسوا کو علیحدہ علیحدہ جانا اور حدود کے چکروں میں ٹھوکریں کھائیں ۔ دوسرے گروہ نے الّا سے مراد "مگر" لی اور اس کلمہ کا یوں ترجمہ کیا کہ "نہیں ہے کوئی معبود مگر وہ" یعنی جن کو ایک گروہ ماسوا ، کہہ رہا ہے وہ وہی ہے ۔ آگ ۔ پانی ۔ ہوا درخت وغیرہ سے مدد دراصل اسی سے مدد ہے ۔ غیر یا ضد کوئی شئے نہیں ۔ یہ گروہ پہلے گروہ سے بالکل الگ تھلک ہو گیا ۔ نہ "گروہِ سوا" کسی منزل پر پہنچا اور نہ "گروہ مگر" کو کہیں سکون ہوا ۔ ایک چار لفظی کلمہ نے جو حقیقت امر کے آغوشِ دہن سے پھوٹا ۔ سارے عالم کو متحیر کر دیا ۔ حقیقتِ امر سے آیا تھا اور لغت غریب بن کر رہا اللہ کی نفی نے دعوت اس کی دی اور طرف اس کے بلایا جو پکاروں اور اطراف سے پاک اور فہم و ادراک سے ورا تھا اور ورا رہا ایک طرف تو اللہ ہی کوئی نہیں اور اگر دوسری طرف کوئی (اللہ) ہے تو وہ سمجھ سے باہر ۔ بھلا عالم خلق کا پتلا اس حقیقت امر

کی رمز کو کیا پائے ۔ اگر جملہ موجوداتؔ کو اسی کا نام دے تو پھنسے اگر اس کا غیر جانے تو مارا جاتے ۔ اسے قعرِ دریا میں چھوڑا گیا ہے اور تر دامنی سے اعراض کا بھی حکم دیا گیا ہے ۔ آخر یہ کیوں نہ اپنی بے بسی اور حیرت کو بروئے کار لائے اور اس حیرت کے ماتحت اپنی زبان سے لا الٰہ الا للہ کہہ کر دخولِ جنت کا اہتمام کرے ۔ یقیناً حقیقتِ امر اس کا کلمہ قبول فرمائے گی ۔ وباللہ التوفیق ۔

الصّلوٰۃ

سمجھ لیجئے کہ کلمہ کے بعد صلوٰۃ کا درجہ ہے ۔ یہ عالمِ امر کا تحفہ عالمِ خلق میں اولی الامر گروہ کو صورت امر کی معرفت ملا ۔ تاکہ حدوثِ خلق سے نکل کر اپنی معراج عالمِ امر میں کریں ۔ اس کی تاکید قرآن پاک میں متعدد بار آئی ہے ۔ زیادہ تر اقامتِ صلوٰۃ ، کہیں حفاظتِ صلوٰۃ اور کہیں مداومتِ صلوٰۃ کا فرمان ہے ۔ اہلِ امر کے نزدیک اقامتِ صلوٰۃ ۔ محافظتِ صلوٰۃ اور مداومتِ صلوٰۃ سوائے ادائے ارکان اور آدابِ نماز کے جو عالمِ خلق سے وابستہ ہیں یہ بھی ہے کہ سِرّ ہر ایک کا دریافت کرے اور قصد کرے کہ اپنے آپ کو اس سِرّ کے ساتھ متحقق کرے اور ان اسرار کی تحقیق بحسبِ استعداد اور مراتب مختلف ہے عرفا نے فرمایا ہے کہ نماز میں طہارت نجاستِ حکمی اور نجاستِ حقیقی سے اس واسطے مقرر کی ہے تاکہ علائق عالمِ خلق سے کہ سب کے سب حادث اور نوپیدا ہیں اور خبث سے بھی خالی نہیں پاکیزگی حاصل ہو ۔ اور ایک طرح کی مناسبت حقیقتِ امر جو جناب منزہ ہے حاصل ہو ۔ اور قابلیت حضور کی بیچ جناب مقدس کے بیشتر

آوے - کیونکہ حضورِ قلب کے بغیر یہ صلوٰۃ ہی نہ ہوگی۔ مصلّی کے لئے سب سے پہلے قبلہ کی طرف ظاہر کی توجہ دلالت کرتی ہے کہ باطن کو بھی متوجہ بجناب حق کہ منشار وجودِ آدمی ہے کیا چاہیے۔ تکبیر تحریمہ اشارہ ہے کہ میں نے دونو عالم (عالم خلق اور عالم امر) سے ہاتھ اٹھائے اور حقیقت امر کو جمیع اکوان سے بزرگتر جانا اور اپنے اس عقیدہ کی سند میں دعائے استفتاح (سبحانک اللھم) ہے مصلّی کا کھڑے ہونا راہِ معرفت میں استقامت پر کھڑے ہونا دلالت کرتا ہے - اور سورہ فاتح کی قرات کہ ثنائے زبانی ہے اور زبان ترجمان دل ہے دلالت کرتی ہے کہ دل میرا بالکلیہ اس کی طرف مائل ہے اور اسی صورت میں خطاب کے الفاظ اور عبادت اور استقامت کی تخصیص اس چیز پر دلالت کرتی ہے کہ میں نے رتبہ مشاہدہ اور مخاطبے کا پایا - اور سوال ہدایت کا اور فرار اہل غضب اور ضلالت اس چیز پر دلالت کرتے ہیں کہ میرا نقص - میل اور میری نفرت سب تیرے تقدس کا تابع ہے -

اسی طرح رکوع دلالت کرتا ہے کہ عظمت الہی کے مشاہدہ کے سبب میری پشت خم ہوئی - پھر قومہ دلالت کرتا ہے کہ میں نے اس انکسار میں بھی استقامت برتی - پھر سجدہ کہ کمالِ تذلّل ہے کمال تقرّب کے اوپر اشارہ کرتا ہے کیونکہ بمقدورِ بشر تقرّب اس قدر ہے کہ اپنے اجزا کو یہاں تک پست کرے کہ اپنی اصل یعنی خاک کے ساتھ پیوست کرے دوسرا سجدہ پہلے سجدہ کی تکسیر کو دفع کرنے پر دلالت کرتا ہے - پھر قعود اشارہ کرتا ہے بحصول اعزاز و اکرام اوس جناب سے کہ مجرا قبول فرما کر یہ دائمی بیٹھنے کی دی پھر سلام دلالت کرتا ہے اوپر رجوع کے اس سفر باطنی سے

اور ہر موضع ان اسرار کا لحاظ چاہتا ہے ۔ پس یہ ہے اس تحفہ امر کا کمال وافراط ۔ اور مرتبہ اس کا جمیع عبادات سے بلند تر ہے کہ یہ ہیئت جامع عبادات بدنی اور نفسی ہے ۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کونسا عمل اعمال سے افضل ہے تو فرمایا الصلوٰۃ لوقتھا ۔ یعنی نماز وقت پر پڑھنا ۔ جب یہ تحفہ عالم امر سے عالم خلق میں بطور امانت آیا تو ایک گروہ نے سرے سے ہی اس میں خیانت کی ایک گروہ نے اس امانت کو ضائع کیا اور صرف صاحب امر گروہ نے اس امانت کی حفاظت کی ۔

صلوٰۃ چونکہ عالم امر سے متعلق تھی ۔ مانند دیگر امور کے اضداد کی حامل ہوئی اور اپنی تفریط میں یہاں تک پہنچی کہ یہی نماز ریاکاروں منافقوں اور غافلوں کے لئے ویل بنی اور کلید دوزخ ہوئی ۔ اور یہ گروہ باوجود عاملۃٌ ناصبۃٌ کے تصلیٰ ناراً حامیۃً ہوئے کتابِ ازلی سبقت کر گئی اور ان کے عمل بیکار و بے فائدہ ثابت ہوئے خشوع وخضوع اور کثرتِ نوافل ان کا حظِّ نفس رہا ۔ نہ کبھی وادیٔ امر میں حیران و ششدر ہوئے اور نہ سعادتِ دارین حاصل کی ۔ اس تحفۂ امر کا کمال تو عاجزی تھا جس سے مشاہدہ امر ہونا تھا ۔ عامۃ الناس نے اس عمل کو ایک پریکٹس (Practice) اور معمول کا درجہ دیا اور صاحب امر ان اوقات میں ایسے فنا اور گم ہوئے کہ باقی سارے احساسات منقطع ہوگئے ایک طرف یہ نماز مشاہدہ حق کراتی ہے تو دوسری طرف یہی نماز خوارج و روافض میں داخل ہوکر انکو دوزخ کی آگ سے بچا نہیں سکتی ۔ صورت امر صلعم نے انہیں گروہ کے حق میں ارشاد فرمایا ہے کہ تم لوگ ان کی نماز کے آگے اپنی نماز کو حقیر جانوگے

اور ان کے روزے کے آگے اپنے روزہ کو حقیر سمجھوگے وہ دین سے اس طرح نکل جائینگے جیسے کمان سے تیر نکل جاتا ہے۔ یہ حدیث پاک نماز کی ادنی حیثیت کی طرف بھی اشارہ ہے کہ نمازی ہونے کا زعم آپ کو کسی ساحل پہ نہ لگا سکے گا۔ اور ادھر ترک صلوٰۃ کی وعیدیں بھی نمایاں ہیں۔ اور اس کے عمداً ترک کرنے کو کفر تک کا درجہ دیا۔ یہ گیسوئے امر اپنی ابتدا سے انتہا تک بے شمار مراتب رکھتا ہے۔

اور یہ شان امر اپنے ارکان میں بھی تفریط و افراط سے وابستہ رہی۔ تفریط یہ کہ اشاروں سے بھی حالت مجبوری و معذوری میں روا رکھی گئی اور افراط یہ کہ سارے اندامونکا اپنی اپنی وضع پہ مناسبت پر رکھنا واجب ٹھہرا حتیٰ کہ سجدہ میں پاؤں کی دس انگلیوں سے ایک انگلی کا زمین پر چسپاں رکھنا فرض ٹھہرا۔ دو کا واجب اور کم از کم تین کا سنت + اس گیسوئے امر نے تخلیق آدم سے لے کر صورت امر تک کتنے سنگار بنائے اور کتنے زمان و مکان بدلے صورت امر نے اسے موجودہ لباس پہنایا اور اس امر کو امر کی حیثیت میں ہی رکھا۔ ساری روئے زمین اس کی ادائیگی کے لئے مقرر کر دی جس سے مکان کی قید اٹھ گئی۔ اور " وھم علی صلوتھم دائمون نے اسے مداومت بخشی جس سے زمان کی قید بھی اٹھ گئی۔ معراج سے یہ امر ظاہر ہوا تھا اور اس کی وابستگی کو بھی اولی الامر کا معراج ہی ٹھہرایا۔ اس طرح اس کا اول بھی آخر اور آخر بھی اول ہوا جو اس شان امر سے مشاہدہ حق میں غرق ہوئے انہوں نے اس امر کی صورت بھی دیکھی اور اس کی حقیقت کی جانب بھی راہ پائی اور اس راہ میں اپنے آپ کو ایسا عاجز پایا کہ سلام کے بعد ہی عقل نے انہیں آکر سلام کیا۔ جملہ عبادات اسی لٹ کے بال ہیں۔ صوم۔ حج۔ زکوٰۃ وغیرہ

صلوٰۃ ہی ہیں۔ غیر صلوٰۃ کے کسی ایک عبادت میں صلوٰۃ نہیں لیکن صلوٰۃ میں سب عبادات آجاتی ہیں۔ تلاوت۔ تسبیح۔ حمد۔ استغفار۔ دُعا و درود کے علاوہ صلوٰۃ صوم کے معنی میں یوں مشتمل ہے کہ مشتہیات سے نفس حبس میں رہتا ہے۔ بلکہ نماز میں بہ نسبت صوم کے زیادتیاں بہت ہیں اس واسطے کہ آنکھ کو بھی التفات غیر سے نگاہ رکھتا ہے اور زبان کو بھی سوائے اس کے نام کے ذکر کے اور اس کے کلام کی تلاوت کے بند رکھتا ہے۔ اور پاؤں کو بھی کسی دوسرے مقصد کی طرف حرکت سے ٹھہراتا ہے۔ اور ہاتھوں کو بھی داد و ستد سے کھینچتا ہے۔ علیٰ ھذا القیاس قوت فکریہ اور خیالیہ کو بھی محرّمات سے بچاتا ہے۔ اور یہ معنی صوم میں تحقیق نہیں صلوٰۃ معانی حج کو اس طرح مشتمل ہے کہ تکبیر تحریمہ اس کی بجائے احرام ہے اور استقبال قبلہ کا بجائے طواف اور قیام بجائے وقوف عرفات ہے۔ اور رکوع۔ سجود اور باقی حرکات مثل سعی کے ہے۔ کہ درمیان صفا اور مروہ کے بجالاتے ہیں۔ صلوٰۃ اوپر معانی زکوٰۃ کے اس طرح شامل ہے کہ بذل مال برائے ستر عورت اور تحصیل آلات طہارت اس میں واجب ہے۔

علاوہ ازیں صلوٰۃ عبادات جمادات عبادات چرندہ اور عبادات جانوراں کو بھی متضمن ہے۔ جیسے بیٹھنا۔ رکوع کرنا اور ذکر و تلاوت اسمائے الٰہی۔ یہی صلوٰۃ عبادات حشرات۔ عبادات اشجار نباتات اور عبادات جمیع فرق ملائکہ اور عبادات کروبین کو بھی شامل ہے۔ جیسے سجود۔ قیام اور استغراق مشاہدہ۔ عام نظریہ کے ماتحت اور بعض مفسرین کرام کے اقوال کی بنا پر بھی یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ کلام الٰہی میں صلوٰۃ کا بار بار ذکر اس کی تاکید کا موید ہے

لیکن یہ اسلوبِ کلامِ الہٰی کے خلاف ہے ۔ کلامِ الہٰی جیسے کہ کہیں پہلے ذکر ہو چکا ہے عالمِ امر سے ہے اور عالمِ خلق کے سامنے بطریق اجمال آیا ہے ۔ اس کا ہر لفظ دوسرے لفظ سے اور ہر آیت دوسری آیت سے بقول ایک صاحب امر کے ہزار کوس کا فاصلہ رکھتی ہے اور اس کا ایک نقطہ اپنے اندر بحرِ بیکراں سمٹے ہوئے ہے ۔ تفہیم کے پیشِ نظر بھی اجمال میں تکرار بے معنی ہے ۔ تکرار ہمیشہ تفصیل کا تقاضہ کرتا ہے نہ کہ اجمال کا ۔ کلامِ الہٰی کا کسی حکم کو صرف ایک بار ہی فرما دینا اپنے اندر بے پناہ قوت رکھتا ہے ۔ یہاں تک کہ اس کا اشارہ اور استنباط بھی درجہ وجوب سے کم نہیں رہتا اور اس کی نفی موجب عذابِ نار بن جاتی ہے ۔ لفظِ صلوٰۃ کو قارئین کرام اس زاویہ کے ماتحت مطالعہ کریں تو انہیں معلوم ہو جائے کہ یہ شانِ امر کس کس لباس و رنگ میں اور کون کونسی ہیأت میں عالمِ خلق پر نمودار ہوئی ۔ کبھی صورت امر کی اداؤں کا مجموعہ بن کر ہمارے سامنے آئی کبھی صورت امر کے جمالِ جہاں آرا کا تماشہ کرانے کا بہانہ بنی کبھی مستقبل میں وصالِ حق کا پیش خیمہ ہوئی ۔ غرضیکہ عامی سے لیکر صدیقیت تک کسی ایک سے زائد کے لئے ایک ہی کیفیت میں نہ ٹھہری ۔ کبھی اس کو بے حضور و بے سرور کہا گیا اور کبھی اسے حضوری اور معراج کا بلند مرتبہ دیا گیا ۔ حتیٰ کہ صورتِ امر نے اسے اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک بھی فرمایا ۔ اور عالمِ خلق کے لئے اس تحفہ کو پسند کیا ۔ انسانوں کے علاوہ باقی تمام کائنات بھی اسی صلوٰۃ کی مرہونِ منت ہے ۔ جہاں انسانوں کو محافظت صلوٰۃ کا ذکر فرماتے "قت" "وقوموا للہِ قانتون" کا حکم دیا تو دوسری تمام کائنات کے لئے بھی "کلٌ لہ قانتون" فرمایا

عزّت

قرآن پاک میں غور کرنے سے معلوم ہوا کہ امر ہر جگہ با وقار رہا۔ جس شے سے وابستہ ہوا اسے بھی با وقار کر گیا جو ہر امر فوق العقل ہونے کی حیثیت سے بھی معظم ٹھہرا۔ عقل منکسر اور امر متکبر + عقل عام ذلیل امر عزیز + عقل پابند۔ امر آزاد + عقل چراغ راہ۔ امر منزل + عقل کی انتہا۔ امر کی ابتدا + عقل ثبوت کی بعیت۔ امر سلب کا بادشاہ + عقل کی رسائی موجودات تک۔ امر کی تقویم میں ہر دو موجودات و معلومات اور ایسے زمن بھی جو مرہون نام نہیں۔ حقیقت امر رب العزت اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيعًا۔ اور ساتھ لِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ۔ یہ اس لئے کہ مومن صاحب امر اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم صورت امر۔ اور اللہ حقیقت امر ان تینوں میں امر کا پایا جانا باعث عزت ہوا۔ باقی جملہ مخلوق اس سے محروم۔ اور ان کا معیار عزت تمام تر بودا اور کاغذی۔ والی الامر منکم والی آیہ مبارکہ میں بھی اطاعت و فرمانبرداری اسی امر کے تحت ہے۔ نہ کہ دنیاوی جاہ و جلال کے باعث۔ اس کو سمجھنا چاہیے کہ درحقیقت تمام عزت حقیقت امر کے پاس ہے + کیا انسان ضعیف البیان اور کیا اس کی عزت! عزت تو خدا کے ہاتھ میں ہے جس کو چاہے سربلند کرے جس کو چاہے رسوا کرے اور یہ سربلندی اور رسوائی بھی دنیوی سربلندی اور رسوائی نہیں بلکہ صفت امر کی عطا اور اس کا فقدان درحقیقت سربلندی اور رسوائی ہے۔ جیسے امر تمام تر اس کی یشا اور آرادہ کا نام ہے۔ ایسے ہی عزت تمام تر اس کی یشاء سے متعلق ہے۔ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ اسی معنی میں ہیں۔

پس عزت اس میں ہے کہ حقیقت امر کے طاعت گذار بندے بنے

رہو اور وہ جماعت اولی الامر کی ہی ہے۔ اگر امر نہیں تو بجائے عزت کے ذلت ہے۔ فقط لفظ "معز" یا "عز" لفظ "نبی" کی طرح ہر دو معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ جیسے نبیؐ کے معنی خبر یافتہ اور خبر دہندہ دونوں ہیں ایسے ہی معز کے معنی عزت یافتہ اور عزت دہندہ ہیں۔ وللہ العزۃ اللہ کے واسطے عزت ہے اور اللہ کے ہاں عزت ہے۔ اسی طرح صورت امر کے لئے عزت ہے اور صورت امر کے ہاں عزت ہے۔ ایسے ہی اولی الامر حضرات صاحب عزت بھی ہیں اور عزت بخشنے والے بھی اور سوائے ان کے اور کسی کو نہیں مل سکتی۔ یہ حضرات صاحب امر ہونے کی حیثیت سے توحید پر مستقیم ہیں اور صورت امر کی راہ شریعت کی پابندی سے ان کو دنیا اور آخرت دونوں میں عزت اور غلبہ ہے۔ جن کی توحید کامل نہیں اور ایمان واثق نہیں ان کو یہ استحقاق نہ ہوگا۔ اس صفت امر کا بلند ترین معیار وہی ہے جو اللہ تعالےٰ اور رسول صلعم کے نزدیک پسندیدہ ہو۔ کچھ مال و دولت وغیرہ سے عزت نہیں ہے۔ ہاں دنیا میں بوجہ اوہام شیطانی کے اسکو عزت قرار دیا جاتا ہے۔ جو لوگ پابندِ نفس ہیں وہ عزت کو ایسی جگہ سے طلب کرتے ہیں جہاں ذلت ہے۔ اس واسطے کہ عزت صفت ازلی ہے اور جو شخص بصفت ازلیہ موصوف نہیں وہ اگر عزت چاہتے ہیں تو ایسی ذات سے چاہیں جس کو حقیقتِ امر نے اپنی عزت سے عزیز فرمایا ہے یعنی صورت امر صلعم اور آپ کے صحابہ و اولیاؒ کے پاس سے عزت ڈھونڈیں کیونکہ اُنپر عزتِ کُنھ کی چادر ہے جس نے حقیقت امر سے عزت ڈھونڈی وہ عزیز ہوا اور جو غیر پر مغرور ہوا وہ ذلیل ہوا۔ جو عارف ہے وہ حقیقتِ امر سے ہی عزت دیکھتا ہے جو قلب اس خواہش

میں پڑا کہ اس کو عزت حاصل ہو تو اس پر خرابی چھا جاتی ہے جیسے چاند کو گہن
لگ گیا کیونکہ یہ نفس کی رعونت ہے۔ دنیاوی عزت چاہتے ہیں اگر منہ
سے کلمہ اسلام بھی ظاہر کریں تو بھی کافر بلکہ دو منہ والے کافر۔ کسی کی
اطاعت یا بندگی یا فرمانبرداری بھی اسی شان امر کے تحت ہوتی ہے۔
اطاعت کا پہلا مرتبہ حقیقت امر کے لئے رکھا۔ دوسرا مرتبہ صورت امر
کے لئے اور تیسرا مرتبہ اولی الامر کے لئے۔ حالانکہ دراصل وُہ ایک ہی
ہے یعنی اللہ عز وجل۔ اور وہی سب کا مرجع ہے اور مقامات ولائت
میں سے ایک ایک مقام کے ساتھ یہ طاعت مخصوص ہے چنانچہ جو
شخص ایسا ہے کہ بساطِ قرب کی صلاحیت رکھتا ہے اور بلا واسطہ
فہم خطاب کے لئے لائق ہے تو وُہ بلا واسطہ مرادِ حق کا مطیع ہے اور یہ
مرتبہ انبیاء علیہم السلام کا ہے۔ اسی اطاعت کے ماتحت ہم سب پر
واجب ٹھہرا کہ اگر ہم میں سے کوئی فہم خطاب صورتِ امر کی صلاحیت
رکھتا ہو وُہ اس صورتِ امر کی طرح رجوع کرے اور جو شخص اس
درجہ کو نہیں پہنچا کہ خطابِ صورت امر کو سمجھے اور اس سے استنباط
کرے اور اشارہ کو جان لے تو وُہ اولی الامر حضرات کی طرف رجوع
کرے۔ وُہ اوّل تو صحابہ رضی اللہ عنہم تھے۔ پھر اُن کے بعد تابعین
رحمہم اللہ۔ پھر آئمہ اہل علم۔ صالحین اولیا و عارفین ہیں کیونکہ ان بزرگوں
نے صورتِ امر کے خطاب کو جو جوامع الکلم ہے۔ سمجھ کر ظاہر کیا ہے
اور یہ بھی حقیقتِ امر ہی کی طاعت بواسطہ اولی الامر کے بواسطہ
صورتِ امر کے ہے۔ کیونکہ ہر دو اولی الامر اور صورت امر
حقیقتِ امر کے سایہ پڑنے کی چیزیں ہیں اور جو شخص بہار حقیقتِ امر
اور آثارِ عظمت صورتِ امر دیکھنا چاہے اس کو چاہیے کہ اولی الامر
حضرات پر نگاہ کرے۔ جو کوئی امر کے لباس سے آراستہ ہے اس کا

حکم وہی اللہ تعالےٰ کا حکم ہے۔ اور اسی کو اشارہ عین الجمع کہتے ہیں یہ حضرات فہم خطاب خاص کے مقام پر پہنچے ہوئے ہوتے ہیں اور علوم مشکلہ مجہولہ جانتے ہیں۔ اگر عوام بھی اپنے اختیار نفسانی کو اولی الامر کے حوالے کریں جن کو ملک و ملکوت کا عرفان حاصل ہے۔ تو انسے البتہ حقائق مفہوم خطاب کو سنیں اور اپنی باطل رائے کی وجہ سے نجات پاکر فیض علوم ربانی پائیں۔ اور حقائق سے واقف ہوکر عزت پائیں۔ لیکن اس میں بھی امر اپنے اصول سے باہر نہیں جائے گا ان اکرامکم عند اللہ اتقاکم میں عزت و کرامت کا معیار تقویٰ ہوا اور اتق اللہ حق تقاتہ میں تقویٰ کا معیار اللہ عزوجل کے حق پر ٹھہرا۔ نہ اللہ عزوجل کی انتہا اور نہ ہی اس کے حق کی کوئی انتہا۔ جب اس کے حق کی کوئی انتہا نہ ٹھہری تو تقویٰ کا بھی کوئی معیار نہ ٹھہرا کہ کس مقام پر کون شخص کس وقت تقوٰی کی منزل پر ہے۔ عامی سے لئے کر صدیقیت تک تقویٰ اپنے اپنے مقامات پر حسب مراتب ظاہر ہوگا۔ اور ایسے ہی اس کے ساتھ عزت بھی۔ حتیٰ کہ اس کی انتہا للہ جمیعاً پہ ختم ہوگی۔ پھر چکر کھاتی اپنے انداز میں صورت امر میں ظاہر ہوگی۔ اور ان کی اتباع میں اولی الامر میں۔

یہ بھی گیسوئے امر کے اس بال کی افراط اور امور کی طرح اس کی تفریط کا انداز بھی ملاحظہ فرمائیں۔ یہ لفظ عزت اپنی تفریط میں ہر کہ و مہ کے ساتھ ہے۔ سب مدعی ہیں کہ ہم ماشاء اللہ عزت کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ حتیٰ کہ منکرین بھی اخذتھم العزۃ بالاثم میں سرشار ہیں۔ اور اپنی اس عزت کے نشے میں اس قدر سرکشی کرتے ہیں کہ قیامت میں ذقُ انک انت العزیز الکریم

کا معیار کتاب نہ خطاب حاصل کرتے ہیں ۔ تفریط میں عزت ۔ ۱ ۔ مال و دولت ۲ : ۔ طاقت اور ۳ : ۔ عقل عام سے وجود میں آتی ہے ۔ اگرچہ افراط میں اس کا معیار تقویٰ ہے ۔ عقل ۔ طاقت اور مال تینوں سے مزین عزت دنیا کے ہر گوشہ میں رواں دواں ہے ۔ اس کا تقویٰ یا دین سے کوئی تعلق نہیں ۔ ایسی عزت کا استقبال کرنے والے بھی معززین کہلاتے ہیں ۔ یہ ضروری نہیں کہ یہ معززین عند اللہ بھی مکرم ہوں ۔ اس شانِ امر کی تفریط کا ظہور بھی کچھ ایسے انداز سے ہوتا ہے کہ عقل عام متحیر ہو جاتی ہے ۔ ایک بادشاہ جسے تقویٰ کی وادی میں کبھی رسائی نہیں ہوئی پوشاپوش کی صداؤں میں اور توپوں کی دھنادھن میں اعزاز حاصل کرتا ہے ۔ اسکے اعزاز میں کبھی رات کو سڑک پر دو رویہ درختوں میں قمقمے روشن کئے جاتے ہیں اور اس کی سواری کے آگے پیچھے محافظتی دستے تعین ہوتے ہیں ۔ عقل عام اس کے سامنے خمیدہ سر ہوتی ہے ۔ اور اس کے اعزاز میں طرح طرح کے ایثار وقوع پذیر ہوتے ہیں ۔ اور اس عمل کو مہمان کی عزت کے الفاظ دیئے جاتے ہیں ۔

کبھی یہ شانِ امر اہل دنیا سے ذلت خوردہ نظر آتی ہے ۔ حتیٰ کہ بے خطر دار تک اپنے آپ کو لے جاتی ہے ۔ لیکن پھر بھی معزز کہلاتی ہے ۔ اور اسے عند اللہ مکرم کا نام دیا جاتا ہے ۔ نہ اس شانِ امر کا معیار خوشحالی ہے نہ بدحالی ۔ نہ دنیاوی عزت نہ دنیاوی ذلت مقیاس عالم کا کوئی زاویہ ایسا نہیں جس میں یہ شان ثابت نہ ہو اور نہ ہی کوئی ایسا زاویہ ہے جس میں اس شان کی نفی ہو ۔ کسی کے حق میں ظاہری عزت ذلت اور کسی کے حق میں ظاہری ذلت عزت بن جاتی ہے ۔ شانِ امر جو ٹھہری اپنی افراط میں تفریط اور اپنی تفریط میں افراط رکھتی ہے ۔ اور ہر قسم کی بندش سے آزاد ہے ۔

فضل و رحمت

عزت و کرامت کی طرح فضل و رحمت والی صفت آپ بھی عالمِ خلق میں اس سرعت سے سرایت کئے ہوئے ہے کہ پیمانۂ عقل کی وسعت اسے بھی احاطہ کرنے سے قاصر ہے۔ اللہ عزوجل کا فضل اس کی ایک شان آپ ہے۔ اس کا تذکرہ حقیقتِ آپ نے اپنی کلام پاک میں متعدد بار فرمایا ہے۔ اور ہر جگہ یہ لفظ فضل اپنے اندر اعجاز و حقائق کے سمندر پنہاں کئے ہوئے معلوم ہوتا ہے۔ راقم حروف اس لٹ کے بال میں یوں الجھنے کا ارادہ کرتا ہے کہ پہلے کلام پاک میں جہاں جہاں لفظ فضل وارد ہوا ہے اس کی مختصراً تفسیر جو اولی الامر حضرات نے کی ہے بیان کی جائے اور اگر بعدہ کوئی نتیجہ نظر آئے تو وہ مطالعہ کرنے والوں پر ہی چھوڑا جائے اپنا دخل تو گیسوئے آپ کے ہر بال میں حیرت ہی ہے اور حیرت ہی رہے گا ہاں کچھ ترتیب بمطابق تحریرِ کلامِ پاک دی جائے گی۔ وباللہ التوفیق۔

وَاِنِّیْ فَضَّلْتُکُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ (سورۃ بقرۃ)

آیت نمبر ۷ اپنے زمانہ کے عالمین پر فضیلت یہ عطا ہوئی کہ انہیں میں انبیاء و رسول بھیجے گئے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب نازل فرمائی۔ بنی اسرائیل میں انبیاء بکثرت ہیں اور توریت۔ زبور اور انجیل تین کتابیں ان کو ملیں تو اس راہ سے ان کو سب پر فضیلت ہے۔ پھر چونکہ باپ دادوں کی فضیلت سے اولاد کو فضیلت ملتی یا موجود ہیں یہود کو اسپر فخر تھا ان کو یہ نعمتیں اور فضیلت یاد دلاکر تنبیہ و تہدید فرمائی۔

۲:۔ فضل بمعنی رزق جو خرچ کئے ہوئے قائم مقام اللہ تعالیٰ کی

طرف سے عطا ہو۔ فضل یہ ہے کہ جو خرچ کیا ہے اس سے افضل عطا کرے پس دنیا میں رزق میں وسعت دے اور آخرت میں ثوابِ جمیل عطا فرمائے فضلؔ اس کا وسیع ہے۔ بشر کے قیاس سے باہر ہے۔ کیونکہ یہ عقل و سمجھ اس کی ادنےٰ مخلوق ہے۔

فضل اس کا یہ ہے کہ اپنا مشاہدہ عنایت کرتا ہے اور اپنی درگاہ میں تقریب دیتا ہے اور اپنی معرفت اور توحید سے سرفراز کرتا ہے اور اسرار کشف کر دیتا ہے۔ بعضوں کے نزدیک فضل یہ کہ حکم ازلی پر رضامندی حاصل ہوتی ہے اور وصال ملتا ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ اللہ وعدہ دیتا ہے فضل کا یعنی قناعت۔ اور وُہ یہ ہے کہ سوائے جناب باری کے سب سے استغنا ہو۔ بہتیرے لوگ ایسے نظر آتے ہیں کہ راہ خیر میں خرچ کرنے کی حالت میں محتاج ہیں اور بے جا صرف کرنے کے وقت مال دار ہیں۔ بھلا کسی کو دیکھا گیا کہ اس نے خیرات کرنے کے واسطے قرض لیا ہو اور ایسے بہت ہیں جنہوں نے شادی بیاہ اور طعام اموات کی دھوم کے واسطے ہزاروں قرض لئے۔ تلک

فضلنا بعضھم علی بعض" (سورۃ بقر آیت ۲۵۳) بعض کو بعض پر فضیلت دی اس طرح فضیلت دی کہ بعض کو مخصوص کیا ایسے منقبت سے جو دوسروں کے لئے نہیں ہیں اور اس کا جاننا ہر پیغمبر میں سوائے اللہ تعالےٰ کے ناممکن ہے۔ یہ فضیلت تعصب کی حالت میں منع ہے اور اگر ایسی حالت نہ ہو بلکہ تحقیق سلامتی کی حالت ہو تو تفصیل میں مضائقہ ہیں۔

وکان فضل اللہ علیک عظیماً (سورۃ نسا آیت ۱۱۳) بیان دنیا و آخرت حلال و حرام سکھا کر خلق پر حجت کیا اور اس حجت و برہان کو فضل کا لفظ دیا۔ اسی آیت مبارکہ سے پہلے جو فرمایا

ہے کہ "لولا فضل اللہ علیك ورحمتہ" اس میں فضل سے مراد مفسرین کرام نے آپ کا معصوم و محفوظ ہونا لکھا ہے۔

یاایھا الذین امنوا من یرتد منکم عن دینہ فسوف یاتی اللہ بقوم یحبھم و یحبونہ اذلۃ علی المومنین اعزۃ علی الکفرین یجاھدون فی سبیل اللہ ولا یخافون لومۃ لائم ط ذلك فضل اللہ یوتیہ من یشاء ط واللہ واسع علیم۔ (سورہ المائدہ آیت ۵۴)

یہاں فضل اخوتِ اسلامیہ۔ اعدائے دین سے مقابلہ اعلانِ توحید اظہار حق میں بے باکی کے معانی میں آیا ہے۔ فضل کو کسی کا استحقاق نہیں رکھا اور ساتھ ہی فضل سے کوئی محروم نہیں رکھا۔ جسے چاہتا ہے اس شانِ امر سے سرفراز فرماتا ہے اور ساتھ ہی اس کی لیشاہر ایک پر محیط ہے۔ اس امر کی عطا میں ہر ایک کی اہلیت۔ قابلیت مصلحت و حکمت علیحدہ علیحدہ ہے۔ جہاں جس میں اور جس قدر یہ صفات پائی جائیں اس مقدار کے مطابق شانِ فضل ملتی ہے۔ ورنہ حقیقت امر پر نہ کوئی چیز بالذات واجب ہے اور نہ کسی کے اعمال اس کے موجب ہیں۔ وہی صاحب ارادہ۔ مالک مختار اور صاحب فضل ہے۔ اس کا فضل کامل ہمہ گیر اور دقیق ترین ہے۔

وان خفتم عیلۃ فسوف یغنیکم اللہ من فضلہ (سورہ توبہ آیت ۲۸)

یہاں فضل بمعنی غنی ہے یعنی اللہ تمہیں غنی (مالدار) بنا دے گا اور تمہارا فقر دور کر دے گا۔ کیونکہ علم و حکمت کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ تمہارے افلاس کو دور کرنے کے جو طریقے اس نے مقرر کئے ہیں ان سے بھی بخوبی واقف ہے۔ لہذا تم بے چون وچرا اس کے حکم کی تعمیل کرو اور غریبی کا کچھ اندیشہ نہ کرو چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اللہ نے بارش برسا دی غلہ زیادہ ہوا

اور دیگر بلادِ اسلامیہ سے رسد کا سامان بکثرت آیا پھر رفتہ رفتہ تھوڑی ہی مدت میں شام و روم ایران اور دیگر ممالک مسلمانوں کے قبضہ میں آگئے۔ کیونکہ تونگری اور فارغ البالی بھی اسی کی حیثیت پر موقوف ہے

قالو حسبنا اللہ سیوتینا اللہ من فضلہٖ و رسولہٗ (سورہ توبہ آیت ۵۹)

مفسّرین کرام نے آیت سے فضل کے معنیٰ ہر اس عطا کے لئے ہیں جو حقیقت امر یا صورت امر کی طرف سے ہو خواہ وُہ عطا بشکل مال ہو یا حکم صورت امر کی خوشنودی کو اپنا مرکزِ توجہ اور مآل زندگی قرار دینا فضل ہے دنیاوی عطیات کی طرف راغب ہونے کی بجائے حقیقتِ امر کا طالب اور اس کے قرب کا متمنی ہونا چاہیے جو کچھ بھی اُس کی جناب سے عطا ہو اسے فضل سمجھے۔

ومنھم من عٰھد اللہ لئن اٰتٰنا من فضلہٖ لنصّدّقنّ ولنکونن من الصّٰلحین ۝ فلمّا اٰتٰھم مّن فضلہٖ بخلوا بہٖ وتولّوا وّھم مّعرضون (سورہ توبہ آیت ۷۵، ۷۶)

اِن دونوں آیتوں میں فضل سے مراد مال و دولت ہے اور اشارہ ہے کہ عامتہ الناس فضل (مال و دولت) مانگنے میں اس بات کا عہد کرتے ہیں کہ اگر اللہ عزّوجل مال عطا فرمائے تو وُہ اللہ کی راہ میں خیرات بھی کریں گے اس حق میں سچے بھی رہیں گے۔ اس کی تصدیق بھی کریں گے اور صالح بنے رہیں گے لیکن جب ان کو فضل (مال) میں سے مل جاتا ہے تو بخل کرنے لگتے ہیں اور اللہ کے حق میں سے کمی کرنے لگتے ہیں۔

قل بفضل اللہ و برحمتہ فبذٰلک فلیفرحوا ھو خیر مّمّا یجمعون (سورۃ یونس آیت ۵۸) اس کے متعلق سلف کا اعتقاد یوں ہے کہ اللہ کا فضل حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ہیں اور اللہ کی رحمت قرآن کما قال اللہ تعالیٰ "وکان فضل اللہ علیک عظیم

یہ بھی احتمال ہے کہ فضل و رحمت صورت آمر صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں یا فضل و رحمت قرآن کریم۔ بعض نے فرمایا کہ اللہ کا فضل قرآن اور رحمت حضور علیہ السلام ہیں وما ارسلناك الا رحمۃ للعالمین اس طرح اس کی چار تفسیریں ہیں۔

ابن عباس ؓ نے فرمایا کہ فضل قرآن ہے اور رحمت دین اسلام حسن + ضحاک۔ مجاہد اور قتادہ رضوان اللہ علیہم کا قول ہے کہ فضل ایمان اور رحمت قرآن حضرت انس ؓ کی مرفوع روایت ہے کہ فضل الٰہی قرآن ہے اور رحمت یہ ہے کہ تم کو ان میں سے (یعنی اہل ایمان میں سے) کر دیا۔

امام کوحی ؒ نے اس ایت کی ایک تفسیر تصوف آمیز نہایت بہترین کی ہے آپ فرماتے ہیں کہ صاحب امر حضرات کے درجات متفاوت ہیں ظاہری شریعت[۱] کے پابند۔ باطنی طہارت کے[۲] دلدادہ۔ نور حق کے مظہر[۳] اور صدق و یقین[۴] میں حد کمال تک پہنچنے والے اور یہ تمام خوبیاں فضل و رحمت ہیں۔

صاحب تفسیر رومی ؒ اس آیت کے تحت فرماتے ہیں۔ کہ فضل قرآن ہے اور رحمت یہ کہ ہم کو اس کا اہل کیا یا فضل قرآن ہے اور رحمت ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم۔ یا فضل توفیق ہے اور رحمت عصمت۔ یا فضل معرفت ہے اور رحمت توفیق دریافت اس کے کی۔ یا فضل نعیم ظاہری اور رحمت نعیم باطنی یا فضل دخول جنت ہے اور رحمت نجات دوزخ یا فضل پردہ اٹھنا ہے اور رحمت دیدار دیکھنا۔ اسی آیت کے تحت راقم الحروف نے کسی تفسیر میں ایک واقعہ پڑھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عہد خلافت ہے۔ کسی ملک سے

مالِ غنیمت اونٹوں کی شکل میں آتا ہے ۔ آپ مسجد نبوی صلعم میں کسی خادم کے ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں کہ قاصد اس مال کی خوش خبری دیتا ہے ۔ آپ اٹھتے ہیں اور اونٹوں کی بے شمار تعداد جو دو رویہ پہاڑوں کے درمیان دور تک نظر آتی ہے ملاحظہ فرماتے ہیں اور خادم سے ان کو گننے کا حکم دیتے ہیں ۔ چند دیر تک گنتی کرنے کے بعد خادم شمار کرنے سے عاجز آجاتا ہے اور بے ساختہ کہہ دیتا ہے " ھذا من فضل ربی یوتہ من یشاء " حضرت عمر رضی اللہ خادم کا کان پکڑ کر فرماتے ہیں کہ یہ فضلِ ربی نہیں ہے یہ تو زمرۂ یجمعون میں آتا ہے کیا ارشاد باری تعالیٰ نہیں سنا " قل بفضل اللہ و برحمتہ...الخ اس واقعہ میں بقول حضرت عمر رضی اللہ یجمعون (جمع جتھا ۔ دھن دولت ، یعنی مال و دولت یا ساز وسامان یا عالم موجودات کی کوئی بھی شئے فضل نہ ٹھہری اور اس صحابی رضی اللہ (جو آپ کا خادم تھا) کے نظریہ کے مطابق مال غنیمت یعنی وہ اونٹ فضل اللہ میں شمار کئے گئے ۔ اپنی اپنی جگہ اور اپنے اپنے مرتبہ کے مطابق دونوں کا کلام راست آیا ۔ شانِ امر ہونے کے لحاظ سے فضل حسب استعداد اپنی افراط و تفریط میں نمایاں ہوئی اور اس نے نانِ شعیر سے لے کر مشاہدہ حق تک اپنے لاتعداد پہلو بدلے ۔

ونفضل بعضھا علی بعضٍ فی الاکل (سورۃ الرعد ایت ۴) ۔ اور پھلوں میں ہم ایک دوسرے سے بہتر کرتے ہیں ۔ یہاں پھلوں یا کھانے کو صراحتاً فضل کے ساتھ لگایا ہے اور فضل بمعنیٰ فضیلت یعنی بڑائی اور بزرگی کے لئے ہیں ۔ زمین میں پیداوار کا ذکر فرماتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ ایک زمین ایک ہی پانی سے سیراب ہوتی ہے لیکن پودے مختلف ہونے کے باعث کوئی میٹھا پھل دیتا ہے کوئی کڑوا اور

میووں کے رنگ و روپ میں بھی بعضوں کو بعض دوسروں کے بزرگی ہوتی ہے۔ زمین پر مختلف قسم کے درخت ہیں باغ میں طرح طرح کی کھیتاں ہیں ایک جڑ سے دو شاخہ نکلتا ہے۔ کبھی تنا ایک ہوتا ہے اوپر چل کر دو شاخیں ہو جاتی ہیں۔ ہر شاخ کی شکل جدا رنگ علیحدہ اور صناعت مختلف ہے۔ پھلوں کی مقدار۔ نوعیت اور کیفیت میں بھی فرق ہے کوئی خوشبو دار اور لذیذ ہے کوئی بدبودار اور بد مزہ۔ لذیذ ہونے میں بھی درجات کا اختلاف ہے باوجودیکہ غذا سب کی ایک ہے۔ ایک ہی پانی سے سب کو سیراب کیا جاتا ہے۔ زمین بھی ایک ہے پھر اتنی کھلی ہوئی بیگانگی کیوں ہے۔ یہ سب حقیقت اللہ کی شان اور فضل کی ہی وجہ سے ہے جو ایک ہمہ گیر طاقت ہے۔

واللہ فضل بعضکم علی بعض فی الرزق (سورۃ النحل ایت)

اس آیت میں فضل رزق سے متعلق ہے اور رزق ایک ایسا واسع اور جامع لفظ ہے کہ اس کے احاطہ میں مال۔ حال۔ قال۔ سب آجاتے ہیں۔ ظاہری آیت کا شانِ نزول عالم موجودات سے ہے جس کو اختلافِ احوال پہ مبنی کیا ہے کسی کو امیر بنایا کسی کو غریب کسی کو آقا کسی کو غلام۔ نظامِ کائنات کو برقرار رکھنے کے لئے اللہ عزوجل نے دولت و مال میں کمی بیشی رکھی۔ کسی کو زیادہ مال دیا اور کسی کو کم۔ زیادہ مال رکھنے والے کو افضل گردانا۔ کبھی اس فضل سے بندے کا امتحان اور آزمائش مقصود ہوتی ہے۔ رزق کی مساوات سے نظام عالم درہم برہم ہو جاتا ہے۔ نہ کوئی خادم رہے نہ مخدوم۔ نہ آقا نہ نوکر۔ نہ پیشوں کا اختلاف باقی رہے گا نہ کوئی محنت کرے گا۔ اس لئے تنظیم عالم کی بقا کے لئے تفاوتِ رزق ضروری ہے۔ رہا استحقاقِ رزق تو یہ سب کو برابر ہے۔ کسی کو اپنے خادم یا غلام سے اچھا کھانے یا پہننے کا حق نہیں ہے۔

املاک و تصرّفات میں اگرچہ کمی بیشی ہے مگر فوائد حاصل کرنے کا سب کو برابر حق ہے۔ یہ فضلِ رزق اپنی عقل و علم سے میسّر نہیں آتا۔ بڑے بڑے احمق جاہل مالدار ہیں اور بڑے بڑے عاقل و دانا نادار۔ وجعلنا اٰیۃ النّھار مبصرۃً لتبتغوا فضلاً من رّبکم (سورہ بنی اسراءیل ایت ۱۲) - یہاں کسبِ معاش کو فضل کا لفظ دیا۔ ملازمت۔ زراعت۔ تجارت اور دیگر ذرائع معاش سب فضل میں داخل کر دیئے کہ رات کی تاریکی سے نکل کر دن کی روشنی میں یہ کام بآسانی سرانجام ہوتے ہیں۔

ربّکم الذی یزجی لکم الفلک فی البحر لتبتغوا من فضلہٖ (سورہ بنی اسراءیل ایت ۶۶)

یہاں اس آیت میں بحری سفر اور جہاز رانی کو فضل کے ساتھ لگایا۔ طلبِ معاش تجارت ملکی فتوحات یا دوسرے کاروبار کے لئے بحری سفر فضل اللہ ٹھہرا۔

الّا رحمۃً من رّبّک ط انّ فضلہٗ کان علیک کبیرا (سورہ بنی اسراءیل ایت ۸۷) اس آیت کے پہلے روح کا بیان ہو چکا۔ اسے عالم امر کی چیز کہہ کر ختم کر دیا۔ کیسی ہے کون بتا سکتا ہے اور کون سمجھ سکتا ہے۔ مختصراً اس کا ذکر پچھلے صفحوں میں کر دیا گیا ہے۔ اب اس آیت میں قرآن پاک کو اللہ کی رحمت کہا۔ اور اس کی عطا کو اپنا فضلِ عظیم بتایا گیا کہ احکام قرآنی اور تعلیم ربانی قابلِ غور اور واجب العمل میں یہ درس گاہِ عمل ہے۔ عملی زندگی کو سنوارنے کی ضرورت ہے اور یہی فضل اللہ ہے۔

(سورہ نور)

۱:- ولولا فضل اللہ علیکم و رحمتہٗ وان اللہ

تواب حکیم (ایت ۱۰)

۲:۔ ولولا فضل اللہ علیکم و رحمتہٗ فی الدّنیا والاٰخرۃ لمسّکم فی مآ افضتم فیہ عذابٌ عظیم (ایت ۱۳) ۔

۳:۔ ولولا فضل اللہ علیکم و رحمتہ وان اللہ رءوفٌ رحیم (ایت ۲۰)

۴:۔ ولا یاتل اولوا الفضل منکم والسعۃ (ایت ۲۱)

۵:۔ ان یکونوا فقرآء یغنہم اللہ من فضلہٖ (ایت ۳۲)

۶:۔ حتّیٰ یغنیہم اللہ من فضلہٖ ط (ایت ۳۳)

۷:۔ ویزیدھم مّن فضلہٖ ط واللہ یرزق من یشآء بغیر حساب (ایت ۳۸)

ان آیات مبارکہ میں جو سورۃ نور کی ہیں فضل کا ذکر بار بار آیا ہے۔ اور مختلف معانی میں استعمال ہوا ہے۔ گناہوں کی معافی معصیت سے بچنا۔ لعان وغیرہ کے احکام معلوم ہونے یہ سب اللہ کا فضل ہے۔ وہ لوگ جو تہمت میں شریک ہو گئے تھے یا تردّد کرتے ہوئے خاموش رہے ان کو توبہ کی مہلت اور توبہ کرنے پر معافی کا وعدہ اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تھی۔ بے نظیر بنی کی بے نظیر طیبہ طاہرہ عفیفہ محفوظ زوجہ کو بہتان لگانا بے نظیر عذاب کا مقتضی تھا۔ اور اس کا ٹل جانا عین فضل اللہ اور اس کی رحمت تھی۔ اس سورہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی کو بھی اولی الفضل کا خطاب دیا گیا کیونکہ آپ دین و دنیا کی خوبیوں کے حامل اور محاسن کا گہوارہ تھے۔ اس سورہ میں فضل کو غنیٰ سے بھی متعلق کیا ہے۔ اور نکاح کرنے کی ترغیب دی ہے کہ کبھی

غنا کا سبب ہو جاتا ہے اگر عورت خوش نصیب ہو تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے مردِ فقیر کو امیر بنا دیتا ہے۔ اور اسے اپنے فضل سے مقدور والا کر دیتا ہے۔

استحقاق کے علاوہ جو بھی اللہ عزوجل کی طرف سے ملتا ہے اسے فضل کا نام دیا گیا ہے۔ جیسے جنت اور وہاں کی نعمتوں کو کئی بار بما کانو یکسبون یعنی اعمال کا بدلہ کہا ہے۔ لیکن رب تعالیٰ کا دیدار --- اس کا انعام یا ایک کا بدلہ سات سو تک یا اس سے زیادہ انعام یا جو ہمارے وہم و گمان سے باہر ہیں یہ سب اللہ عزوجل کا فضل شمار ہوتا ہے۔ ہوا۔ پانی آگ۔ مٹی سب اس کا فضل ہے۔ نہ کہیں انسان کا حق ثابت ہو سکا اور نہ اللہ کے فضل کی نفی وجود میں آئی۔ فضل عالم امر کی شے تھی کسی شرط سے مقید نہ ہو سکی۔ عالم موجودات میں سے کون سی شے ہے جو فقدانِ فضل کا دعوے کر سکے۔ بے پر و بال کیڑے کو زمین کی تہ میں روزی دینا اس کا فضل ہی ہے۔ فضل نہ ہو تو کسی ہستی کا وجود نہ ہو۔ اشیاء کا قیام اس کا فضل۔ کائنات کا نظام اس کا فضل۔ اشیاء کا ثبات تغیر سب اس کا فضل۔ اس شانِ امر کی حد گو استحقاق سے آگے شروع ہوتی ہے لیکن جب کسی شے کو استحقاق ہی حاصل نہ ہو تو پھر وجود کائنات سب فضل کا ہی طفیلی ہوا۔ اِن ھذا لھو الفضل المبین (سورہ النمل آیت ۱۶)۔ اس آیت میں اللہ عزوجل نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے علمِ منطق الطیر کو اپنا فضل کہا جو اسے دیا گیا اور ایسے ہی اوتینا من کل شیء کو بھی فضل مبین فرمایا کہ تخت اس کا ایسا تھا کہ کسی بادشاہ کا نہ تھا۔ موضح القرآن میں ہے کہ داہنی طرف تخت کے دو لاکھ کرسیاں بچھی رہتی تھیں آدمیوں کے بیٹھتے تھے اور بائیں طرف دو لاکھ کرسیاں بچھی رہتی تھیں

ان پر شرفا جنوں کے بیٹھتے تھے اور جانب دست راست سلیمان علیہ السلام کے پینتیس ۳۵ منبر رکھے ہوئے تھے اس پر علما انس بیٹھتے تھے اور جانب دست چپ ان کے پینتیس ۳۵ منبر رکھے رہتے تھے ان پر فضلا جن بیٹھتے تھے اور یہ تمام علماء فضلا سخن حق کہتے تھے اور سب جن و انس کرسیوں پر بیٹھے سنتے تھے اور سلیمان علیہ السلام تخت پر ہوتے تھے اور طیور ہوا پر کھو لکر ابر برابر سایہ کرتے تھے۔ اور یہ سب کچھ فضل مبین تھا۔

قال ھذا من فضل ربی (سورۃ النمل آیت ۴۰)
اس آیت کا محل جو قرآن میں ہے حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس قصہ سے ہے جس میں انہوں نے اپنے درباریوں سے فرمایا کہ بلقیس کا تخت کون لائے۔ تو آصف بن برخیا جو وزیر سلیمان علیہ السلام تھا نے جواب دیا کہ میں آنکھ جھپکنے سے پہلے سے اُسے لا سکتا ہوں چنانچہ آگیا۔ پس جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے تخت کو اپنے نزدیک ٹھہرا ہوا پایا تو زبان شکر سے کہا ھذا من فضل ربی اُس ولی کی کرامت کو اپنے لیے فضل اللہ جانا کہ اللہ عزوجل نے میرے ماتحت اتنی اتنی بڑی کرامت والے بندے کیے ہیں۔ ادھر آج کل بڑی بڑی عمارات پر جو ھذا من فضل ربی کا اشتہار دیکھا جاتا ہے انہوں نے کس بے دردی سے آیت کے محل کو بگاڑا ہے۔ ہاں لفظ فضل کے استعمال میں اپنی استطاعت کے مطابق شاید حق بجانب ہوں۔ واللہ اعلم۔

ومن آیتہٖ منامکم بالیل والنھار وابتغاؤکم من فضلہٖ (سورۃ روم آیت ۲۳) اس آیت میں تلاشِ رزق کو فضل الٰہی کہا گیا ہے۔ جس کا کچھ بیان پہلے گذر چکا ہے

لیجزی الذین اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت من فضلہٖ (سورۃ روم آیت ۴۵)

یہاں فضل بمعنی کرم ہے جس پر کہ عمل کی جزا موقوف ہے۔ عمل جزا کا سبب ہیں علت نہیں۔ علت فضل ہی ہے۔

ولتجری الفلک بامرہٖ ولتبتغوا من فضلہٖ لعلّکم تشکرون (سورۃ روم آیت ۴۶)

یہاں بھی فضل بمعنی رزق ہیں روزی اگرچہ ہمارے کسب سے حاصل ہے۔ پھر بھی الہٰ کے فضل سے ہے۔

لیوفّیھم اجورھم ویزیدھم مّن فضلہٖ (سورۃ فاطر آیت ۳۰)

یہاں فضل اپنے معنوں میں استحقاق سے زائد پر بولا گیا ہے۔ کہ ایک سو یا سات سو کر دے۔ یا اپنا دیدار دے جو ہمارے کسی عمل کا بدلہ نہ ہوگا۔

ومنھم سابقٌ بالخیرٰت باذن اللہ ذٰلک ھو الفضل الکبیر (سورۃ فاطر آیت ۳۲)۔

صاحب امر حضرات نے اس آیت کی تفسیر میں اچھی خاصی غواصی کی ہے اور لفظ فضل الکبیر کو گروہ سابق بالخیر نزدیک رکھا ہے۔ اور اس گروہ کی تعریف یوں کی ہے۔

۱:۔ بے حساب جنت میں جانے والے۔ ۲:۔ جہاد کرنے والے
۳:۔ وہ جو پہلے ہجرت کے ایمان لائے۔ ۴:۔ عالم
۵:۔ متوجہ مولیٰ۔ ۶:۔ عبادت کرنے والا اللہ فی اللہ
۷:۔ بیگناہ۔ ۸:۔ تائب ثابت۔ ۹:۔ وہ جو صرف معاد پر ہو
۱۰:۔ صبر کرنے والا بلا پر۔ ۱۱:۔ متوجہ طرف مذکور کے

۱۲:۔ متقی۔ ۱۳:۔ واجد۔ ۱۴:۔ وہ جس کی حسنات سیات
پر غالب آئیں۔ ۱۵:۔ جس کا باطن ظاہر سے اچھا ہو۔ ۱۶:۔ دینے
والا فقط۔ ۱۷:۔ دیکھنے والا حق سے طرف حق کے۔ ۱۸:۔ جو منعم
سے منعم کو دیکھے۔ ۱۹:۔ بیدار۔
اس سب صفات کو فضل الکبیر کہا۔

لهم ما يشاءون عند ربهم ط ذلك هو الفضل
الكبير (سورہ شوریٰ ایت ۲۲)۔

یہاں فضل بمعنی اکرامت جو کہ بہشتیوں کو اللہ عزوجل کی طرف سے ملے
گی اور جس کے سامنے نعمتیں خانہ دنیا کی کچھ نہیں۔

وجنت عرضها كعرض السماء والارض ط اعدت
للذين امنوا بالله ورسله ط ذلك فضل الله
يؤتيه من يشاء ط والله ذو الفضل العظيم
(سورہ الحدید ایت ۲۱)

یہاں فضل بمعنی اجنت جس کا مختصراً ذکر پہلے گزر چکا ہے۔

لئلا يعلم اهل الكتب الا يقدرون على شيء من
فضل الله وان الفضل بيد الله يؤتيه من يشاء
والله ذو الفضل العظيم (سورہ الحدید ایت ۲۹)

اس آیت میں فضل اللہ کا اہل کتاب کے حق میں فقدان ظاہر کیا گیا ہے۔
اور اس کو صرف اہل ایمان کے ساتھ وابستہ کیا گیا ہے۔

وابتغوا من فضل الله واذكروا الله كثيرا لعلكم
تفلحون (سورہ جمعہ ایت ۱۰)

یہاں مراد فضل اللہ سے رزق دنیا اور تہیہ اسباب معاش ہے
اور بعضوں نے کہا ہے کہ پھیل جانا بھی زمین مسجد میں ہے واسطے

سننے وعظ کے اور مجلس علماء میں بیٹھنے کے اور بعضے کہتے ہیں کہ عیادت مریض کی ہے اور حضور جنازہ اور زیارت مومناں اور طلبِ علم اور اسی طرح کے جو نیک کام ہیں کیونکہ ڈھونڈھنا فضل الٰہی کا ایسے ہی اعمال میں ہوتا ہے۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (سورۃ جمعۃ ایت ۴)

یہ فضل (زیادتی کرم) نبوت اور بعثت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہے جس کو چاہے دیتا ہے۔ یا ہدایت۔ ایمان صحابیت اللہ کے فضل سے نصیب ہوتی ہیں۔ یا حضور کی غلامی نصیب دروں کو نصیب ہوتی ہے۔

بدیں نازم کہ ہستم اُمتِ تو
گنہگارم ولیکن خوش نصیبم (جامی)

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا (سورۃ حشر ایت ۸)

یعنی ہجرت اُن کی واسطے تجارت اور اعراض دنیوی کے نہیں بلکہ طلبِ رحمت اور رضائے الٰہی میں اور محبتِ خدا اور رسول میں ترک دیار کیا ہے۔ یہاں طلب رحمت اور رضائے الٰہی کو فضل کا لفظ دیا گیا ہے۔

مندرجہ سطور جو کلام پاک کی روشنی میں لفظ فضل کی تفصیل میں بیان کی گئی ہیں۔ ظاہر کرتی ہیں کہ یہ صفت بھی اپنے اندر کسی معین ومقرر معیار کی منت کش نہیں۔ بلکہ ہر شے اس کی مرہونِ منت ہے۔ اور کیوں نہ ہو استحقاق ہمیشہ مالک وخالق کو پہنچتا ہو۔ نہ کہ مملوک ومخلوق کو۔

ایک قطعۂ زمین کا عارضی مالک اس قطع میں تمام تر تصرّف کے اجزا کا حق رکھتا ہے ۔ اُسے جوتے ۔ بوئے یا عمارت کے کام میں لائے اور وہاں چاہے کسی حصّہ کو بیت الخلا بنائے اور کسی حصّہ کو مصلیٰ مقرر کرے ۔ یہ سب مالک کے رحم و کرم پر ہے ۔

اس شانِ امر کی ضد غضب و وبال ہیں جن کو اس صفتِ فضل کی تفریط کا بھی نام دیا جا سکتا ہے ۔ لیکن یہ تفریط مقدار کی بجائے مرتبہ پر منحصر ہے ۔ ایک شخص کے لئے نانِ جویں اور چند گھونٹ پانی فضل کا نام پا سکتے ہیں اور کسی شخص کے حق میں لعل و گوہر بھی وبال ہوتے ہیں ۔ حقیقتِ امر ہو یا صورتِ امر دونوں کی رضا ایک ہے اور اس رضا کا حصول اس شانِ امر کی افراط ہے ۔ علاوہ ازیں ہمہ تفریط اور اس میں سب کائنات شامل لیکن اپنی اپنی استعداد و صلاحیت پر عالمِ موجودات عالمِ اسباب و اثرات ہے ۔ ہر اثر اپنے لئے ایک سبب رکھتا ہے ۔ لیکن جملہ اثرات کی علّت یہی شانِ امر فضل ہے ۔ اگر فضل شاملِ حال نہیں تو سبب بیکار اور اثر زائل ۔ ذرہ سے لے کر آفتاب تک سب فضل کے رہن ہیں ۔ اور فضل ہمہ گیر ہے ۔ یہ شانِ امر نہ ہو تو دوا میں اثر نہیں ۔ آگ میں گرمی نہیں اور تیز دھاریں کاٹ نہیں ۔ فضل کی وابستگی ہر آن امر سے ہے ۔ جہاں امر نہیں وہاں فضل مفقود ۔ راقم الحروف نے اپنے محلہ کی ایک عمارت پر مندرجہ ذیل الفاظ کا کتبہ پایا ۔

۱: ۔ ہذا من فضلِ شاہ قلندر

۲: ۔ ہذا من فضلِ محمد رسول اللہ

۳: ۔ ہذا من فضل ربی ۔

میرے ساتھی نے پہلی دو سطور کو قابلِ اعتراض جانا حقیقتِ امر

کے فضل کو تو فضل مانا لیکن پہلے دونوں کو شرک کا فتویٰ دے دیا۔ یہ نہ سمجھا کہ پہلا صاحبِ امر ہے۔ دوسرا صورتِ امر اور تیسرا حقیقتِ امر اور فضلِ امر کی وجہ سے لکھا گیا ہے نہ کہ کسی شخصیت کی وجہ سے۔

حقیقتِ امر کا کلام

شانِ امر کا یہ گیسو مثلِ امورِ دیگر کے نہ اپنی ابتدا رکھتا ہے نہ انتہا۔ ازلی بھی ہے اور ابدی بھی اور عالمِ خلق میں بحیثیت خلق داخل ہے۔ سکوت و صوت دونو کو اپنائے ہوئے ہے۔ اس کے عجائب کبھی ختم نہیں ہوتے۔ بار بار تلاوت سے پرانا نہیں ہوتا۔ اپنی تفریط میں ہر کہ ومہ کا حصہ ہے اور اپنی افراط میں قرآن کے اوراق میں محفوظ ہے۔ اسی کو ذکرِ حکیم اور صراطِ مستقیم بھی کہا گیا ہے۔

کسی دوسرے کلام کو قرآنِ پاک سے کوئی نسبت نہیں ہو سکتی۔ جیسے حقیقتِ امر کی بزرگی تمام مخلوق پر اسی طرح اس شانِ امر (کلام) کی بزرگی جملہ کلاموں پر۔ حقیقتِ امر کے کلام میں اعجازِ بلیغ یہ ہے کہ ایک ہی خطابِ قدرت میں ہر درجہ کی تعلیم موجود ہے حتیٰ کہ عامی سے لے کر صاحبِ امر حضرات تک ہر درجہ کا آدمی اپنی استعداد کے لائق معانی و معارف سمجھ لیتا ہے۔ پس عامی ابتدا میں یہ جانتا ہے کہ اس میں صرف یہی معانی ہیں جو میں نے سمجھ لئے پھر جب اس پر عمل سے وہ نور مزید حاصل کرتا ہے تو عجب دیکھتا ہے کہ گویا میں نے یہ آیت ہی نہیں پڑھی تھی۔ اسی واسطے حدیثِ علی رضی اللہ عنہ میں وارد ہوا کہ "لاتنقضی عجائبہ"۔ (اس کے عجائب کبھی منقطع نہیں ہوتے) اور بھید یہ ہے کہ اسرار و معارف غیر متناہی ہیں پس کسی حد پر انتہا نہیں۔ جس سے معلوم

ہوا کہ یہ اعجاز مقدور بشری سے خارج ہے اور ابتدائے خطاب
ایسے طور پر ہے کہ ہر عام اسکو بخوبی سمجھ سکتا ہے۔ برعکس اس کے
اس کی بلاغت و فصاحت کے مقابلہ میں تمام عرب چپ ہو گیا +
ایک طرف ولقد یسرنا القران للذکر فھل من مدکر
فرمایا اور کہیں تدبر نہ کرنے پر توبیخ فرمائی افلا یتدبرون القران
اس کلام کے بارے میں کوئی مجتہد یہ نہیں کہہ سکتا کہ کلام کے یہی معنی
ہیں - ہر ایک کی تفہیم علیحدہ اور حقیقت امر کے پیدا کرتے ہے۔ جتنا
کسی نے اس میں جہد کیا اتنی ہی اسے راہ کی ہدایت فرمائی اور بسا
اوقات تفہیم کی حد یہاں تک گئی کہ سمع کلام سے مومن کی روح نے حلاوت
ولذت پائی اور پرواز کر گئی - سبحان اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم +
اس کلام کا ظاہر باطن میں اور باطن ظاہر میں گم ہے - بعض نے
کہا کہ اس میں سوائے تفسیر کے بہت کچھ موجود ہے - جو شخص اولین
و آخرین کا علم چاہے وہ اس کلام سے منور ہو - مبتدی پہلے ظاہر
تفسیر کا حفاظ اور پھر اس پر مستقیم ہوتا ہے اس واسطے کہ ظاہر کو محکم
کرنے سے پہلے باطن تک پہنچنے کی کوئی امید نہیں ہے بدلیل حدیث پاک
کے کہ جس نے عمل کیا اس پر جو جانا ± اس سے متحقق مستفاد ہوا
جس نے ظاہر تفسیر پر عمل کیا اس کو تاویلات باطن کا علم حاصل ہوتا
ہے - اور صورت امر کے کلام (یعنی حدیث) کی روایت بھی اس
حقیقت امر کے کلام (یعنی قرآن) کے واسطے ظہر و بطن ہے -
جس شخص کو اول درجہ بطن پر علم ہوا تو یہ بطن اس کے حق میں ظاہر تفسیر
ہو گیا پس جب وہ اس بطن پر مستقیم رہا و عمل کیا تو آئندہ اس کو
درجہ دوئم جو اس سے اعلیٰ ہے ظاہر ہوا اور بعد ظہور کے وہ بھی
اس کے حق میں ظہر ہو گیا و علیٰ ہذا القیاس + اور مراتب کی کوئی انتہا

± تو اللہ تعالیٰ اس کو ایسے امر کا علم دیتا ہے جو اس نے نہیں جانا

نہیں ہے ۔ جس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے کھول دیا معنی باطن بھی اُس شخص کو مفہوم ہوتے ہیں ۔ جہاں تک ابتدائی عام فہم ہدایت مقصود ہے وُہ عام کے واسطے آسان کر دیا گیا ہے ۔ اور ہر آیت پر جو علوم الٰہی عزوجل مضمر ہیں اُن پر نظر عام نہیں پہنچی حالانکہ عامی نے جس کلمہ کو عمدہ خیال کیا تھا اُس سے اُن معانی میں خلل ہوجاتا ہے اگر عامی کی رائے ہوتی تو علمائے ربانی کو آئندہ اِن علوم سے محرومی ہوتی ۔ کیونکہ حقیقتِ امر میں عجز و جہل محال ہے اس لئے قطعاً معلوم ہوا کہ جو کلمہ و طرز بیان آیت ہے وُہ نہایت اعلائے کمال پر ہے ۔ عالم ربانی مانند تقدیرات الٰہیہ کے خوب سمجھتا ہے کہ تمام جن و انس ملائکہ میں کوئی نہیں جو اس کلمہ کی بجائے اس سے عمدہ لاسکے اور حق یہ ہے کہ ترجمہ بھی اس کو برداشت نہیں کرسکتا ۔ بعض علماء نے کہا کہ جو کچھ حضور ت امر نے فرمایا وُہ قرآن میں موجود ہے جس نے سمجھا اس نے سمجھا ورنہ اپنا قصور ہے اور اُسی قدر ملتا ہے جس قدر اس کی کوشش اور سمجھ ہو ۔

پھر صاحب آثر حضرات اس علم کے وارث ہوئے پھر اس کے بعد ہمتیں کم ہوگئیں اور عزم آخرت میں فتور آگیا اور عامی اس کے اُٹھانے سے عاجز ہوتے گئے اور بجائے اس کے جہل پیدا ہوتا گیا الحاصل قرآن میں جمیع علوم موجود ہیں لیکن جاہل کا اِنکار بوجہ اپنے جہل کے ہے ۔ جس کے دل میں دنیا کی محبت یا بدعت یا تکبر ہو یا گناہ پر مصر ہو یا ایمان محقق نہ ہو یا کسی گمراہ یا بدعتی کی رائے پر اعتماد ہو یا عقل عام یا حواس پہ بھروسہ کرے وُہ علوم و اسرارِ کلام سے محجوب ہوگا ۔ اعجازِ قرآنی میں ہر فہم کے لائق معانی و اشارات دیگر ہیں جن کو ہر متقی اپنے درجہ تقویٰ

کے موافق سمجھتا ہے اور لطف یہ کہ وُہ ہرگز ان احکام ظاہر کے خلاف بھی نہیں ہیں۔ اور نہ ہی یہ تحریف و تحویل ہے۔

تجربہ شاہد ہے کہ آغوشِ ذہن سے یا کسی دیگر آلہ سے جو کلام نکلتا ہے وُہ غیر فانی ہوتا ہے۔ اور وقت کی قید سے بھی آزاد ہوتا ہے۔ عقل عام کی رسائی جہاں تک تو ہو گئی کہ کرۂ ارض پر ایک آواز کسی آلہ کے ذریعہ سے نکلتی ہے اور یہ آواز آلہ دیگر سے اسی وقت اس کرۂ ارض کے ہر گوشہ میں سنائی دیتی ہے۔ یہ آواز پھر کہاں جاتی ہے اور دوبارہ کیسے سنی جا سکتی ہے ابھی تک عقل عوام اس کی تسخیر سے قاصر ہے۔ لیکن بہرحال یہ واضح ہو گیا کہ اس شانِ امر (کلام) کی تفریط میں کس قدر قوت ہے۔ اسی سے اس شانِ امر (کلام) کی افراط کا اندازہ لگا لیجئے کہ حقیقتِ امر کا کلام کتنی زبردست طاقت لئے ہوئے ہوگا۔ حقیقتِ امر کی طرح یہ شانِ امر بھی الان کما کان ہے۔ اور اس پر اولی الامر حضرات کے اقوال گواہی دیتے ہیں جب وُہ فرماتے ہیں کہ ہم اب بھی کُن اور الست بربکم کی صدائیں سن رہے ہیں۔ وعلیٰ ہذا القیاس سارا قرآن اپنی صوت سے جملہ موجودات میں گونج رہا ہے۔ الحمد سے لے کر والناس تک یہ گیسو اپنی افراط میں ہے اور اسی طرح صورتِ امر کی احادیث اور صاحبِ امر کے اقوال کو گوشِ امر سن رہے ہیں۔ حقیقتِ امر کا کلام صوت سے خالی نہیں لیکن اور اصوات کی طرح نہ یہ کسی مخرج کا منت کش ہے۔ اور نہ اپنی شنید میں کسی گوش کا مرہون ہے۔ اسے الفاظ کا جامہ صورتِ امر سے ملا تاکہ عالمِ خلق اس کی متحمل ہو سکے اور آسانی کے پیشِ نظر پھر اس تفریط سے افراط کی ارتقائی منازل طے کرتی ہوئی اُسی صوت کو حاصل کرے جیسے صورتِ امر نے اشارۃً "گھنٹی کی آواز" سے تشبیہ دی تھی

شنید کا مدار ایک طرف تو قوتِ مخرج پر ہوتا ہے اور دوسری طرف قوّتِ سماعت پر۔ جتنی زور سے آواز نکلے گی اتنی دور سنائی دے گی اور جس قدر کان ورسنی پر ہوں گے اسی قدر شنید میں آسانی ہوگی حقیقتِ امر کے کلام کی طاقت اور قوت تو معلوم ہوگئی اور اس میں کسی شبہ کے انکار کی گنجائش نہیں رہی لیکن اِس گوشِ سماعت کے تناقص نے یہ بھی ظاہر کی۔ جس قدر یہ تخلیق شانِ امر سے بے بہرہ رہی اسی قدر صلاحیتِ سماعت سے دور ہوگی۔ صاحب امر حضرات اس صوت سے لذت پاتے ہیں وغیرہما محروم ہیں + عالمِ خواب میں جب ایک شخص عالمِ بیداری سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ تو وُہ انواع اقسام کے مناظر مشاہدہ کرتا ہے۔ وُہ چلتا پھرتا ہے۔ آوازیں سنتا ہے۔ لیکن وُہ چلنا پھرنا نہ ان ٹانگوں سے ہے اور نہ اس کا بولنا اس زبان سے ہے اور نہ سننا ان کانوں سے ہے۔ بعینہٖ جو حضرات عالمِ بیداری میں رہتے ہوئے اس عالم سے مستغنی ہیں وُہ ان اصوات کو سن رہے ہیں۔ گوشِ خلق سے نہیں بلکہ گوشِ امر سے۔

حقیقتِ امر کے کلام نے چند گنتی کے حروف کا لباس پہنا اور حقیقتِ کلام کو کچھ اس طرح سمٹا کہ عالمِ موجودات میں کوئی اور شے اسے اپنانے کے لئے عاجز آگئی اور سب نے اس کا انکار کر دیا۔ یہ حقیقت ہر طرح کے جملوں میں بند کی گئی کسی کو جمالی رنگ دیا اور کسی کو جلالی۔ باوجود اس کے اپنی کبریائی اور اپنی تخلیق کو اس طرح جکڑ دیا کہ خود حروف چکر میں آگئے۔

سورہ المدثر میں آیت وربک فکبر مندرجہ ذیل حروف کو شامل ہے۔

ر - ب - ک - ف - ک - ب - ر

جس کو اگر الٹا پڑھا جائے تو بھی یہی حروف - یہی آیت اور یہی معانی نکلتے ہیں -

اسی طرح سورۃ یٰسٓ میں آیت کُلٌّ فِی فَلَكٍ میں یہاں شمس و قمر اور ستاروں کی تخلیق کا بیان ہے اور لیل و نہار کا دورہ بیان کیا گیا ہے مندرجہ ذیل حروف ہیں -

ک - ل - ف - ی - ف - ل - ک

جن کا الٹ بھی وہی معانی نکالتا ہے - کمال تو یہ ہے کہ عالم کا چکر بتانا مقصود تھا حروف کا چکر بھی اسی طرح دے دیا - دنیا کی کوئی زبان یا کوئی کلام ایسی مثال پیش نہیں کر سکتا جس کا الٹ بھی وہی معانی رکھتا ہو -

ہر کلام حروف پر مشتمل ہے - ہر حرف اپنے اندر کلام کی طرح معانی رکھتا ہے لیکن بڑے دقیق - انہیں حروف کے اشکال متغیرہ سے ہی زمانہ بھر کی زبانیں بنیں اور قیامت تک بنتی رہیں گی - چونکہ یہ حروف عام انسان کے بھی حصہ میں آنے تھے - ان کی زبر آگلی بینات سے علیحدہ کر دی سوائے حرف س کے کہ درمیان زبر و بینات اس کی کے کوئی فرق نہ رکھا اور ایسے سویت اعتدالیت اور موافقت بھی بخشی اور صورت امر کے ساتھ مختص کر دیا - جب فرمایا یٰسٓ (سبحان اللّٰہ العلی العظیم) - حرف سے آیت تک جو جو کلمات یا الفاظ بنے ہر ایک نے اپنے اندر لاتعداد معانی چھپائے اور ان معانی کا ظہور مراتب کی حیثیت سے ہوا - مقام و مرتبہ چونکہ ازلی تھے ان میں کچھ فرق نہ آیا - ہاں ان کے ساتھ جو جو الفاظ لگے انہوں نے مرتبہ کے مطابق معانی ظاہر کئے کلام پاک میں ان کی مثالیں ظاہر ہیں - حقیقت امر = مکر و مکر اللّٰہ واللّٰہ خیر الماکرین

صورت امر = انک میت وانہ میتون

اولی الامر = ولقد نصرکم اللہ ببدرٍ وانتم اذلّۃ

یہاں مومنین کو ذلیل بے سروسامانی کے معنوں میں کہا گیا ہے۔ نہ کہ عامتہ الناس والی ذلت:۔

میتہ ۔ دم ۔ خنزیر کا حرام ہونا ۔ ماں ۔ بہن ۔ بیٹی کا حرام ہونا حرم پاک ۔ شہر الحرام ۔ مسجد حرام ۔ بیت الحرام ۔ ان سب میں حرمت جیسے جیسے مراتب کے ساتھ لگی ویسے معانی دیئے۔

صورت امر والے ضال نے اپنے معانی جو لئے وہ ایک فاسق و فاجر ضال سے الگ رہے اور اسی طرح ایک کافر کا ضال ہونا اور زلیخا کا حضرت یوسف علیہ السّلام کی محبّت میں ضال ہونا جداگانہ معانی رکھتے ہیں۔ عزیز و کریم کتنے مقدس الفاظ معلوم ہوتے ہیں یہی الفاظ جب قیامت کو ایک کافر کو خطاب کرتے ہوئے کہے جائیں گے انک انت العزیز الکریم تو الٹ اور مخالف معانی رکھیں گے۔ صاحب امر حضرات ان الفاظ کی سِر سے واقف ہوتے ہیں اور اُنکی نگاہ ہر آنے والے کے ازلی مرتبہ پر بھی ہوتی ہے۔ اِس لئے ان کی تلقین ہر راہرو کے لئے جداگانہ ہوتی ہے۔ جو جو الفاظ و کلمات یا آیات مبارکہ جس جس مرتبہ کے انسان کو موزوں ہوتی ہیں وہی ان کو تلقین فرماتے ہیں۔ اس لئے ہر وظیفہ ہر انسان کے لئے راس نہیں آتا۔ بلکہ اُس کا اثر مخالف بیٹھتا ہے۔ اور اس کا تجربہ شاہد ہے۔ کلام چونکہ گیسوئے امر کی ایک لٹ تھی سننے والوں کے لئے ہدایت کا کام بھی دے گئی اور گمراہی کے گڑھے میں بھی ڈال گئی۔ یضل بہٖ کثیراً ویھدی بہٖ کثیراً۔ کسی کو سارے قرآن سے کچھ نفع نہ پہنچا اور کسی کو حروف مقطعات نے ہی حقیقت امر سے شناسا کر دیا

عالم خلق تمام کا تمام ایک ہی کلمہ کا ظہور ہے جس میں صورت امر، اسم کے صاحب امر، فعل، اور اُن کے علاوہ جملہ مخلوقات حرف، ٹھہرے اسی طرح حقیقت امر کا کلام بھی ایک ہی کلمہ ہے جو نہ ابتدا رکھتا ہے نہ انتہا ۔ جس طرح کلمہ کن، کائنات میں بکھر کر اسم ۔ فعل اور حرف بنا۔ اسی طرح یہ کلمہ قرآن کے اوراق میں پھیل کر ۔ اسم ۔ فعل اور حروف بنا۔ اسماء نے امر کی صورت اختیار کی اور عامی اِن کو نہ پا سکے ۔ افعال نے بھی متنازعہ موضوعات کا لباس پہنا اور مختلف مذاہب و اعتقادات کے کے محل بنائے ۔ حروف ویسے کے ویسے رہے اور ہر ایک کی نظر میں ایک جیسے ہو کر نمودار ہوئے ۔ صاحب امر حضرات جب حروف کی وادی سے گزر کر افعال و اسماء میں گم ہوئے تو سارے قرآن کا ختم کرنا ان کے لئے ایک آن واحد میں ہوا ۔ چنانچہ اس کی موید حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی روائت ہے جب انہوں نے فرمایا کہ میں سارا قرآن گھوڑے پر سوار ہوتے وقت ایک رکاب سے دوسری رکاب میں پاؤں ڈالنے تک ختم کر لیتا ہوں + زمین ۔ پہاڑوں ۔ سمندروں پر بھی اسی کیفیت کا نزول گراں گذرا ۔ اسی کیفیت کا نزول ہی یکبارگی لوح محفوظ سے آسمانِ دنیا پر ہوا ۔ اس کیفیت کا نزول ہی صورت امر کی جبرئیلی قوت نے ہر رمضان کی لیلۃ القدر میں دوہرایا ۔

کلام میں شانِ امر سرائت کر گئی اور موثر ٹھہری لیکن انداز یہ رکھا کہ متاثر میں بھی یہ شانِ امر موجود پائی ۔ اس کی مثال یوں سمجھ لیجئے کہ آنکھ اکیلی نہیں دیکھ سکتی جب تک کہ سامنے روشنی موجود نہ ہو ۔ قوت بصارت ہے لیکن روشنی نہیں ۔ اندھیر ہوگا روشنی ہے قوت بصارت نہیں کچھ نظر نہیں آئے گا ۔ اسی طرح کلام نرم و نازک ہے اور شانِ امر سے بھرا ہوا ہے لیکن سننے والا بے امر ہے کچھ فائدہ نہ ہوگا

بلکہ برعکس خسارہ میں رہے گا وما یزید الظالمین الا خسارہ۔
ہاں اپنی شانِ اجتماعِ ضدین کے پیشِ نظر کبھی یہ کلام عامتہ الناس کے
جوہر کو بھی اوجاگر کردیتا ہے اور اگر اس کلام کی ایک آیت یا ایک لفظ
بھی دل میں اُتر آئے تو سننے والے کو دنیا و مافیہا سے بے نیاز بنا
دیتا ہے۔

صُورتِ امر

احدیت۔ وحدت۔ وحدیت۔ ہویت غیب۔ ذاتِ
بحت۔ احدیت ذاتیہ۔ احدیت مطلقہ۔ چشمۂ کافور۔ لاتعین
ذات بے اسما و صفات یہ سب نام و مقام اسی ذاتِ یکتا کے ہیں
جن کو راقم الحروف نے حقیقتِ امر کا نام دیا ہے۔ صفات میں سب
سے پہلے ظہور چونکہ امر کا ہوا اور حقیقتِ مطلق۔ بے چون اور بے نام
ونشان رہی اور اُس تک علم و ادراک اور خیال و فکر کی رسائی نہ ہوئی
امر اس حقیقت کے ظہور کا شوق ٹھہرا۔ تو مرتبہ احدیت سے مقام
محمد صلعم میں تنزل فرمایا اور سب سے پہلے اسے نورِ ذات کا پر تو بنایا۔
وحدت اور وحدیت کی نسبت اپنی طرف رکھی اور الآن کما کان رہا
اور باقی تین نسبتوں کو یعنی عالم ارواح۔ عالم مثال اور عالم اجسام
کو اپنی صفت امر کے تحت کیا۔ اور اس طرح اپنے شوق و ارادہ
کو مرتبہ نزولی دیکر اپنی مخلوق کے لئے اپنے تک پہنچنے کی دعوت دی +
اور دائرہ عروجی کی طرف بلایا۔ لیکن اتنی رعایت سے کہ عالم اجسام
کے لئے ایک انسان کامل تک کی رسائی کو اُن کی انتہا اور اُن کا عروج
گردانا۔ اور وحدت و وحدیت پر یقین رکھنے والوں پر بس صورتِ امر

سے احسان کیا - یقین نہ رکھنے والوں نے اس صورت کو اپنی ہم
شکل صورت سمجھا اور تمیز و تفاوت کو نظر انداز کر دیا - امر اور خلق
کی بحث پہلے اوراق میں ہو چکی ہے - کاش یہ اتنا ہی جان لیں کہ یہ
انسانِ کامل صورت امر ہے اور باقی تمام صورتِ خلق ہیں + امر تضاد
کا حامل اور قدسی - خلق پابند سنت اور فاتق + امر عالم ارواح سے
اور خلق عالم اشباح سے - امر عِلمِ اجمال اور خلق عالمِ اجسام اور اعیان
خارجہ امر کی صورت بھی امر اور اس سے وابستگان بھی صاحب امر
اس حد تک کہ فرمایا آپ نے "نہ لگے گی آگ اس مسلمان کو کہ دیکھا
مجھکو یا دیکھا ہے - اس کو کہ دیکھا ہے مجھ کو" عالمِ اجسام سے جس
کسی کی بھی نسبت اس صورتِ امر سے ہوئی اپنے میں اس امر کے
اثرات پائے اس اجمال کی تفصیل ظاہر کرنے کا شوق دامنگیر ہے
اور اس کی تمہید ظاہری چہرہ مہرہ سے کی جاتی ہے تاکہ "ہم جیسا"
کی رٹ لگانے والوں پر قدرتِ امر عیاں ہو - خدا کی پناہ کس سادگی
اور بیوقوفی سے عوام کو دھوکا دے رہے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ
آپ کی مماثلت اور عدم مباینت کا کوئی پہلو اگر ہے تو وہ صرف
اس گروہ انسان کے لئے ہے جو شریک زمرۂ لا یومنون ہیں
کیونکہ صفات کی تفریط انہیں سے ہی شروع ہوتی ہے + اور صورت
امر میں جملہ مخلوقات کا بقدر ربط نصیبہ ہر آن و ہر لحظ موجود ہے +
انسان کے ظاہری چہرہ مہرہ میں سے بالوں کی حیثیت بہت کم
رکھی گئی ہے - روزمرہ کی بول چال میں بھی کسی ادنیٰ شئے کی تشبیہ
دیتے وقت کہہ دیا جاتا ہے کہ اس کی قدر تو بال برابر بھی نہیں -
لیکن دائرہ امر میں یہی بال اپنی جداگانہ حیثیتوں کا مالک ہے - صورت
امر کا موئے مبارک اگر ایک جانب عام بالوں کی طرح قطع

دبُرید و افتاد کی قید میں ہے تو دوسری جانب یہی موئے مبارک کسی
کے کلاہ میں پیوستہ باطل کو نیست و نابود کر دینے کا مژدہ سنا رہا
ہے۔ کسی کو اپنی حفاظت کے عوض مقامِ ولایت سے سرفراز فرما رہا
ہے۔ کوئی بادشاہ اپنی ساری بادشاہی کے عوض اپنی نجات
کے لئے اسے کفن میں رکھنے کی وصیت کر رہا ہے۔ کبھی اس موئے
مبارک کے احترام کی خاطر ایمان والے اپنی جانوں پر کھیل جاتے ہیں۔
اور تو اور خود حقیقت امر اس صورت امر کے بالوں کی سوگند کھا رہی
ہے۔ اور ان کی شان اذ یغشی اور اذ سجا کی صفات میں ظاہر
فرما رہی ہے۔ افتاد سے لے کر لامکان تک اس کی سیر ہے اور
کائنات کی حقیقت اس ایک بال کے آگے بال برابر بھی نہیں تفریط
سے لے کر شان امر تک عالم اجسام میں سے ہر ایک اپنے اپنے مقام
و مرتبہ کے مطابق اس کو اپنے ادراک میں جگہ دے رہا ہے۔ لیکن
اس کی حقیقت اذ سجا اور اذ یغشی فرمانے والا ہی جانے۔ آپ
کی نورانی پیشانی بادی النظر والوں کے لئے ایک وضع کی پیشانی ہی
ہے۔ عرق آلود بھی ہوتی ہے اور سجدہ ریز بھی۔ یہاں تک کہ
بولہبی اور بوالجہلی طبائع اس پیشانی کی رویت کو اپنے عقائد میں
نحوست کا درجہ دیتے ہیں۔ اور بوجہ نفرین اس پر نگاہ ڈالنے
سے گریز کرتے ہیں۔ لیکن دوسری طرف یہی ماتھا شفاعت کا
سہرا لئے ہوئے مجرموں کے صغائر و کبائر پر خطِ نسخ کھینچ رہا ہے۔
یہی جبینِ مبین اُس نور کی حامل ہے جس کی جبرئیل علیہ السلام نے
ستر بار ہر ستر ہزار سال کے بعد تخلیق آدم علیہ السلام سے پہلے
زیارت کی اور حقیقت امر نے جسے والفجر کا نام دیا۔ اور جس کی شانِ
ادا تجلی فرمائی۔ صورت امر کی پیشانی میں تضاد حضرت عمر بن عاص رضی

کی روایت سے ملاحظہ فرمائیں جب اُن سے کسی نے پوچھا کہ کیا آپ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا رخ انور دیکھا تو نفی میں جواب دیا اور فرمایا کہ جب زمانہ جہالت کا تھا تو نفرت کی وجہ سے اُن کی طرف نگاہ نہیں کرتے تھے ۔ جب ایمان نے دل میں جگہ لی تو جاہ وشکوہ سے بھرپور پیشانی اقدس نے ہماری نگاہوں کی جرأت سلب کر لی اور ادھر نگاہوں نے بھی ادب کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے چہرۂ انور کا رخ نہ کیا ۔ صورت امر نے بہر حال تضاد ہوتا ۔

نرگسِ باغِ امر یعنی آپ کی چشم مبارک جو سوتی بھی ہے اور جاگتی بھی ہے ۔ جو صفائی اور سرمہ کی بھی محتاج ہے اور جس کی اعمی القلوب کے لئے پسِ دیوار تک بھی رسائی محال ہے ۔ جو اوروں کی طرح غم میں پُر نم بھی ہوتی ہے ۔ اپنی تفریط بشریہ سے نکل کر افراطِ صفتِ امر کی طرف کچھ اس نوح سے پہنچتی ہے کہ قیامت تک ہونے والے احوال مثل کفِ دست دیکھتی ہے + اور تضاد کے پیشِ نظر آگے ۔ پیچھے دائیں ۔ بائیں یکساں معائنہ فرماتی ہے ۔ اس چشم پاک نے غیب تو درکنار غیب الغیوب کو بھی دیکھا ۔ اور وہیں سے مازاغ وماطغٰی کی اسناد حاصل کیں جن سے جملہ مخلوقات کی آنکھیں بہرہ یاب نہ ہو سکیں ۔ اور اس چشم امر کو بھی زاغ وطغٰی کے چکر میں ہی دیکھا + صفاتِ زاغ وطغٰی اس آنکھ کی تفریط ٹھہری اور صفاتِ مازاغ و ماطغٰی اس کی افراط ۔ گروہ لایومنون تفریط پر اڑے رہے اور یقین کرنے والوں نے اپنے اپنے مقام کے مطابق اس چشمِ حق بین کو نام و مقام دیئے اور اپنے نصیبے حاصل کئے +

صاحب امر میں سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ ایک روز صورت امر صلی اللہ علیہ وسلّم کے ہمراہ ایک ایسی وادی سے گذر رہے تھے کہ پہاڑ کے دامن سے صوتِ سُنی حضور علیہ السّلام نے اپنی

انگلیاں اپنے دونوں کانوں میں لے کر فرمایا کہ جب یہ آواز بند ہو جائے تو ہمیں بتانا۔ آواز ختم ہونے پر ارشادِ امر کی تعمیل کی تو فرمایا کہ یہ شیطان کی آواز تھی۔

مندرجہ بالا حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ آپ کے گوش مبارک عامتہ الناس کی طرح سنتے بھی ہیں اور بند کر لینے سے نہیں بھی سنتے اُدھر شانِ امر کی صفتِ شنوائی اُس پتھر کی افتاد کو سن رہی ہے جو ستر ہزار سال کے بعد جہنم کے آخری درک میں گرا۔ اور ان کانوں کے سامنے قربُ و بعدُ کی تمیز اٹھ گئی۔ بیک وقت اپنے غلاموں کی بھی سن رہے ہیں اور جبرئیل علیہ السلام کی بھی۔ کوئی شخص ایسا نہیں جو مجھ پر درود پڑھے مگر اس کی آواز مجھے پہنچ جاتی ہے۔ (حدیث شریف راوی ابودرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ) مثلیت کے دعویداروں نے ہاتھوں جیسے ہاتھ دیکھے۔ اور انگلیوں جیسی انگلیاں پائیں + لیکن ید اللہ فوق ایدیھم اور مارمیت اذ رمیت کی تفسیر سے اور و انشق القمر کی تفہیم سے اندھے رہے ذرا ایک لمحہ کے لئے اپنی مماثلت کو فرعون و ابوجہل کے چہرہ اور ہاتھوں سے وابستہ کریں اور اپنے گریبانوں میں منہ ڈالیں کہ کسی حد تک حضور علیہ السلام کی مماثلت کے دعوے میں حق بجانب ہیں۔ قرآن کی بے مثلی کے تو قائل ہوں اور صاحبِ قرآن کی بے مثلی پر معترض حالانکہ سیاہی۔ الفاظ اور رائق جو قرآن کا ظاہری جامہ ہے ہر کتاب ان کی حامل ہے + قرآن نے اپنے کو نور اور ھدی کہا ہے اور صاحب قرآن کو بھی۔ نور اور ھدی کے الفاظ دئیے ہیں۔ لیکن افسوس کہ ایک بے مثل ٹھہرے اور دوسرے کو "ہیچ مثلی" "ہیچمدانی" کے ناموزوں خطاب دئیے جائیں

ببیں عقل و دانش ببا ید گریست

سمجھ لیجئے کہ عالمِ مخلوق اسباب سے وابستہ ہے اور تفہیم کے لئے تمثیل کا عادی ہے۔ عالمِ امر اسباب کا پابند نہیں اور تفہیم سے بے نیاز ہے۔ حقیقتِ امر نے جب عالمِ خلق میں عالمِ امر کو رکھا اور پھر عالمِ خلق کو اپنی دعوت دی تو یہ دعوت عالمِ خلق کے لئے ایک معمہ بن گئی تفہیم و تمثیل کے عالم کو بھلا یہ رسائی کیونکر نصیب ہو کہ ایک تفہیم سے بالا اور تمثیل سے اوپر والے امر کو پالے نتیجہ بے بسی نکلا۔ صفتِ رحمت موجزن ہوئی تو صورتِ امر کا ظہور فرمایا جس میں تمثیل و تعقّل کی جھلک رکھی تاکہ عالمِ خلق اپنے اِن دونوں وصفوں سے منازلِ معرفت میں گامزن ہو + نہ یہ مثل، اصل تھی اور نہ یہ عقل عقلِ خلق۔ اسی لئے اسے "مثلکم" ہی فرمایا بعض مخلوق کو اس مثال اور اس عقلِ کل نے استفادہ بخشا اور انہیں حقیقت میں ڈھانپ لیا۔ بعض اس سے سرے سے ہی غافل رہے اور مقصدِ تخلیق نہ پاسکے اور بعض اس رمزِ مثل کو جو دراصل انہی کے فائدہ کو تھی اپنی اصل پہ منتج کرنے لگے اور لفی ضلالٍ مبین کا طوق ڈال کر ننگ و عارِ دین بنے۔ عیاذ باللہ۔ انہوں نے یہ نہ سوچا کہ علّتِ مماثلت تو معرفتِ امر کے لئے تھی نہ اس لئے کہ اس کو زیرِ بحث مضمون بنایا جائے کلام پاک نے جہاں کہیں اس مماثلت بلبشریہ کا ذکر فرمایا فوراً ساتھ ہی یوحیٰ الیَّ کی ضدّ سے مبائنت فرمادی تاکہ پڑھنے والے مثلکم میں ہی نہ ٹھہرے رہیں بلکہ جان لیں کہ وحی الٰہی جو عالمِ امر سے ہے۔ بشریّت (جو عالمِ خلق سے ہے) اس کی متحمل نہیں ہوسکتی اور نہ ہی یہ بشریّت اسے ادراک کرسکتی ہے۔ صورتِ امر میں مماثلتِ خلق تو دعوتِ حق کے لئے تھی نہ خود صورتِ امر کے لئے + اور اس مماثلت والی جھلک

کی مثال خود قرآن کریم نے حضرت موسےٰ علیہ السّلام کے قصّہ میں بیان فرمائی ہے ۔ حبیب اللہ عزوجل نے طور کے ایک درخت پر حضرت موسےٰ علیہ السّلام کی تمنّا کے رنگ میں جھلک مار کر اسے اپنی طرف بلایا ۔ جب وہاں پہنچ گئے تو فرمایا انی انا للہ رب العالمین نہ وہاں کوئی آگ تھی نہ آگ کا نشان ۔ عالمِ خلق پابندِ اسباب اور متمنّیِ امثال تھا اس لیۓ اسی کے رنگ میں صورتِ امر نظر آئی اور اپنی صفتِ تضاد کے ماتحت اس عالمِ خلق کو کفر و ایمان کے دو گروہوں میں منقسم کر گئی ۔ جو جملہ تضاد کے سرچشمہ ٹھہرے ۔

؎ اجو نہ مانے آپ سفر گیا تیرا نور بار دو جا رہے ۔

آپ کے افعال ۔ اقوال ۔ احوال اور کمال جن کا ذکر اپنی اپنی جگہ پر انشاء اللہ ہوگا تو بے مثل ہی ہیں ۔ یہاں پر صرف آپ کے وجود پر وجود کو بے مثل ماننا ہے اور عقیدہ مثلیت کو باطل ثابت کرنا ہے ۔ قرآن کریم میں اکثر جگہ مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مختلف اقوام نے بھی اپنے اپنے نبی کو انتم بشرٌ مثلنا کہہ کر ہی وبالِ عذاب چکھا ۔ ظاہری چہرہ مہرہ کا پایا جانا مثلیّت کے ثبوت میں ناکافی اور ناتمام ہے ۔ ہم بھی موجود اور اللہ عزوجل بھی موجود تو نعوذ باللہ کیا یہ ہماری موجودگی اللہ عزوجل سے کسی قسم کی بھی مماثلت میں دلیل کے طور پر پیش کی جاسکتی ہے ۔ ہرگز ہرگز نہیں ۔ اسی طرح اللہ عزوجل مومن ۔ رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم مومن اور ایک مثلیت کا دعویدار بھی مومن تو کیا یہ تینوں مومن آپس میں مماثلت رکھنے لگے ۔ حضور علیہ السّلام مظہرِ احدیت ہیں ۔ اگر احدیت بے مثل تو مظہر بھی بے مثل جیسے آپ کی حقیقت بے مثل ویسے آپ کا جسم بے مثل ۔ جیسے آپ کی حقیقت برزخِ کبریٰ ویسے ہی آپ کا جسم اقدس بھی برزخ کبرا

صورت امر نہ خالق نہ مخلوق نہ واجب نہ ممکن ۔ نہ ہم جیسے نہ خدا جیسے اگر واجب مانیں تو عبدیت جاتی رہی جو ثابت ۔ اگر ممکن جانیں تو قدرت سے انکار جو محال ۔ نہ آپ ممکن الوجود نہ واجب الوجود ۔ آپ دونوں ضدوں کا اجتماع اور اللہ کی شانِ امر کی صورت ۔ انما انا بشر مثلکم آپ کی ادا اور قاب قوسین او ادنیٰ آپ کی انتہا ۔ اور ان دونوں مقامات کے درمیان ساری کائنات کی راہ ۔ یہی وجود اگر ابوجہل دیکھے تو جو بکواس کرے اللہ کی پناہ ۔ اور اسی چہرہ کو اگر جیسے صدیق رضؓ دیکھے تو فوراً زبان سے سبحان اللہ ۔ ماشاء اللہ کی تسبیحات نکلیں آپ کا شرف اتنا بلند کہ نسبتیں تھک کر سدرہ تک ہی رہ جائیں اور دوسری طرف آپ کا کرم اتنا واسع کہ کائنات کا ذرہ ذرہ فیض یاب ہے ۔ اگر یاس ڈگمگائے تو فوراً آس اس کا دامن پکڑے ۔ اگر آس اترائے تو یاس سے منہ کی کھائے ۔

اس اجتماع کا ایک اور منظر غزوہ احد کے دن دیکھیں عالم اسلام میں شاید ہی زیادہ تنگ وقت اس دن سے آیا ہو ۔ قوم نے آپکا سر مبارک زخمی کیا داہنی طرف کے نچلے دانت مبارک کا کچھ حصہ بھی شہید ہوا ۔ دو کڑیاں کھود کی رخسار مبارک میں بیٹھ گئیں ۔ آپ گھوڑے سمیت کافروں کے کھودے ہوئے گڑھے میں بھی گر گئے ۔ اس سراسیمگی میں طلحہ رضؓ ۔ ابوعبیدہ بن جراح رضؓ اور مالک ابن سنان رضؓ جیسے اولی الامر صحابہ نے آپ کی ظاہری معاونت بھی کی ۔ صفتِ امر کی تفریط اس سے زیادہ کیا ہو سکتی تھی ۔ اگر آپ کی کیفیت یہی رہی پھر تو مماثلت کے دعوے داروں کی بن آئی ۔ لیکن اسی واقعہ کی احادیث مبارکہ میں جن کی زیادہ تر روایات حضرت انس رضی اللہ تعالے عنہ سے ہے اس صورت امر کی شانِ افراط بھی لکھ کر ظاہر کر دی ۔ طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور

علیہ السلام کو گڑھے سے نکالتے ہیں تو ان کو ؎ وجبت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ (واجب ہوئی جنت طلحہ رضی اللہ عنہ پر) کی بشارت دی جاتی ہے۔ ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کھود کی کڑیاں رخسار مبارک سے اپنے دانتوں سے کھینچتے ہیں اور ان کو بھی یہی الفاظ کہ جنت تم پر واجب ہوگئی فرماتے جاتے ہیں۔ علمبردار اُحد مالک بن سنان رضی اللہ عنہ نے رخساروں سے خون پاک چوسا تو فرمایا "جس نے خون چوسا واجب ہوئی اس کے لئے جنت" اسی کیفیت میں آپ جبلِ احد کے ایک پتھر سے ٹیک لگائے کھڑے ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام حاضر خدمت ہوتے ہیں اور اللہ عزوجل کا سلام دینے کے بعد عرض کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ سامنے والے درخت کو اشارہ کریں کہ وہ اپنی جگہ سے اکھڑ کر آپ کے پاس آئے اور سلام کر کے واپس اپنی جگہ چلا جائے چنانچہ اسی طرح ہوا۔ ایک طرف اکمل الممکنات کی حیثیت سے آپ کی ظاہری بے بسی اور بے چارگی نظر آرہی ہے تو دوسری طرف مظہر واجب کی حیثیت سے آپ کی قدرت اور خود مختاری ملاحظہ ہو۔ صورت امر برہان خلق ہے جو حقیقت امر کا احسان ہے۔ اور دلیل ہے سالکوں پر کہ امر ہر حال میں حصولِ یقین اور رفع غم اور حزن کے لئے مؤثر ہے۔ اور دلیل ہے اس پر کہ جس کو تقرب اور بزرگی درگاہ امر میں ہو اگرچہ کچھ غم اور حزن خلق سے پہنچے تو صبر کرنا چاہئے اور اجر بقدر مشقت اور رنج کے ہوتا ہے۔ اصل میں نہ عقل عوام کی آپ تک رسائی ہے اور نہ عقل شرعی کی۔

؎ حیرت نے جھنجھلا کر کہا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں۔

آپ کے جسم اقدس کا ہر ہر اندام اپنے میں تفریط و افراط اور تضاد کا حامل ہے۔ آپ کا ہر عضو نور کا ٹکڑا ہے اور آپ کا مجسمہ عین نور ہے۔ آپ کی طرف گمان مماثلت کرنا ایمان سے ہاتھ دھونا

آپ تو آپ آپ کی نعلین مبارک کی معراج عرش اعظم ہے + آپ کے مسئلہ معراج میں اختلاف کفار مکہ سے لے کر اب تک چلا آرہا ہے کوئی آپ کے جسد پاک کو جسم کثیف کہہ کر اس کا صعود الی السما محال جان رہا ہے۔ کوئی اس معراج کو خواب کا نام دے کر پیش کر رہا ہے۔ کوئی اس معراج کا سرے سے ہی انکاری ہے۔ ادھر دوسری طرف اہل ایمان اس عروج کو مع الجسد ثابت کر رہے ہیں اور اپنے ثبوت میں کلام اللہ اور احادیث رسول اللہ سے عقلی اور نقلی دلائل پیش کرتے ہیں۔ دونو طرف ایک گرما گرم معرکہ آراستہ ہے طرفین سے بحثیں ہو رہی ہیں لیکن آج تک نہ تو سارے جسمانی معراج کے معتقد ہوئے اور نہ سارے منکر۔ سیاح لامکان نے سب سے پہلے اسرا کی حدیث ابوجہل کو سنائی جو اتفاقاً صبح ہوتے ہی حرم پاک میں موجود تھا۔ خبر تمام کی تمام عالم امر کی تھی اس لئے فوراً ضد اختیار کر گئی۔ چنانچہ ابوجہل نے اس کی خبر کو فوراً اپنی ضد صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دی تاکہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے لیکن صدیق اکبرؓ کا اس خبر کو بغیر پس وپیش کے مصدقہ جاننا مقصدِ ابوجہل کو ناکام بنا گیا۔ ناچار اس نے اپنے ہمنواؤں سے یہ خبر کہی اور اس دن سے صورت امر کا یہ خارقِ اسباب فعل متنازعہ فیہ ہوا + یہاں واقعہ معراج کا تفصیلی ذکر مقصود نہیں۔ اور نہ ہی کسی شے کا ثبوت درکار ہے۔ اس واقعہ کی ابتدا سے لے کر انتہا تک بھلا عقل کی کیسے رسائی ہو۔ جب کہ اس کی ابتدا اور انتہا ایک ہو جائے۔

زنجیر بھی ہلتی رہی بستر بھی رہا گرم
اک دم میں سرِ عرش گئے آئے محمدؐ

عالمِ خلق۔ عالمِ اشباح۔ عالمِ اسباب اِسے محال جانیں تو جانیں

لیکن عالمِ امر میں ایسے ہزاروں اجتماع ممکن ہیں۔

حقیقت امر اگر بیک وقت اوّل بھی ہے اور آخر بھی تو صورت امر سیر اقصیٰ (پردے سے پردے) میں سترہ سال گزار آئے اور پھر پلک جھپکنے سے پہلے ہی اس این وآں کی وادیوں کو عبور کرکے واپس بھی آجائے تو عقل نارسا کیوں خون تھوکنے لگے۔

حدیثِ معراج کے تحت راقم الحروف امر کی قدرت کا ایک واقع درج کرتا ہے۔ ذرا صورت امر کی بینائی کی وسعت ملاحظہ ہو جب آپ نے فرمایا کہ حاملانِ عرش دیکھے جن میں سے ایک فرشتہ کا ذکر فرمایا کہ اس کے ایک بال میں سات سمندر موجزن تھے۔ جن میں مچھلیاں تھیں اور ایک مچھلی کی مسافت دُم سے لے کر اس کے منہ تک حدِ نظر تک تھی + عقل زمان۔ مکان اور وقت سب امر کے تحت ہوتے ہیں اس لئے کہ ان سب کی تخلیق امر سے ہی ہوئی جزو کل کو کیسے گھیرے اور خلق امر کو کیسے پائے + یہ عبدیت بھی صورت امر ہے اور امر متحملِ قدرت بنا بریں بندہ کا حضرت قادر کو ملنا محال نہ ٹھہرا۔

سے اسی کے جلوے اسی سے ملنے اسی سے اس کی طرف گئے تھے

آپ کا جسد اطہر۔ آپ کی حدیث مبارک آپ کے افعال تمام تر عالمِ خلق کے واسطے حجاباتِ نور ہیں اگر ظہور ہوں تو سب سوخت ہو جائیں۔ یہ ظاہری کثافتیں جو آپ میں نمایاں ہیں دراصل اسی لطافت عظمٰی کا جلوہ رو نما کر رہی ہیں جس کا دوسرا نام امر ہے +

صورت امر کی روح یا نور سب سے پہلے اور صورت امر کا بدن مبارک سب سے۔ آخر۔ (نحن اخرون سابقون) صورت امر کے متعلق میثاق ازلی اور اس کا عملد آمد ابدی۔ صورت امر جوامع الکلم۔ یتیم۔ کافۃ الخلائق۔ خاتم النبین۔ رحمۃ العالمین صورت امر

سے سب اور صورت امر کا سب ۔ سب طالب رضائے مولا اور اُدھر طلب رضائے مقدس ۔ ولسوف یعطیك ربك فترضیٰ ۔

سب حقیقتِ امر کی قسم کھائیں لیکن حقیقت امر صورت امر کی قسم کھائے ۔ اللہ عزوجل سب کو بنام علامت اور آپ کو بنام کرامت یاد فرمائے ۔ اور وغلظ علیھم کا پیغام دے کر آپ کی رافت کی تلافی فرمائے ۔ کیونکہ صورت امر میں غلظت اور رافت دونوں ضدیں بیک وقت ہیں ۔ صورت امر پر اعتراض کا جواب حقیقتِ امر خود دے اور باقی پیغمبروں کا ان کی زبانی ۔ خطاب وکلام میں جملہ مخلوق سے تقصیر زلات پہلے اور معافی بعد میں ۔ لیکن صورت امر میں معافی و مغفرت پہلے اور ذکر تقصیر بعد میں ۔

۱ ۔ عفی اللہ عنك لم اذنت لھم ۔

۲ ۔ یغفر لك اللہ ما تقدم ما تاخر ۔

وجودِ مخلوق آب وگل سے اور صورت امر جان و دل سے پیدا فرمائے ۔ سب سایہ رکھیں لیکن صورت امر سب سے بلند اسی لئے آپ بغیر سایہ کے ۔ شبِ تاریک میں نور آپکا ایسا روشن جیسا چراغ ۔ خواب و بیداری میں ادراک آپ کا یکساں ۔ تخمیر طینتِ آدم علیہ السلام چالیس ہزار برس تک رہی اور نور آپکا تین سو پچاس ہزار برس قبل خلقتِ آدم نور احدیت اپنے سے پیدا کیا ۔ آدم علیہ السلام کے لئے آب جنت استعمال کیا اور صورت امر کے لئے آب رحمتِ ۔ آدم علیہ السلام کے لئے نفخت فیہ من روحی اور صورت امر کے لئے وکذالك اوحینا الیك روحا من امرنا ۔ آدم علیہ السلام کو اسما تعلیم فرمائے اور ادھر صورت امر کو علم القرآن خلق الانسان سے پہلے ہی عطا

فرمایا - آدم علیہ السلام مسجود ملائکہ تو صورت امر مقتدائے فرشتگان وپیغمبران اور جملہ عالمیان - اُدھر آدم علیہ السّلام کو رنبہ اوّل ایک سجدہ تھا لیکن اِدھر صورت امر قیامت تک کے لئے مقام محمد اور قیامت کے بعد مقام محمود پر فائز ہوئے + آدم علیہ السلام کو آسمان سے گزار کر بہشت میں سے گئے - حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کو بہشت دکھاکر مقام قدس مکاں قاب قوسین او ادنیٰ تک سیر کرائی - آدم کو شیطان نے ڈگمگایا حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کا شیطان مسلمان ہوگیا -

آدم مبتلائے بذلت ہوئے یہاں تک کہ خلق کو پتہ لگ گیا اور عتاب پہلے - اِدھر لیغفر لک اللہ ما تقدم و ما تاخر سے سند مغفرت بھی مل گئی اور خلق بے خبر رکھی - آدم علیہ السّلام کا قالب غالب آیا اور انہیں اوپر سے نیچے زمین پر لے آیا - صورت امر ولایت خاک سے عالم پاک کی طرف روانہ ہوئے + وعلیٰ ہذا القیاس جمیع انبیا علیہ السّلام کو جو جو دیا گیا اس سے کہیں بلند و بالا صورت امر نے پایا -

کلامِ پاک کی تفاسیر سے جو جو تفاوات حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی ذاتِ مبارکہ میں سلے راقم الحروف اُن کو اختصار کے طور پر بیان کر دیتا ہے تاکہ پتہ چل جائے کہ فہم و ادراک صورت امر کے پانے میں قاصر ہیں -

۱: - ادریس علیہ السلام : - آپ فرطِ درس کی وجہ سے آسمانوں پر اٹھائے گئے ہر جگہ کی سیر کی - جب بہشت میں داخل ہوئے تو اسے پسند فرمایا اور واپس آنا نہ چاہا اِدھر صورت امر جب سیرِ سماوات وغیرہا کو نکلے سب کا معائنہ فرمایا اور حقیقت امر کے سوائے کسی کو پسند نہ فرمایا - یہاں تک کہ ما زاغ وما طغیٰ کی ڈگری لی + ادریس علیہ السّلام کو سیر کواکب کرائی اور اُدھر صورت امر کا قدم فرقِ کوکب پر رکھا + ادریس علیہ السّلام کو علم خیاطت کا دیا اور حضور کو علم معرفت اور نور محبت - اِدھر علم کتابت

ومعرفت لوح وقلم دی اُدھر لوح وقلم سے گزار کر کتابت سے مخاطب کو پہنچایا۔

۲:۔ نوح علیہ السّلام :۔ کشتی بخشی کہ سیر کریں ادھر براق بخشا کہ ہوا میں آڑائیں۔ کشتی کے سفر میں بلا وطوفان سے نجات بخشی اُدھر لطف الٰہی اور فضل لاانتہا ہی سفر معراج میں دامنگیر ہوا + ایک طرف تو قوم کے لئے عذاب چاہا۔ دوسری طرف کافروں کی ہدایت چاہی۔

۳:۔ ابراہیم علیہ السلام :۔ آپ کا مقام مقام سخاوت اور صورت امر کا مقام مقام جود۔ آپ اگر خلیل ہیں تو صورت امر حبیب۔ آپ امام عوام انام۔ انی جاعلک للناس اماماً اور اُدھر معراج میں آپ امام انبیاً۔ ابراہیم علیہ السّلام کو اگر قوت یقین دی تو صورت امر کو " لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیہ ملک مقرب ولا نبی مرسل " ۔ یعنی وقت بالیقین + ایک طرف تو جبرئیل علیہ السّلام پوچھے۔ ہل لک حاجۃ " ۔ دوسری طرف انداز عجز میں کہے کہ اگر آگے جاؤں پر جل جائیں + اِدھر آتش نمرود کو برد وسالم کیا تو دوسری طرف صورت امر سے وابستگان پہ آتشِ دوزخ بردِ سالم کی اور صراط پران کے لئے آتش افسردہ اور رستہ بستہ کر دی۔ ایک کی نظر آفتاب ماہتاب سیاروں پر رکھی۔ ادھر صورت امر کا قدم سب سے اوپر لے جاکر وھو بالافق اعلیٰ فرمایا۔ ایک طرف تو نُری ابراہیم ملکوت السمٰوٰتِ والارض سے وسعت نظر دی تو دوسری طرف دنیٰ فتدلیٰ سے وسعت قرب دکھائی + ایک درماندہ ہو کر حسبی اللہ کہتے تو دوسرے کو ارشاد حسبک اللہ ہو + ایک طرف تو انّی ذاھب الیٰ ربی سیھدین کہلائے۔ تو دوسری طرف سبحان الذی اسرا بعبدہٖ وہ خود فرمائے ایک

طرف فرمان ہو رہا ہے کہ بندوں اپنوں کو کہہ کہ ثنا میری کریں ۔ اور صورت امر کے بارہ میں ارشاد ہے کہ تو نہ تھا کہ تیری ثنا کی گئی ۔ ورفعنا لك ذكرك ۔ ایک نے عالمِ ملکوت کی سیر کی اور بلاکت عاصیاں چاہی ۔ دوسرے لقائے کبریا سے مشرف ہوئے تو عاصیوں کی مغفرت چاہی ۔ ایک کو حکم ہوتا ہے واذن فی الناس بالحج دوسری طرف محبوب کے لئے خود پکاریں اٹھتی ہیں ۔

ربنا اننا سمعنا منادیاً ینادی للایمان ... الخ ایک کہے فمن تبعنی فانہ منی ۔ دوسرا فرمائے شفاعتی من اہل کبائر من امتی + ایک کو ا ولم تؤمن اسے عتاب آمیز خطاب دوسرے کے لئے امن الرسول بما انزل الله من ربہ والمومنون ... الخ + واسطے پسر خلیل کے ایک گوسفند فدیہ بھیجا اور واسطے پدر حبیب صلعم کے سو گوسفند فدیہ دئے ۔ ادھر ابراہیم علیہ السلام کہیں کہ مجھے سب عالم سے حق سبحانہٗ بس ۔ اور ادھر حق سبحانہٗ فرمائے مجھے کونین سے میرا حبیب صلعم بس ۔ لولاك لما خلقت الجن والانس ۔

۴ : ۔ حضرت یوسف علیہ السلام ۔ آپ کو تاویل حدیث اور تعبیر خواب کا علم عطا فرمایا ۔ تو صورت امر کی امت کو تحصیل مواریث اور تفسیر کتاب دی ایک طرف حسن دیا اور زنان مصر نے اپنی انگلیاں کاٹیں ۔ ادھر جمال دیا ۔ کہ زنار توڑے ۔

؎ سر کٹاتے ہیں ترے نام پر مردان عرب

ایک طرف وجعلنی خزائن الارض تو دوسری طرف مفتاح کنوزِ رحمت اور خزائن رموزِ مغفرت + ایک نے والد کو تخت پر بٹھایا ۔ دوسرے سر عرش تخت نشیں ہوئے +

۵:۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام :۔ کوہ طور پر کلیم اللہ بنے ۔ ادھر حرم ناز میں فاوحی الی عبدہٖ ما اوحی سے نوازے گئے ۔ ایک تو ید بیضا لئے واپس آئے ۔ دوسرے ملت بیضا اور دین بیضا سے نوازے گئے + اعجاز عصا سے اگر ساحران نابود ہوئے تو ادھر شفاعت سے گنہگار مٹ گئے ۔ ایک کو پیغمبری بنی اسرائیل کی ملی تو آپ کے لئے جبرائیل علیہ السّلام جیسے خدمت گزار اور اسرافیل علیہ السّلام جیسے حاشیہ بردار ۔ ایک خود گئے ۔ فلما جاء موسیٰ ۔ دوسرے بلوائے گئے۔ ایک کا کلام کوہ طور پر دوسرے کا کلام کرسیِ نور پر + اُدھر چالیس ۴۰ دن تک آب و نان نہ دیا پھر کلام کیا ۔ اَدھر ہر رات ابیت عند ربی ھو یطعمنی ویسقنی کا پروگرام ہے ۔ اُدھر جگایا ۔ اُدھر سلایا اور رات کے ایک حصّہ میں سراغ ایں و متیٰ مٹا دیا + جو آپ جائیں ممکن ہے کہ بار پائیں یا نہ پائیں اور جو بلائے جائیں ممکن نہیں کہ دخل نہ پائیں ۔ ایک طرف تو جوشِ لن ترانی اور دوسری طرف تقاضے وصال کے ۔ (الم تر الی ربک) ایک دریا پار کرے تو دامن تر نہ ہو اور دوسری طرف کمال یہ کہ صراط سے گذرے اور دامن خشک نہ ہو ۔ ضرب عصا سے چشمے پھوٹے اور اَدھر انگلیوں سے نہریں جاری ہوئیں ۔

۶:۔ حضرت سلیمان علیہ السّلام :۔ آپ کے لئے ہوا مسخر کی تو صورت امر کے لئے ملائکہ مسخر کئے ۔ و یمدد کم ربکم بخمسۃ الاف من الملائکۃ ۔ ایک کا تخت دن رات میں ایک ماہ کی مسافت طے کرے اور ادھر براق بیک وقت پلک جھپکنے سے پہلے مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک پہنچے ۔ ایک طرف مرغ سایہ کرتے تھے اور باتیں کرتے تھے تو دوسری طرف الم تر الی ربک کیف مد الظل کا سایہ ہے ۔ اور سب باتیں کرتے ہیں ۔

ایک کو ساری دنیا کی مملکت بعاریت۔ ادھر ساری عقبیٰ اپنی اور ہمیشہ کے لئے + ادھر اگر انگشتری مملکت تھی تو اُدھر خاتم نبوت۔

۷:۔ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام :۔ آپ کا مقام آسمانِ چہارم پر اور امت اپنی کو محروم کر دیا۔ اُدھر صورت امر عرش پر دولتِ وصال رکھتے ہوئے امت کو یاد فرما رہے ہیں۔ ایک بن باپ کے ادھر صورت امر بے واسطہ نور احدیت سے۔ ایک مردہ زندہ کرے۔ دوسرا اپنے مردہ دلوں کو زندگی بخشے۔ افامن کان میتاً فاحییناہٗ ایک کا مائدہ آسمان سے اترے۔ اور رکھنے سے گلنے سڑنے کا اندیشہ ہو۔ صورت امر کا مائدہ پُر فائدہ قرآن۔ لا رطبٌ ولا یابس الا فی کتب المبین + پہلا مائدہ سبب غذائے قوم ہوا۔ دوسرا مائدہ وھو شفاءٌ ورحمتہ للمومنین بنا۔

مندرجہ بالا سطور کا مطالعہ آپ پر واضح کر گیا کہ جنہوں نے صورت امر کو یہاں تک رکھا کہ "آنچہ ہمہ خوباں دارند تو تنہا داری" وُہ اپنی بے بسی کے تحت ایک مقام پر رُکے ہوئے ہیں + عالم خلق کی خوبیاں عالم امر کی خوبیوں سے کیسے متشابہت رکھ سکتی ہیں۔ گو وہ انبیاء ہوں یا مرسلین۔ مقربین ہوں یا واصلین سب صورت امر کے طفیلی ہیں اور سب آپ کا دروازہ دکھانے والے ہیں۔ راہِ حقیقت امر صرف آپ ہی ہیں۔ حضرت جبرئیل علیہ السّلام کی ہمنوائی میں یہی کہنا پڑے گا۔

ے بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

اجسادِ عالمِ خلق مقید اور صورت امر کے جسد شریف کی تجلی سے نہ زمانہ خالی نہ مکان۔ نہ محل خالی ہے نہ امکان۔ نہ عرش خالی ہے نہ لوح۔ نہ کرسی خالی ہے نہ قلم نہ بحر خالی ہے نہ بر نہ نم زمین خالی

ہے نہ سخت - نہ برزخ خالی ہے نہ قبر- صورت امر اپنے مقام اعلیٰ وارفع میں تشریف فرمائیں - اور ہر مندرجہ بالا مقامات پر حاضر ناظر ہے - صورت امر کی نور ریزی سے ہی آفتاب و ماہتاب بلکہ تمام عالم روشن و منور ہے -

صورت امر باعث تکوین کائنات اور غائت جملہ موجودات ہے- یہ ایک لطیف نکتہ ہے کہ ہر کام کا آغاز تلقین "بسم اللہ" سے ہے - نہ کہ "باللہ" سے - اسم اور ذات جس کا کہ وہ اسم ہو دو علیحدہ چیزیں ہیں - ایک شخصیت اور ہستی ہے اور دوسرا اس کا نام (اسم) جو کہ اس ذات - ہستی یا شخصیت کی نشاندہی کراتا ہے - شے اپنی جگہ قائم ہے لیکن اس کا نام (اسم) زمان و مکان کی قید سے آزاد ہوتا ہے - کائنات کی تمام اشیا میری ان سطور کی تصدیق کرتی ہیں - لفظ زید اولیں زید کی تشکل اور جس قدر معلومات آپ کی زید کے متعلق ہیں فوراً سامنے آجائیں گی - ضروری نہیں کہ زید کی ذات بھی اس کے اسم کے ساتھ حاضر یا سامنے ہو - لیکن ایسی ذات جس کا دعویٰ "لیس کمثلہ شئ" ہو - پہلے تو اس کا کسی طرف سے بھی احاطہ کرنا دشوار ہوا کیونکہ مثل مثل کو پہچانتی ہے - اور جب اس کی مثل کچھ نہیں تو رسائی کے تمام آلات کٹ گئے -

دیگر ایسی ذات اور ہستی کے نام کی تلاش بھی عالم خلق کے لئے ایک معمہ بن گئی وجہ اس کی یہ بنی کہ ذات تو موجود تھی اور موجود ہے لیکن اس کا نشان کہیں نظر نہیں آتا تھا - عالم اجساد مقید- مثال کا عادی بھلا پکارے تو کس کو اور ابتدا کرے تو کس سے + لفظ اللہ پہلے سے ہی معانی سے پاک تھا لیکن ساتھ ہی اپنی معرفت کا بھی چاہنے والا تھا - اُدھر مخلوق بغیر کسی نشان کے اور بغیر کسی نام کے اس کو پانے

سے یا اس تک یا اُس میں جاننے سے رہی۔ حقیقت آمر نے اپنے نام کو (ذات کو نہیں) صورت سے بخشی اور اس صورتِ امر کو اسم اللہ فرما کر ہر شے کی ابتدا اس سے کرائی۔ مثل کے عادی کو مثال مل گئی اور مثال نے حقیقت بھری بے مثلی کی طرف توجہ دلائی۔ مثل کی بنا پر قصرِ بے مثلی نظر آیا۔ محمّد (صلّی اللہ علیہ وسلّم) اسم اللہ ہوئے۔ بنا بریں من رانی فقد راہ الحق کا نعرہ بلند ہوا۔ اسم اللہ اور اللہ کے درمیان فصل اور ان کا آپس میں وصل وقتِ ذبح 'بسم اللہ' اور 'اللہ اکبر' کے کلمات نے اس طرح وا کیا۔ کہ آیہ کریمہ 'ذکر اسم اللہ علیہ' کے تحت بسم اللہ پڑھ لیا۔ چونکہ اسم اللہ کہا اللہ نہیں کہا اور اسم اللہ اللہ نہیں۔ احل بہ لغیر اللہ کا تقاضہ قائم رہا۔ اسم اللہ اللہ نہ ہونے کے معنوں میں غیر اللہ ہے۔ اس حرمت کو دور کرنے کے لئے کلمہ 'اللہ اکبر' کہنا پڑا۔ جس سے احل بہ بغیر اللہ کا مقصد بھی بر آیا۔ اپنے امر کی صورت یا اپنی ذات کے اسم کو سب کا مبدا ٹھہرایا اور یہی صورت آمر کی اور یہی اسم اللہ کا جملہ موجودات کا مرجع ہوا۔ خود ما کان وما یکون سے ودا الودا رہا۔

اب شبہ 'الرحمٰن' اور 'الرحیم' کے الفاظ میں پڑا۔ 'اللہ' رحمٰن اور رحیم تو تھا ہی اسم اللہ رحمٰن ورحیم (بسم اللہ الرحمٰن الرحیم) کیسے بنا۔ رحمٰن صفتِ عام ہے اور رحیم صفتِ خاص + کلام الٰہی نے اس کی یوں وضاحت کی کہ صورتِ امر کی شان میں۔

۱:۔ وما ارسلناک الا رحمۃ اللعالمین اور

۲:۔ بالمومنین رؤف رحیم فرمایا کر اسم اللہ کو بھی ان دو صفات سے نواز لیا۔ جس سے شبہ کا ازالہ ہو گیا۔

ختم شریف خواجگان

سلسلۂ عالیہ سہروردیہ رحمہم اللہ

۱:۔ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ (۷۸۶ مرتبہ)

۲:۔ درود شریف خضری :۔ صلّی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ حبیبہٖ محمّدٍ وّاٰلہٖ واصحابہٖ وسلّم (۵۱۱ مرتبہ)

۳:۔ سورۂ فاتحہ :۔ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ۝ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۝ مٰلِكِ يَوۡمِ الدِّيۡنِ ۝ اِيَّاكَ نَعۡبُدُ وَاِيَّاكَ نَسۡتَعِيۡنُ ۝ اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ ۝ غَيۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ وَلَا الضَّآلِّيۡنَ ۝ اٰمین (۱۱۱ مرتبہ)

۴:۔ سورۂ الم نشرح :۔ الم نشرح لک صدرک ووضعنا عنک وزرک الذی انقض ظہرک ورفعنا لک ذکرک ۝ فان مع العسر یسراً ان مع العسر یسراً ۝ فاذا فرغت فانصب ۝ والیٰ ربّک فارغب ۝ (۱۱۱ مرتبہ)

۵:۔ سورۂ اخلاص :۔ قل ھو اللّٰہ احد ۝ اللّٰہ الصمد ۝ لم یلد ولم یولد ۝ ولم یکن لہٗ کفوًا احد ۝ (۱۱۱ مرتبہ)

۶:۔ درود شریف ہزارہ :۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ وَّاَصْحَابِ سَیِّدِنَا

وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ کُلِّ ذَرَّۃٍ مِائَۃَ اَلْفَ اَلْفِ مَرَّۃٍ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ (۱۱۱ مرتبہ)

۷: یا قاضی الحاجات (۱۱۱ مرتبہ)۔ ۸: یا کافی المہمات (۱۱۱ مرتبہ)

۹: یا شافع الامراض (۱۱۱ مرتبہ)۔ ۱۰: یا حل المشکلات (۱۱۱ مرتبہ)

۱۱: یا سامع المناجات (۱۱۱ مرتبہ)۔ ۱۲: یا مجیب الدعوات (۱۱۱ مرتبہ)

۱۳: یا مسبب الاسباب (۱۱۱ مرتبہ)۔ ۱۴: یا مفتح الابواب (۱۱۱ مرتبہ)

۱۵: یا ارحم الراحمین (۱۱۱ مرتبہ)۔ ۱۶: واللہ غالبٌ علی امرہٖ (۱۱۱ مرتبہ)

۱۷: یا حیّ یا قیوم برحمتك استغیث (۱۱۱ مرتبہ)

۱۸: لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ (۳۱۳ مرتبہ)۔

۱۹: حال ما خستہ دلاں للّٰہ نگر

المدد شیخ شہاب الدّین عمرؓ

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ؕ
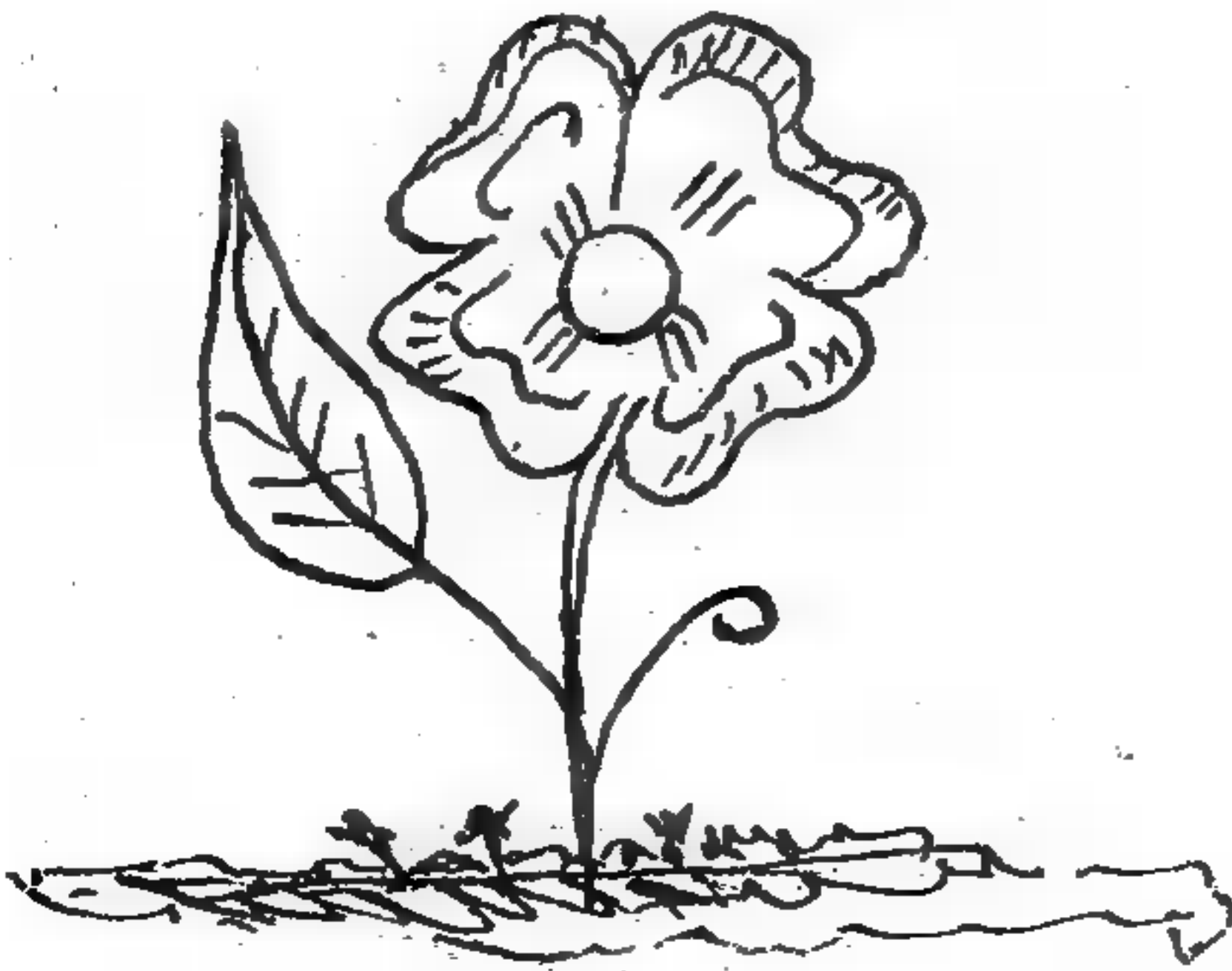
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

در مدح شیخ رحمۃ اللہ علیہ

اللہ کی رحمت کا عنوان قلندر ہے
فردوس میں جانے کا سامان قلندر ہے
اللہ تعالےٰ کا قرآن محمدؐ ہے
سرکارِ دو عالمؐ کا قرآن قلندر ہے
گو اربعہ عناصر سے یہ جسم مرکب ہے
پر حق تو یہ ہے اس کی بس جان قلندر ہے
یہ فیضِ محمدؐ ہے بوالفیض کے سینے میں
محبوبِ الٰہی کا احسان قلندر ہے
انسان کو انسانی اسرار جو سمجھاوے
انسانوں میں اک ایسا انسان قلندر ہے
ہاتھوں میں نہ کیوں اپنے مضبوطی سے میں تھاموں
اُس رحمتِ عالمؐ کا دامان قلندر ہے

دیتا ہوں پتہ تم کو میں شانِ رسالت کا
شانوں میں محمدؐ کی اک شان قلندر ہے
یہ عشق کے مذہب میں جائز ہے اگر کہہ دوں
دین اپنا قلندر ہے ایمان قلندر ہے
بشرے سے ہی ظاہر ہے محتاج بیاں کیوں ہو
اللہ کے جلووں کی پہچان قلندر ہے
جس در پہ شہنشاہ بھی جھکتے ہیں ریاضؔ آکر
سلطانوں میں اک ایسا سلطان قلندر ہے
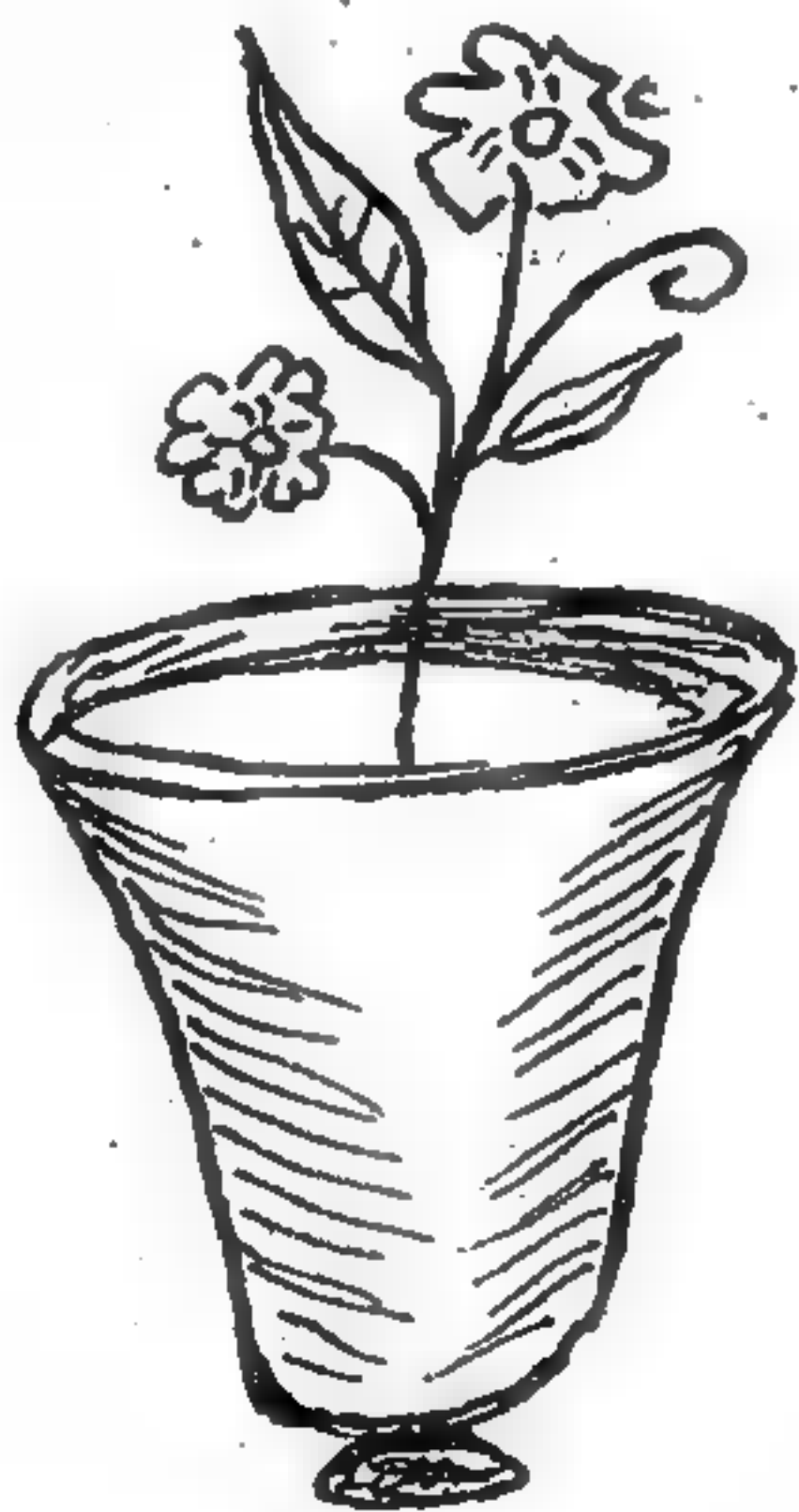
شانِ قلندر رحمۃ اللہ علیہ

مرتبہ

محمدؐ یوسف سہروردی

اسم با مسمٰی

اجتماعِ ضدین کے تحت جو کچھ ابھی تک تحریر کیا جا چکا ہے۔ وُہ سب کا سب اُس تمنّا کی تمہید ہے۔ جو شانِ قلندر رحمۃ اللہ علیہ میں دکھائی جانے والی ہے۔ تمہید کے نکات کی روشنی میں تمنّا والے واقعات کا مطالعہ انشاء اللہ رُوح افزا ہوگا۔ اس اعتراف دلیقین سے کہ راقم الحروف کی ممدّ نظرِ صاحب امر ہے۔ جرأت ہُوئی کہ اپنے ہادی و رہنما حضرت قبلہ قلندر علی سہروردی رحمۃ اللہ علیہ جن کی ذاتِ گرامی ہی اسم بامسمٰے ہے۔ کے حالاتِ زندگی بھی اس کتابچہ میں تحریر کر ڈالوں۔ یہ اس لیے کہ صاحبِ موصوف اس امر والی لٹ کے ایک حلقہ ہیں ۔ اولی الامر منکم کی روشن دلیل۔ راسخون فی العلم کے سرتاج اور اہل الذکر کے پیشوا۔ انا بشر مثلکم کا جامہ اوڑھے یہ صاحب امر عالمِ خلق میں آیا اور بہ اتباعِ سُنّتِ نبویؐ بشارت کے ساتھ یہ آفتابِ عالمتاب موضع کوٹلی لوہاراں ضلع سیالکوٹ سرزمینِ پنجاب سے طلوع ہُوا۔ آپ کے دادا جان ایک دن گاؤں کے باہر مویشیوں کے لیے چارہ کاٹ رہے ہیں۔ کہ ایک صاحبِ نظر اجنبی انہیں سلام کے بعد بشارت دیتا ہے۔ کہ اے شاہزادے آج شام آپ کے گھر ایک بچّہ پیدا ہوگا۔ آپ کا پوتا جو زمانہ کا قلندر ہوگا۔ آپ اس کا نام بھی قلندر علی رکھیں۔ یہ ٹھہری وجہ تسمیہ وسلامٌ علیہ یومٌ ولدَ۔

لفظ قلندر اپنے میں صفاتِ امر چھپائے ہُوئے ہے۔ دیگر اصطلاحات میں یہی لفظ کبھی فرد کبھی غوث الاعظم کبھی قُطب الاقطاب وغیرہ کے اسمائے حسنیٰ سے تحریروں اور تقریروں میں آتا ہے۔ نام کچھ بھی دیا جائے۔ فی الواقع جو ہستی اس نام سے ملقب ہے۔ وُہ اولی الامر حضرات میں یگانہ ہوتی ہے۔ صورت امر صلعم

کی خلّت پر ہوتی ہے۔ اور اپنے زمانہ میں کوئی شریک نہیں رکھتی۔ اس گروہ کے باقی حضرات دیگر انبیا علیہم السلام کی جبلّتوں پر ہوتے ہیں۔ ادّلتے بدّلتے رہتے ہیں اور رضائے حقیقت امر کے تحت اس یگانہ ہستی کے زیر سرپرستی کائنات میں کارفرمائی کرتے ہیں۔ امر کی وابستگی اس ہستی کو خلق سے ایک گونہ علیحدہ رکھتی ہے اور مخلوق اس کے احوال افعال اور اقوال کے سمجھنے میں بارہا ہار کھاتی ہے۔

مندرجہ بالا تحریر کی سند حضرت محبوب سبحانی سیّد عبدالقادر جیلانی غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ کے قصیدہ شریف کا یہ شعر ہے۔

وکل ولیّ لہ قدمٌ وانّی
على قدم النبیّ بدر الکمالی

یعنی ہر صاحبِ امر کا اپنا درجہ اور قدم جداگانہ ہے۔ اور میں صورتِ امر کے مرتبہ کے ظلّ میں ہوں۔
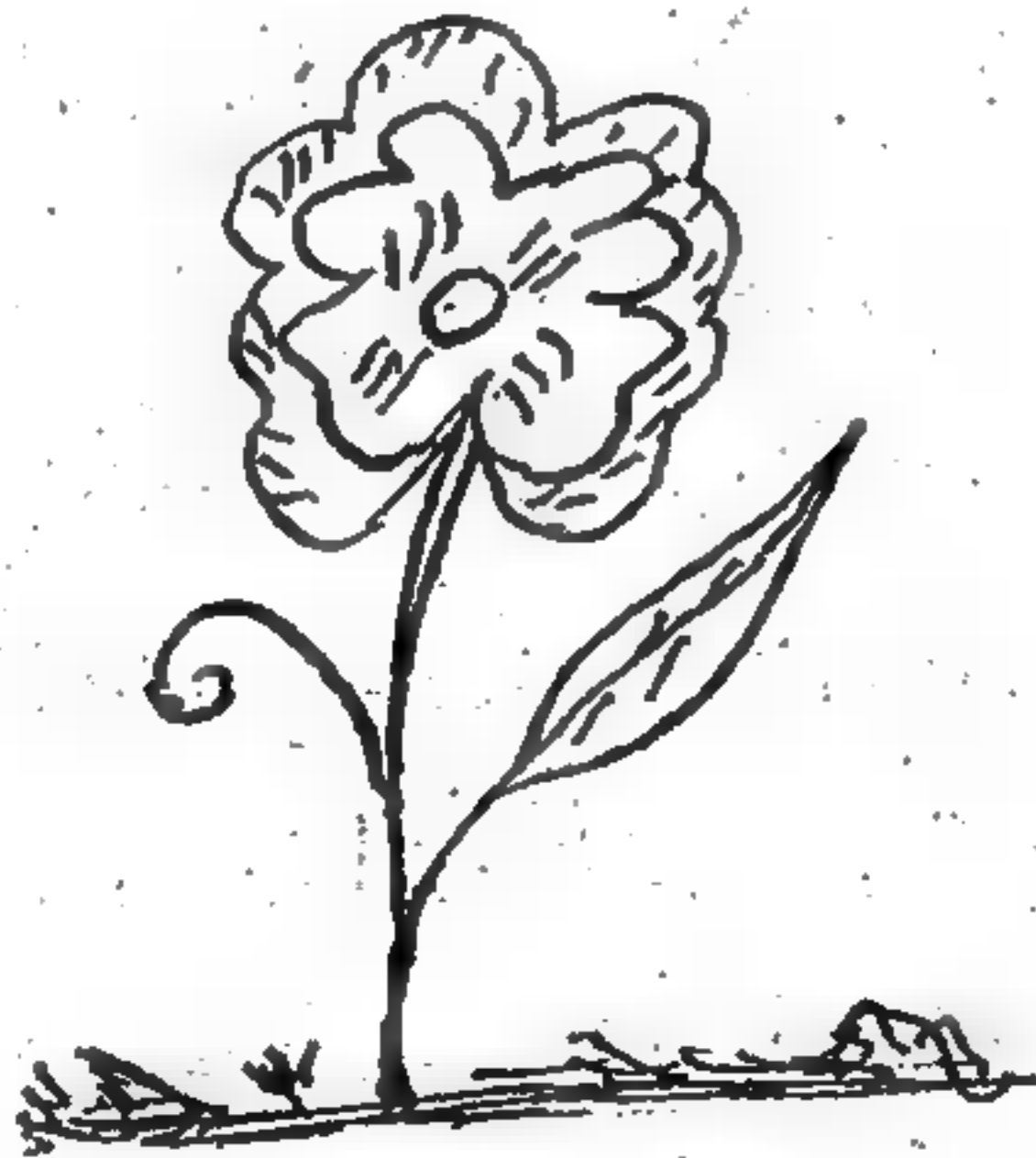
شجرہ شریف خاندان عالیہ سہروردیہ

محمد رسول اللہ ﷺ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ

امام حسین علیہ السلام
امام زین العابدین
امام محمد باقر
امام جعفر صادق
امام موسیٰ کاظم
امام موسیٰ رضا
خواجہ معروف کرخی
خواجہ سری سقطی
خواجہ جنید بغدادی
خواجہ ممشاد دینوری
شاہ علی رودباری
احمد علی اسود
شیخ اخی فرخ زنجاری
پیر ابوالقاسم
ابوبکر نساج
محمد عمویا
شاہ وجیہ الدین
ضیاء الدین ابوالنجیب

امام الطریقت شیخ شہاب الدین سہروردی

بہاء الدین زکریا
شیخ صدر الدین
رکن الدین
شاہ جلال الدین احمد
شیخ ناصر الدین احمد
سید برہان الدین قطب
غوث رکن الدین
شاہ حسام الدین

مخدوم چانن

اس سے آگے دوسرے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں

برہان الدین شاہ

یوسف ثانی	حضرت مخدوم طیب
حضرت شہر اللہ	خواجہ عبد الکریم
شاہ کبیر احمد	حضرت عبد الجلیل
پیر مونگا	علی محمد
سید سرمست	شاہ محمد
سید کبیر الدین	جملہ شاہ صاحب
پیر جنگو شاہ صاحب	خواجہ رمضان شاہ نوازی

خواجہ غلام محمد صاحب

حضرت امام السالکین الحاج ابو الفیض قلندر علی صاحب سہروردی

آپ کا نسب نامہ شریف

ابوالفیض سیّد قلندر علی سہروردی بن سیّد حافظ رسول بخش بن سیّد قاضی محمد جمال الدین بن جدّ بزرگوار سیّد مولوی کرم الٰہی کوٹلوی بن مقبولِ بارگاہ مولانا سیّد غلام مصطفےٰ شاہ بن مولوی سیّد سلطان محمد صاحب بن مفتی سیّد خدا بخش بن پیر سیّد محمد مقیم صاحب بن مولوی سیّد نعمت اللہ بن سیّد عطاء اللہ بن سیّد محمد حفیظ شاہ بن سیّد لقمان شاہ بن ابوعبداللہ سیّد محمد عیسیٰ بن خان بہادر ابوفتح سیّد فیروزدین بن ابوالحسن علی قادری شاہ بدیع الدین آغا شہید بن سیّد محیّ الدین محمد ثالث بن حضرت سیّد علی بن ابوالمحاسن سیّد عباس عرف میر مسعود بن ابو یوسف محمد صنو عرف شمس الدین بن ابوالفضل سیّد احمد صنو بن ابو محمد سیّد عبداللہ محیّ الدین ثانی بن ابو نصر سیّد محمد صالح بن ابوبکر سیّد عبدالرزاق بن ابو محمد سیّد محیّ الدین عبدالقادر گیلانی بن ابو صالح موسیٰ جنگی دوست بن ابی عبدالکریم عبداللہ ثالث بن سیّد یحییٰ زاہد بن سیّد امام شمس الدین محمد بن حضرت ابوبکر داؤد طائی بن امام ابوعمر موسیٰ ثانی بن امام عبداللہ بن ابوالحسن موسیٰ الجون بن حضرت عبداللہ محض بن حضرت حسن مثنیٰ بن حضرت امام حسن علیہ السلام بن حضرت علی کرم اللہ وجہہ

آپ کی تصانیف

سیاحِ لامکان اس کتاب میں مسئلہ فلسفہ معراج پر سیر حاصل تبصرہ کیا گیا ہے۔ اور معترضین کے اعتراضات کا مسکت جواب دیا گیا ہے۔

موعظۃ للمتقین اس کتاب کے متعلق جیّد علماء کی رائے ہے۔ کہ کتاب لکھ کر حضرت مصنّف نے علماء پر احسان کیا ہے۔

دعوت الحنفیہ یہ وُہ رسالہ ہے جو اصلاح عقائدِ شیعہ کے لیے وضاحت سے لکھا گیا ہے۔

پردہ نسواں اس کتاب میں قرآن و حدیث کی روشنی میں بے پردگی کے حامیوں کے لیے مسکت جواب ہے۔

حُلیۃ النبیؐ یہ چھوٹی سی کتاب پنجابی اشعار میں بڑے مقبول طریقے پر لکھی گئی ہے۔

لباس التقویٰ یہ رسالہ ڈاڑھی کی شرعی حقیقت پر بڑی وضاحت سے لکھا گیا ہے۔

رسالہ علم غیب یہ رسالہ حضورؐ علیہ السّلام کے علمِ غیب کے متعلق ایک فیصلہ کُن تحریر ہے۔

الفقر فخری اس کتاب میں حقیقتِ تصوّف پر تفصیلی بحث ہے۔ ؎
کہہ ڈالے قلندر نے اسرارِ کتاب آخر

تعارفِ سہروردیہ اس میں دُعائے مغنّی۔ شجرۂ عالیہ سہروردیہ حضرت میاں غلام محمدؐ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سہروردی حیات گڑھی کی مختصر سوانح حیات۔ دُعائے مناجات وغیرہ تحریر ہیں۔

تذکرۂ سہروردیہ جس میں صوفیاء کرام کے دینی کارناموں پر ایک سیر حاصل

تبصرہ ہے۔

انوارِ سہروردیہ جس میں سلسلہ سہروردیہ کے پنجاب سندھ میں اشاعت و تبلیغ کرنے والے حضرات کا ذکر مناجات۔ شجرہ وغیرہ تحریر ہے۔

جمالِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم یہ تالیف بصورت نذرِ عقیدت براہِ راست بغیر درمیانی واسطوں کے صورت امرِ حضور سیّد المرسلین، افضل النبیین، رحمۃ اللعالمین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلند و بالا اور لاثانی دربار میں پیش کی گئی ہے۔

جمالِ الٰہی جل شانہٗ یہ کتاب دربارِ معلّٰی حقیقتِ امر ربّ العالمین۔ مالک یوم الدین میں بواسطہ صورت امر نبی الحرمین امام القبلتین مولانا و مولی الثقلین نورٌ من نور اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نذر ہے۔ مولیٰ کریم نے اس کتاب کو شرف اجابت بخش کر اپنے بندوں کو اس پر عمل کی توفیقِ رفیق عطا فرمائی ہے۔

متفرق تصانیف

میلاد الرسول، شعبان المعظم۔ کتاب الصوم۔ صوتِ ہادی۔ رمضان المبارک، اسلامی عورت۔ زکوٰۃ کا اسلامی نظام:۔

یہ مختلف رسائل مختلف موضوعات پر چھپوا کر تقسیم کیے۔

نورٌ مستور اس کتاب میں اُن پاکدامن عورتوں کا ذکر ہے۔ جنہوں نے معرفتِ حقیقتِ امر میں اپنی زندگیاں گذاریں۔ اس کتاب کا مسوّدہ مکمل ہو چکا ہے۔ ابھی غیر مطبوعہ ہے۔

ظاہری جمالِ قلندری

آپ کا قدِ مبارک بالوجاہت میانہ قدوں سے کچھ نکلتا ہوا بھری محفل میں آسانی سے پہچانے جانے والا۔ رونقِ محفل اتنا کہ اگر کچھ دیر کے لیے کسی سبب سے بیرونِ محفل ہوا تو محفل کھوکھلی سی محسوس ہونے لگے۔ پھر جب درونِ محفل آیا تو ساری محفل پر کیف سا چھایا۔ سارے کا سارا جسد مبارک سڈول اور اسکی مٹی جیسے نور سے گندھی ہوئی ہو۔ آپ کا رُخِ انور نہ لمبائی پر اور نہ گولائی پر تھا۔ بلکہ بیضوی اور ریش مبارک سے اس بیضوی چہرہ کو اور رونق ملی ہوئی۔ چہرہ کا رنگ سفید مائل بہ سُرخی تھا اور بارہا صبح کے وقت دیکھا گیا کہ جب وُہ مکان سے نیچے اپنے دیوان خانہ میں تشریف لاتے تو ان کے سفید و سُرخ رخساروں پر ہلکی ہلکی سبز سبز چند ایک باریک رگوں کی لہریں سی نمودار ہوتیں اور انہیں مشاہدہ ہی میں رکھا گیا ہے۔ ریش مبارک کا قدرتی طور پر خط بنا ہوا تھا۔ اور اس کے سر کے بال ہلکے سے اُوپر کو خم کھائے ہوئے۔ پیشانی مبارک نہایت کشادہ اور سفید عمامہ کی مانگ اس پیشانی پر محراب کی شکل پر تھی۔ آپ کا بیان حدِ بیان سے پرے۔ حسبِ استطاعت انشاء اللہ اپنی جگہ کچھ کہا جائیگا ہاں آپ کی مسکراہٹ ہی پریشان دلوں کا سہارا بن جاتی تھی۔ ایسے معلوم ہوتا تھا۔ جیسے خدائی مسکراتی تھی۔ ہونٹ پتلے لبیں تراشی ہوئیں۔ نہ اتنی کم کہ ہونٹ کی جلد نظر آئے۔ اور نہ اتنی بڑی کہ ہونٹ ڈھک جائے۔ لبوں کے ترشوانے، منڈوانے وغیرہ کی بحث تو دیر سے چلی آتی ہے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک دوست کی شادی پر ہم چند احباب قبلہ حضرت صاحبؒ کی معیت میں بٹالہ شریف پہنچے۔ یہ پاکستان بننے سے پہلے کا واقعہ ہے۔ راستہ

دورانِ گفتگو میں ایک دوست نے جسارت کی اور کہا کہ قبلہ آپ اہلِ حضور ہیں۔ ؎ شنیدہ کے بود مانند دیدہ۔ بیان فرمائیں کہ حضورِ علیہ السّلام کو اس معاملے میں کیسا دیکھا۔ آپ نے ایک ایسے انداز سے اپنی انگلی مبارک کو بالائے لب مبارک پھیر کر فرمایا کہ بس ایسے ہُو بہُو اس انداز و کلام نے محفل پر کچھ ایسا رنگ ہی نہ چھایا بلکہ مسئلہ دل کی گہرائیوں میں اُتر گیا۔

چشمہائے مُبارک نہ بہت بڑی اور نہ چھوٹی سرمگین پتلیاں خوب سیاہ۔ ان کی مستی بالخصوص صبح کے وقت قابلِ نظارہ ہوتی تھی۔ لمز سے پاک کرامت یہ کہ بیٹھک میں جتنے احباب بھی بیٹھے ہوں، ہر کوئی یہی خیال کرتا تھا۔ کہ آپ کی نظریں دورانِ گفتگو میں میری ہی طرف ہیں۔ امر کے ماتحت اپنی تفریط میں کبھی کبھی آشوب زدہ بھی ہو تیں۔ ایک دن کا ذکر ہے۔ کہ آپ آشوبِ چشم میں مبتلا۔ گاڑھی سبز عینک پہنے ہوئے چارپائی پر آرام فرما رہے تھے۔ چند احباب بھی ارد گرد کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ گرمیوں کے دن تھے۔ میں دفتر سے فارغ ہو کر حسبِ معمول شام کو حاضری کے لیے جا رہا تھا۔ ابھی میں آپ کے مکان کی اونچی سیڑھیوں سے ہوتا ہوا کمرے میں داخل ہوا ہی تھا۔ تو احباب تمام کے تمام میری طرف دیکھ کر مُسکرائے۔ میں سلام عرض کر کے بیٹھ گیا۔ لیکن حیران تھا کہ دوست کیوں مُسکرا رہے ہیں۔ میں نے آہستہ سے ایک سے پوچھا۔ تو اس نے بتایا کہ جُوں جُوں آپ آ رہے تھے۔ قبلہ حضرت صاحب فرماتے جاتے تھے۔ اور اب جو آپ سیڑھیاں چڑھ رہے تھے۔ تو فرمانے لگے۔ کہ یوسف صاحب اب سیڑھیاں چڑھ رہا ہے۔ آپ اندر آئے تو قدرتی طور پہ ہم پر مُسکراہٹ آ گئی تھی۔ یہ تھیں وہ چشمہائے مُبارک دُور و نزدیک کے دیکھنے والیں۔ اور ایسے ہی دُور و نزدیک کے سُننے والے گوشہائے مُبارک کہ ایک دفعہ رمضان المبارک میں میرے سامنے اپنے ایک

خلیفہ مجاز سے فرمایا رہے تھے کہ مرزا صاحب آپ کے صاحبزادے حافظ صاحب کا قرآن جو آجکل حضرت داتا صاحبؒ والی مسجد میں سنا رہا ہے میں اپنے کوٹھے کی چھت پر رات سنتا۔ ساری تراویح میں سامع کو ایک بار لقمہ بھی دینا پڑا تھا۔ اللہ مدد فرمائے بہت اچھا قاری ہے۔

گرمیوں میں کبھی کبھی گول ہلکی گاڑھی ہوئی ٹوپی بھی پہن لیا کرتے تھے عموماً سفید عمامہ زیب سر ہوتا تھا۔ تہبند اور شلوار دونوں استعمال کرتے لیکن شلوار کو زیادہ پسند فرماتے۔ قمیض و کرتہ دونوں استعمال فرماتے سفید عمامہ، سیاہ اچکن۔ سفید شلوار۔ سفید و سیاہ خانوں والا بڑا رومال دونوں شانوں کے اوپر اپنے کمرے کے مشرقی کونے میں ایک بید کی چھال سے بنے ہوئے تخت پوش پر قبلہ رُو ایک بڑے سرہانے سے تکیہ لگائے۔ قال اللہ و قال الرسولؐ میں یہ ہستی صبح سے شام تک پیاسوں کو سیراب کرتی۔ صرف اس لباس میں ہی نہیں۔ آپ کی پوشاک مختلف وضع پر تھی۔ جو بھی زیب تن فرماتے۔ سجتا۔ ستھرا۔ اُجلا اُجلا معلوم ہوتا کسی خاص وضع کے لباس پر مدار نہ تھا۔ عمامہ و کلاہ کی بجائے سر پر رومال لپٹا ہوا ایک نئی شان دکھاتا تھا۔ گرمیوں میں ہلکا ململی کرتہ اور سردیوں میں سیاہ کمبل اوڑھ کر نیا رنگ دکھاتے۔ مجھے اپنے مشاہدہ کے علاوہ دیگر احباب سے بھی اس امر کی تصدیق ہوئی کہ قبلہ حضرت صاحبؒ جب کبھی بھی سفر پر گئے۔ سفر چاہے ریل گاڑی کا ہو یا بس کا۔ موٹر کار ہو یا تانگہ ہمارا حال یہ ہوتا — کہ جب منزل پر پہنچتے تو ہمارا جسم ہمارا لباس سب کا سب گرد آلود ہوتا — سواری سے اترتے ہی ہم اپنی صفائی کے درپے ہوتے اور ادھر یہ صاحب امر بغیر کسی تغیر کان کے اُجلا ستھرا چمکتا ہوا سواری سے نیچے آتا۔ لباس مبارک پر کسی قسم کی گرد و آلائش نہ ہوتی۔ ہم حیران ہوتے اور کچھ کچھ اپنی آلائشوں پر نادم بھی۔

دونوں شانے ویسے ابھرے ہوئے۔ ساقین مبارک گول گتھی ہوئی جب کبھی دبانے کا شرف حاصل ہوتا۔ تو ان کی سختی انگلیاں محسوس کرتیں۔ پائے مبارک چھوٹے اور نرم و نازک گوشت سے بھرے ہوئے۔ اور ایسے ہی پاؤں کی چھوٹی چھوٹی انگلیاں۔ ان کو چومے بارہ سال سے اوپر ہو گئے ہیں لیکن تصور ان کا بدستور ہے۔ جب بھی مزار اقدس پہ حاضر ہوتا ہوں تو تو سلام کے بعد یہی پاؤں سامنے آتے ہیں۔ جن کو چومتا ہوں۔

اسرارِ قلندری

مختصراً ظاہری جمالِ قلندری بیان کرنے کے بعد دل رہ رہ کر مجبور کر رہا ہے کہ کچھ حالات و اسرارِ قلندری بھی بیان کر دیئے جائیں جن کا تعلق زیادہ تر راقم الحروف سے ہو۔ کالج کی زہریلی ہواؤں سے گزرنے کے بعد اکثر نام نہاد پیروں سے واسطہ پڑا۔ جو میری خطائیے گفتگو سے لاجواب رہے۔ لیکن جب اس صاحبِ اسرار شخصیت کے سامنے اپنی بدنظری پیش کی تو فرمانے لگے کہ اس کمرے سے نکلنے کے بعد آپ کو اجازت ہے کہ جس سے دل چاہے بغل گیر ہو لینا۔ اگر آپ کی بغل میں قلندر علی آ جائے تو میری بیٹھک کا رُخ کرنا اور اگر جس سے بغل گیر ہوئے تھے۔ وہی رہے تو ادھر کا رُخ نہ کرنا کسی اور مرد کو تلاش کرنا آزمائش بہت بلند اور واضح تھی۔

۱۹۳۸ء سے ۱۹۵۸ء تک اس مردِ کامل کی صحبت کا شرف حاصل ہوا۔ سخت سردیوں کے دن تھے۔ میں ایک علی الصبح حاضرِ خدمت ہوا آپ تخت پوش پہ رونق افروز تھے۔ مجھے ساتھ والی کرسی پہ جگہ دی میرا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا اور اپنے داہنے ہاتھ کی انگوٹھے کے ساتھ والی دونوں انگلیاں میرے ہاتھ پر رکھیں جو گرم تھیں۔ پھر دوسری دونوں انگلیاں رکھیں جو سرد تھیں۔

اسی طرح بائیں ہاتھ والی دو انگلیاں گرم اور دو سرد تھیں۔ پاؤں مبارک والی انگلیوں کی کیفیت بھی ایسے ہی تھی۔ اس اجتماع ضدین نے مجھے کچھ حیران سا کیا۔ آپ فرمانے لگے کہ یہ میرے مقامِ حیرت کی آخری یاد ہے جو ابھی ابھی آپ نے محسوس کی ہے۔ تنہائی کا وقت تھا۔ مجھے اپنی حیاتِ طیبہ سے مختصراً اہم عنوانات سے مستفید فرمایا۔ مناسب سمجھا کہ پہلے ان کو پیش کیا جائے۔ فرمانے لگے کہ مڈل تک کی تعلیم کے بعد نعمانیہ مدرسہ لاہور میں تعلیم حاصل کی۔ زیادہ شوق پیدا ہونے پر مدرسہ دیوبند کا رُخ کیا۔ ایک عصر شام وہاں پہنچ گیا۔ دیکھا کہ مسجد میں نمازِ عصر کے بعد چند طلبا اپنے ایک اُستاد کے سامنے بیٹھے مسئلے پوچھ رہے ہیں۔ میں نے بھی ایک حدیث شریف کی وضاحت چاہی کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے دین کو سانپ سے کیوں تشبیہ دی ہے۔ کہ قربِ قیامت میں دینِ اسلام جیسے ایک سانپ اپنے بِل میں گھستا ہے۔ ایسے مکّہ مکرمہ واپس آجائے گا۔ اُستاد صاحب کوئی تسلّی بخش جواب تو نہ دے سکے اُلٹے کہنے لگے کہ پنجابی لونڈوں کے لیے یہاں کوئی گنجائش نہیں۔ اس کی طرزِ گفتگو سے میرا دل کھٹّا ہو گیا۔ اور اس رات دوسری گاڑی سیدھا بریلی کا رُخ کیا۔ اور اعلیٰحضرت احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں تقریباً دو سال گزارے۔ حالاتِ زمانہ کے پیشِ نظر تعلیم نامکمل ہی چھوڑ کر واپس پنجاب پہنچا۔ سلسلہ وبیعت وغیرہ کی اہمیت معلوم ہو چکی تھی حضرت قبلہ پیر مہر علی شاہ صاحبؒ گولڑے شریف کی خدمت میں اس غرض سے حاضری دی۔ انہوں نے مجھے فرمایا کہ اس ساتھ والی قبر پر جو کہ اُن کے ماموں جانؒ کی تھی مراقبانہ حالت میں بیٹھیے۔ جو نظر آئے اس پر عمل کرنا۔ میں حسبِ ارشاد اس قبر پر گیا۔ تو قبلہ باباجی غلام محمدؒ رحمۃ اللہ علیہ حیات گڑھی کی آگاہی ہوئی۔ شاہ صاحبؒ کو عرض کیا۔ فرمانے لگے۔ کہ آپ کا حصّہ اُن کے پاس ہے۔ فوراً جا کر بیعت کر لیں۔ چنانچہ میں ایک اپنے ساتھی کے ہمراہ

جو باباجی رحمۃ اللہ علیہ کا واقف تھا حیات گڑھ گاؤں پہنچا۔ گاؤں کے ایک جانب جلال پور جٹاں سے ہوتا ہوا ایک نالہ بہتا ہے۔ معلوم ہوا کہ آپ اس نالہ کے کنارے ایک کیکر کے درخت کے سایہ میں آرام فرما رہے ہیں حاضر خدمت ہوا۔ بیعت کی۔ پڑھنے کے لیے سبق بھی فرمایا جس کا دورہ دریائے چناب کے کنارے راتیں گزار کر کرنا تھا۔ رات حیات گڑھ میں ہی باباجی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ گزاری۔ اس کمرے میں ایک معمولی سی چارپائی تھی جس پر باباجی رحمۃ اللہ علیہ آرام فرما رہے تھے۔ اور باقی کمرہ میں دھان کا پیال بچھا ہوا تھا جس پہ میں لیٹ گیا۔ رات گزرنے پر خواب میں حضرت قبلہ بہاؤالحق ملتانیؒ تشریف لائے اور مجھے فرمانے لگے کہ جو سبق آپ کو اس بزرگ نے دیا ہے۔ وہ نہ پڑھیں بلکہ ایک اور سبق اپنی طرف سے بتایا کہ اس کی جگہ یہ پڑھ لیا کریں۔ اور جنگلوں کی بجائے آبادیوں میں ہی رہ کر پڑھ لیا کریں۔ صحرا نوردی مقصود نہیں بلکہ آپ سے سلسلہ سہروردیہ کا نام روشن کرنا ہے۔ اور تبلیغ اور اشاعت کا کام لینا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ میں نے تو اپنے پیر و مرشد کا دیا ہوا سبق ہی پڑھنا ہے۔ تو فرمانے لگے۔ آپ اس بات کی فکر نہ کریں۔ میں نے آپ کے پیر و مرشد کو کہہ دیا ہے۔ اور ان کی طرف سے اجازت لے دی ہے۔ میری آنکھ کھلی تو قبلہ باباجیؒ اپنی چارپائی پہ لیٹے ہی کچھ بڑبڑا رہے تھے۔ میں اٹھ کر ذرا قریب ہوا تو فرمانے لگے۔ کہ اچھا آپ کو بڑوں نے پکڑ لیا ہے۔ وہی پڑھیں جو وہ بتا گئے ہیں۔ انہیں ہم پہ تو ترس نہ آیا اور تلاش میں دشت و صحرا مارا مارا پھرایا۔ اچھا جاؤ آبادیوں میں ہی رہو۔ لیکن مقام حیرت اور آزمائشوں کے چکر آکر ہی رہیں گے۔ اپنے گاؤں گھر واپس آیا۔ سبق شروع کیا تو سب سے پہلے حسن مجاز نے مجھے گھیرا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ اس پھندے سے جان چھڑانی مشکل ہو گی۔ اللہ کی رحمت شامل حال ہوئی۔ ہمارے گاؤں

کے ہی ایک مجذوب جن کو انتقال فرمائے ابھی تھوڑا عرصہ ہی ہوا تھا خواب میں تشریف لائے۔ ڈاڑھی رکھی ہوئی۔ اور سر پہ لال ٹوپی پہنے ہوئے۔ میں نے انہیں تبدیلیٔ وضع کا سبب پوچھا تو فرمانے لگے کہ آگے جا کر ایسا ہی ہوتا ہے۔ مزید فرمایا کہ جو سبق آپ پڑھ رہے ہیں۔ اور جس کی وجہ سے آپ مجازی پروانوں کی شمع۔ بنے ہوئے ہیں۔ اُس سبق کے آگے یہ دو الفاظ بھی پڑھ لیا کریں۔ اس پھندے سے آزادی مل جائے گی۔ اور یہ اصنافِ بزم و نازک آپ سے رُخ موڑ لیں گی چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ابھی اس طرف سے نجات ملی ہی تھی کہ انگلیوں والا معاملہ شروع ہو گیا۔ جیسے کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے۔ چار دونوں ہاتھوں کی اور چار دونوں پاؤں کی انگلیوں میں شدید درد شروع ہوا۔ کیونکہ یہ ایک کڑی آزمائش تھی۔ دُعا و دوا دونوں ناکام رہے چار سال کی طویل مُدت میں اس آزمائش کے ساتھ تمام رشتے ناتے بھی آزمائے گئے۔ حتٰی کہ حیات گڑھ کی طرف سے بھی عرض و معروض کے جواب میں بے رُخی دکھائی دی۔ اور رفیقۂ حیات تو ابتدائے آزمائش ہی میں اس کے والدین اپنے گھر لے گئے تھے۔ اس مصیبت کا زیادہ وقت لاہور میں اپنے ایک پیر بھائی عبدالعزیز صاحب کے ہاں گزارا۔ کیونکہ یہاں ہی نے حضرت خواجہ حسام الدین کے مزارِ پُر انوار پر بحسبِ ارشاد قبلہ باباجی رحمۃ اللہ علیہ حاضری دینی تھی۔ ایامِ ابتلا کی تمتّہ اسی کے کرم سے تھی۔ واپس وطن جانے کو دل نہ چاہا اور حضرت شاہ ابوالمعالی رحمۃ اللہ علیہ والی مسجد میں امامت و خطابت کے فرائض سر انجام دیئے۔ حقیقتِ امر کو پانے کی تشنگی بدستور رہی۔ مزار اقدس سے ملحقہ چند ایک چھوٹے چھوٹے رہائشی مکان تھے۔ میرے ساتھ والے مکان میں ایک اور شخص دیر سے سکونت پذیر تھا۔ اس کی تمنا تھی کہ اسے کوئی پیر ملے اور حضرت شاہ ابوالمعالی رحمۃ اللہ علیہ کے واسطے سے اس مرد کی نشاندہی کرانی چاہتا تھا۔ چنانچہ ایک رات اسے خواب میں بتایا گیا کہ تیرے ساتھ

والے مکان میں قلندر رسُول نما رہتے ہیں ۔ وُہ غوثِ زمان ہیں ۔ اِن سے سلسلہ جوڑیں یہ دونوں خطاب مجھے حضرت قبلہ شاہ اَبُوالمعالی رحمۃ اللہ علیہ کیطرف سے ملے تھے ۔ انہیں ایّام میں ایک رسالہ "الفقیر" کی اشاعت کا کام بھی کرتا رہا ۔ امامت کے بارہ سال کے دوران میں مجھے کبھی کبھی ایک مجذوب ملا کرتا تھا ۔ اور میرا حال پوچھا کرتا تھا ۔ جب میں اسے امامت کا بتاتا تو وہ دو تین دفعہ سر پھیر کر بھاگ جاتا میں سمجھ جاتا کہ یہ میرے حال سے خوش نہیں ہے اس حال میں بارہ سال گزرنے کے بعد قبلہ باباجی رحمۃ اللہ علیہ لاہور تشریف لائے ۔ اور مرزا ہدائیت بیگ رحمۃ اللہ علیہ جو کہ آپ کے مریدوں سے تھے اور محلہ قلعہ گوجر سنگھ میں ہی بھائی عبدالعزیز کے مکان کے ساتھ ہی مکان رکھتے تھے ۔ قیام فرمایا ۔ میں بھی مسجد سے اُن کی خدمت میں حاضر ہوُا تو فرمانے لگے ۔ کہ کہو کیا حال ہے ۔ مسبب الاسباب مانتا ہے یا رزاق مطلق ۔ میں نے عرض کیا کہ قبلہ مسبب الاسباب مانتے اتنا عرصہ گزر گیا ۔ رزاقِ مطلق والا نشہ بھی چڑھا دیکھیں ۔ موجُودہ مکان جہاں میں اس وقت بیٹھا ہوں چیٹ پٹ قطعہ زمین کا تھا ۔ فرمانے لگے یہ جگہ خرید لو اور یہاں پر ہاتھی مکان بناؤ ۔ امامت وغیرہ چھوڑ دو ۔ اس شام مالک زمین کو بیعانہ دیا گیا اور دوسرے دن ہی مکان تعمیر ہونا شروع ہو گیا ۔ ہاں وُہ مجذوب صاحب جو سر پھیر کر بھاگتے تھے ۔ ایک دفعہ اور ملے تو حال پوچھنے پر بتایا کہ اب رزاقِ مطلق مانا ہے ۔ بہت خوش ہوُئے اور مجھے گلے لگایا ۔ یوُسف صاحب اس دن سے دونوں دروازے کھُلے ہوُئے ہیں ۔ معرفت والا بھی اور رزق والا بھی ۔ یہ تھے مختصراً آپ کی مقدّس زندگی کے چند اہم عنوانات جو میں نے اس صبح اُن کی زبانی سُنے ۔ اور اسی لیے اسی جانب سے تحریر کر دیا ۔ اور ان کی صحت و حفاظت بھی انہیں کے ذمّہ کرم پر چھوڑ دی ۔

اب اس تفصیل کی گنجائش کی مدد کا متمنّی ہوں کہ اہل دُنیا نے اس ہستی

کو کہاں تک جانا ۔ وُہ کیا تھے ۔ کیا نہ تھے ۔ اور وُہ تھے بھی یا ان کے علاوہ بھی کوئی تھا ۔ حقیقتِ امر گو حقیقتِ کائنات بنی اور صورتِ امر میں بھی اس نے جلوہ فرمائی کی ۔ لیکن اسے کما حقہٗ پاتے میں سب عاجز آگئے ۔ یہ صاحب اُن اندھوں کی مثال دیتے ۔ فرمایا کرتے تھے ۔ کہ ہاتھی پورا کسی نے بھی نہیں دیکھا جتنا جس نے محسُوس کیا ۔ وہی اس نے بیان کر دیا ۔ بعینہٖ اِن اولی الامر حضرت کی مثال ہے ۔ سب سے پہلی مرتبہ جب میں لاء کالج کا طالب علم تھا کسی ۔ نئے مرید کی معرفت ان کے دیدار سے مشرّف ہُوا ۔ گرمیوں کے دن تھے بیٹھک کے ساتھ والے کمرے میں ایک کونے میں چٹائی پر بیٹھے تھے ۔ چھت والا دستی پنکھا ایک عقیدت مند ہلا رہا تھا ۔ دروازہ کچھ بند تھا جس کی وجہ سے کمرہ میں پوری روشنی نہ تھی ۔ میں آداب محفل اور سلیقہ سوال سے بالکل کورا تھا ۔ مجھے یاد ہے کہ میں نے اپنے امتحان میں کامیابی کے لیے کہا انہوں نے فرمایا کہ اچھا دُعا کریں گے ۔ ان دنوں آپ حُقّہ نوش فرمایا کرتے ہیں ۔ میں نے بھی دو چار حُقّہ کے کش لیے اَور واپس اپنے دوست کے ساتھ پیروں پر نکتہ چینی کرتے گھر آگئے ۔ نتیجہ نکلا تو ناکام رہا ۔ جس سے دوبارہ رجوع کا خیال بھی جاتا رہا ۔ تقریباً تین سال گزر گئے ہیں نے اس نئے مرید کو جو پہلی مرتبہ مُلاقات کا سبب بنا تھا ۔ دیکھا کہ یہ کیا سے کیا ہو گیا ہے ۔ یہ صاحب جو مغربی تہذیب کے جال میں پھنس رہے تھے ۔ جب اس مردِ کامل کے ہاتھ آئے ۔ تو بیعت کے دوسرے دن ہی حضوری اَور ساتھ ہی صوم وصلوٰۃ کی پابندی شروع ہو گئی ۔ داخل سلسلہ کے قریباً چار ماہ بعد جب ہمیں ملے تو ڈاڑھی پوری متشرع تھی میں اسے اپنی انتہائے سعادت سمجھتا ہوں کہ میرا تعلق اس صاحبِ امر سے اس وقت ہُوا جب یہ قیدِ مقامات سے پاک و آزاد ہو چکا تھا ۔ اپنا کوئی خاص مقام نہ رکھتا تھا ۔ حقیقتِ امر نے اپنی طرف سے اس قلعہ گوجر سنگھ میں ایک آئینہ رکھ چھوڑا تھا ۔ جو آتا اپنا چہرہ دیکھتا اور اس آئینہ کو اپنی

مثل خیال کرتا۔ یہ اس آئینہ کا کمال تھا۔ کہ ہر دیکھنے والا اپنے نفس کی معرفت کر لیتا جس کے بعد وُہ اپنے ربّ کی معرفت کے درپے ہوتا۔ یہ مرد کامل پیری مریدی کے چکّروں سے بالا اور خلافتیں وغیرہ کی اسناد دینے سے گزر چکا تھا۔ اپنے مرید کو دوست کے لفظ سے یاد کرتا تھا۔ اور اپنے آپ کو فقیر کہا کرتا تھا۔ اور لکھا کرتا تھا۔ پاکستان بننے کے شروع شروع میں مَیں نے درخواست کی کہ سرکار میرا ارادہ ہے کہ اپنے غریب خانہ میں ایک مجلس سہروردیہ کا اہتمام کروں۔ آپ نے رضامندی ظاہر کی اور فرمایا کہ خلافتوں کی چند ایک امانتیں دیر سے میرے پاس ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ جن جن دوستوں کی یہ امانتیں ہیں انہیں اسی مجلس میں ہی سپُرد کی جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ یہ جلسہ چار مارچ ۱۹۵۰ء مطابق چودہ ربیع الاوّل ۱۳۷۰ھ کو ہوا۔ اس کے بعد آپ نے تا حینِ حیات ظاہری کسی دوست کو بھی ایسے منصب سے سرفراز نہیں کیا۔ ظاہر دیکھنے میں تو یہ بات بڑی عجیب معلوم ہوتی ہے کہ آخر آخری آٹھ سالوں میں آپ ایک دوست کو بھی اس خلافت کے منصب تک نہ لے جا سکے۔ ایسا ہرگز ہرگز نہیں۔ واقع یہ تھا۔ کہ آپ اس آخری عرصہ میں منازلِ سلوک طے کر چکنے کے بعد ایک بحر بیکراں کی حیثیّت رکھتے تھے۔ جس میں مقامات و درجات سب گم تھے۔ اَب جو دوست اس بحر میں شناوری کرتا مقامات سے بے نیاز ہوتا۔ اور اس کی آرزوئیں پامال ہو جاتیں۔ اور ماسوائے کالعدم۔ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ مرید لازمی طور پر اپنے پیر کی صفات اپناتا ہے۔ پیر نے ساری عمر بھنگ و چرس پی کر گزاری تو اس کے مریدوں نے بھی اپنی عمریں ایسی گزارنی ہیں۔ شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدّین عمر سہروردیؒ سے منقول بچّے کی تربیّت والی مثال ذکر فرماتے کہ اگر ماں نے چنے کھائے ہوں تو دودھ پیتے بچّہ کے فضلے میں وُہ چنے نمودار ہوتے ہیں۔ اسی طرح جیسا پیر

ہوگا ویسا مرید۔ پنجابی کا ایک محاورہ فرماتے کہ "بلّے دا بلّا نہیں تے میھتے پھلی ضرور ہی ہوگی"۔ یعنی اگر بعینہٖ پوری کی پوری صفات نہیں ہیں تو کم ازکم ان صفات کا کچھ حصّہ تو مرید میں ضرور ہونا چاہیئے۔ لیکن اِدھر تو معاملہ ہی کچھ اور تھا۔ نہ پیروں کی سی سج دھج نہ سبز جامہ وعمامہ نہ عصا و مالا۔ اپنے رئیسانہ انداز میں اپنے گھر ایک بلند تخت پر بیٹھے اور دوستوں کے لیے کرسیاں مہیّا کئے ہوئے ان کی جیبوں میں انوارِ معرفتِ الٰہی ایک ایسے انداز سے ڈالے جا رہے ہیں کہ ایک کو دوسرے کی خبر نہیں ہوتی۔ بلکہ کئی دفعہ حاصل کرنیوالے دوست کو بھی اس کا علم نہ ہو سکا۔ فرمایا کرتے تھے۔ کہ کہہ کر کرایا تو کیا کرایا۔ اپنے دوستوں کی تربیّت کا انداز نرالا تھا۔ ہر ایک کی خواہش کے مطابق جھلک دکھاتے تھے۔ انداز بیان میں ہزاروں لطائف پوشیدہ ہوتے۔ ہر سننے والا یہی سمجھتا کہ شاید میرا ہی علاج فرما رہے ہیں۔ دوستوں کے علاوہ دُوسرے حاجتمند بھی آپ کی خدمت حاضر ہوتے چاہے وُہ کسی مذہب و ملّت سے وابستہ ہوں مناظرہ۔ مجادلہ یا کسی قسم کے اُلجھاؤ سے مبرّہ۔ اپنے ہیں تبلیغ کے بے شمار پہلو رکھتے۔ فرمایا کرتے کہ سب سے بلند و احسن تبلیغ کا پہلو یہ ہے کہ اپنا کُرتہ صاف رکھے۔ کسی کے کُرتہ کے میل پر تنقید نہ کی جائے۔ تمہارے کُرتہ کو دیکھکر میلے کُرتہ والا خُود بخود اثر پذیر ہوگا۔ جو وقت غیر کی تنقید میں صرف کرنا ہے وُہ اپنی اصلاح میں لگایا جائے۔ اپنی سیدھ ٹھیک رکھو۔ اور منزل کو کھوٹی نہ کرو۔ جہاں سورج چھپنے سے پہلے پہنچنا ہے۔ وہاں اگر راستہ میں رُک گئے چاہے کسی خیر کی وجہ سے ہی ہو رسائیِ منزل میں دیری ضرور واقع ہوگی اور یہی نقصان کا باعث بنے گی۔ اللّٰہ والے دُنیا والوں کی پرواہ نہیں کیا کرتے۔ اپنا ذاتی تجربہ بیان فرمایا کرتے تھے کہ اس لاہور میں اسی جگہ میں اس حالت میں بھی رہا کہ میرا تہبند کھدّر کا تھا۔ اور بمشکل آدھی پنڈلیوں تک آتا تھا۔ اور اس طرح کھدّر کا معمُولی کُرتہ اور کھدّر کی ہی پگڑی وُہ بھی بمشکل

شرعی تین گھیروں تک۔ طرّہ تو درکنار شملہ کے لیے بھی دو گرہ زائد کپڑا میسّر نہ تھا۔ دُنیا والوں نے مجھ پر خوب پھبتیاں کسیں کہ یہ گدڑی پوش فقیری کا دعویٰ کرنے والا ننگِ اسلام بنا ہوا ہے۔ وُہ دن گزر گئے۔ اب ظاہری آسائش بھی ہر طرح میسّر ہے۔ اور کئی ایک دنیا داروں سے بڑھ چڑھ کر لیکن اب یہ اس طرف آ گئے ہیں کہ دیکھو فقیری کا دعویٰ کرنے والا کاروں پر سوار ہوتا اور شاہانہ دسترخوان رکھتا ہے۔ غرض دونوں طرح دُنیا والے اپنی فطرت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اگر اپنی راہ چھوڑ کر یا رُک کر ادھر التفات کر لیتا تو ضروری تھا یا منزل سے بھٹک جاتا یا کم از کم راستہ دیر میں طے کرتا۔ الحمد للہ کہ اُن کی باتوں نے دل پر کچھ اثر نہ کیا۔ وُہ جہاں لگا ہُوا تھا۔ لگا رہا۔

چوہدریاں والی مسجد قلعہ گوجر سنگھ لاہور میں بھی آپ نے کچھ مدّت نماز پڑھائی۔ اور اپنے مواعظ حسنہ سے لوگوں کو مستفید فرمایا۔ آپ کے خطبات سُننے کا مجھے بھی شرف حاصل ہُوا۔ اس ضمن میں ایک واقعہ بیان کیے دیتا ہوں۔ آپ کا معمول تھا کہ نماز جمعہ سے فارغ ہو کر واپس چند دوستوں کے ہمراہ اپنے گھر تشریف لاتے۔ ایک دن حسبِ معمول واپس جو آئے تو ایک دوست سے جو مضافات لاہور کا ہی رہنے والا تھا۔ فرمانے لگے کہ آج دورانِ جماعت میں آپ نے میری اقتدا کیے ہوئے سارا وقت قمیض و تہبند کے خیال میں اور صابن و کپڑے کے ڈپوؤں کے چکّر میں گزارا اور متقابلۃً کبھی کبھی سامنے میری اچکن، شلوار اور عمامہ کا خیال کیا۔ اپنی ساری نماز بھی خراب کی اور کچھ حاصل بھی نہ ہُوا۔ سُنو۔ میرا لباس جو تم دیکھ رہے ہو اس کے ایک تار کو بھی دل میں جگہ نہیں دی۔ بلکہ اس گھر کو گھر والے پر چھوڑا ہوا ہے۔ برخلاف اس کے آپ نے اس گھر میں کرتا۔ تہبند۔ صابن کا ڈپو وغیرہ سب گھسیڑے ہوئے ہیں۔ اور گھر والے کے لیے کوئی جگہ نہیں چھوڑی۔ فرمانے لگے کہ جملہ خیرات و عبادات اگرچہ بمنزلہ ڈول ہیں جو کوئیں کا پانی پاک و

صاف کرنے کے لیے استعمال کئے جاتے ہیں۔ لیکن یہ بھی اس طرح مشروط ہیں کہ پہلے کوئیں سے کتّا نکالا جائے۔ پھر ان ڈولوں سے پاکیزگی کا اہتمام کیا جائے اگر کتّا اندر ہی رہا تو ڈول نکالنے سے کچھ فائدہ نہ ہوا۔ چاہیے ان کی تعداد شمار میں نہ آئے۔ ؎

زبان سے کہہ بھی دیا لاالہ تو کیا حاصل
تیری نگاہ مسلمان نہیں تو کچھ بھی نہیں
یہ ذکرِ نیم شبی یہ مراقبے یہ سجود
تیری خودی کے نگہبان نہیں تو کچھ بھی نہیں (اقبالؒ)

لذتِ خودی سے سرشار ہوتے ہوئے بھی یہ مرد قلندر آپے سے باہر نہیں دیکھا گیا۔

آپ کے جمعہ پڑھانے اور مواعظ حسنہ سے مستفید فرمانے کا دور پاکستان بننے کے شروع میں ہی رہا۔ صحت نے اسے تادیر قائم رکھنے کی اجازت نہ دی۔ اطبّا کے مشورہ پر گلے کی خراش کے لیے بہت مناسب ٹھہرا کہ خطبات بند کئے جائیں اور حقّہ چھوڑا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی عمل میں لائے۔ ضبط نے داد نہ دی تو اس صاحبِ امر نے زورِ قلم آزمانا شروع کر دیا۔ اور عمر شریف کے آخری پانچ سات سالوں میں ہی مندرجہ تصانیف کا انبار عالم خلق کے سامنے رکھ دیا۔ اس دور میں حلقہ بگوش دوستوں نے طرح طرح کی قیاس آرائیاں کیں۔ قبلہ حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کام کے لیے ہم متاخرین دوستوں کی جماعت کو جو کہ زیادہ تر دفتری زندگی پر مشتمل تھی چنا۔ یہ آپ کی ذرہ نوازی تھی کہ اپنا کلام لکھ کر ہم سے پڑھواتے اور سنتے کتابت کے بعد تصحیح کے لیے بھی انہی دفتری کلرکوں کو شرف بخشتے۔ کتابت کے سرورق والی تصویر کے مشورہ سے سرفراز فرماتے۔ چند ایک متقدمین حلقہ بگوش دوستوں نے زعم کیا شاید یہ اشاعت کا سلسلہ ہمارے ہی ایما پر ہو رہا ہے۔ اور انہیں

دفتری دوستوں نے ہی اس مردِ کامل کو جو پہلے ایک نگاہ میں قطب بنایا کرتا تھا۔ کتابت و اشاعت کی طرف لگا دیا ہے۔ خیر اس سے کوئی بحث نہیں کتابیں موجود ہیں۔ اور اُن کے مطالعہ سے مقاصد واضح۔ مبتدیوں کے لیے راہ دکھانے والیں اور منتہیوں کے لیے سکون پہنچانے والیں۔ یہاں نہ کوئی کتابوں پر تبصرہ مقصود ہے۔ اور نہ ان کے لکھے جانے کی وجہ پر کوئی تنقید۔ کتاب آخر کتاب ہے۔ اس کے مطالعہ سے امر کی حقیقت کا سراغ نہیں ملتا۔ مطالعہ کی وسعتِ امر کی پہنائیوں کو گھیر نہیں سکتی۔ تجربہ وحسّ کو بڑھا سکتی ہے۔ لیکن عقلِ حقیقی سے بہرہ اندوز نہیں ہو سکتی۔ خود اس صاحبِ امر کے الفاظ ہیں کہ کتاب ہدایت پیش کر سکتی ہے۔ ہدایت یافتہ نہیں بنا سکتی جس طرح "قانون" ایک مجرم کو بیڑھیاں پہنا سکتا ہے۔ اور جیل کی تاریک کوٹھڑی میں بند بھی کر سکتا ہے۔ لیکن اسے جرم سے باز نہیں رکھ سکتا۔ ہدایت یافتہ بننے کے لیے یا جرم سے باز رہنے کے لیے نہ کتاب کام آئے گی نہ قانون بلکہ "اُولی الامر منکم" کی وابستگی ۔

دُہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسمٰعیلؑ کو آدابِ فرزندی (اقبالؒ)

جب تک وابستگی نہیں ہوگی جملہ اعمال ایک صفر کی حیثیت سے زیادہ وقعت نہیں رکھیں گے۔ "کونوا مع الصادقین" کی تفسیر بیان فرماتے۔ کاغذ پر ایک نقطہ ڈال دیا کرتے تھے۔ اور اسے عمل سے تشبیہ دیتے اس کے ساتھ ہندسہ (۱) لگا کر فرماتے کہ اس (۱) کے لگنے سے نقطہ کی قیمت دس (۱۰) ہو گئی۔ اب جتنے نقطے لگائے جائیں گے۔ قدر و قیمت بڑھتی جائیگی یہ امر کی شان ہے کہ ذرہ کائنات کا دل چیر کر اس کے پار ہو جاتا ہے۔ کتابیں وغیرہ وہاں کام نہیں آتیں اور نہ نرم و نازک کلام۔ کتاب و کلام کا اثر بھی جو قارئین و سامعین ظاہری طور پر محسوس کرتے ہیں۔ دراصل امر کی ہی برکت

ہوتی ہے۔ دیکھا نہیں کہ صاحبِ امر کی کتاب اور صاحبِ امر کا کلام زمان و مکان کی پابندیوں سے آزاد ہوتا ہے۔ لوگ جو کتاب و کلام کو مؤثر سمجھتے ہیں۔ یہ ایک مغالطہ ہے۔ عالمِ خلق کے لیے یہ لازمی تھا کہ عالمِ امر تخلیقی لباس پہنے کیونکہ واحد امر کا حمل کوئی آسان کھیل نہیں۔ جس قدر امر اپنے میں طاقت رکھے گا۔ اس قدر زمانہ کو گھیر لے گا۔ حقیقتِ امر کے کلام کو قیامت تک کے لیے محفوظ آخر کیوں کیا گیا۔ اس طرح صورتِ امر کے کلام کو بھی زمانہ کی قید سے آزاد کر دیا۔ اولی الامر حضرات بھی جو کہہ گئے یا لکھ گئے عالمِ خلق نے اپنایا اور ہمیشہ کے لیے اُن کے کلام کے حوالے دے دے کر اس خلق کی تکوین کی لیکن یہ تمام کی تمام صرف اس وقت کام آئیں جب ان کو کسی صاحبِ امر کی روشنی میں پڑھا گیا یا سُنا گیا۔ لکھنے والا یا کلام کرنے والا اگر صاحبِ امر ہے۔ تو اثر رکھے گا۔ ورنہ نہیں۔ میرا قبلہ حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی حیاتِ طیبہ پر روشنی ڈالنے کا بھی یہی مقصد ہے۔ واقعات کو بیان کرنے سے آپ کے کشف و کرامات بتانا مقصود نہیں۔ بیان یہ کرنا ہے کہ کس طرح ایک صاحبِ امر شریعت و طریقت و حقیقت و معرفت سے گزرتا ہوا دوبارہ تکرت کا لباس پہن کر زندگی گزارتا ہے۔ بیوی بچے رکھتے ہوئے حقیقتِ امر میں کیسے گم ہے۔ سب سے تعلق رکھتے ہوئے کیسا بے تعلق۔ شرف اتنا بلند کہ ایک رات نمازِ عشاء کے بعد آپ ایک دوست شاہ صاحب کو شبِ اسرار کی کیفیات جو آپ پر وارد ہوئیں۔ بیان فرما رہے تھے۔ جو میں بھی سن رہا تھا۔ اندازِ بیان سے کیفیت ایسی پیدا ہو گئی تھی کہ گویا ہم دونوں سننے والے معراج کی خلعتوں سے حصہ لے رہے ہیں۔ عجیب پُر اسرار ماحول تھا۔ شاہ صاحب سے نہ رہا گیا عرض کیا کہ قبلہ اللہ اللہ اتنا شرف اور یہ بلندی تو فوراً امر کے تحت جواب دیا کہ شاہ صاحب یہ کونسی بڑی بات ہے۔ صاحب کے ساتھ اس کا کتا بھی کوٹھی میں داخل ہو سکتا ہے۔ اور اپنی ایسی پستی دکھائی کہ ہم

دونوں جگہ میں آ گئے۔ مکمل طور پر انقطاع اسباب کئے ہوئے یہ صاحب امر ہر فعل میں سنّت کا متبع۔ حق الیقین رکھتے ہوئے۔ علم الیقین کو نہ چھوڑنے والا۔ فقیری اور درویشی کے معترضین کو نہایت احسن طریقہ سے شریعت کے تحت۔ جواب دینے والا۔ فرمایا کرتے تھے کہ یوسف صاحب ہم ولائیت کو گول کر کے میز کے ایک کونے پر رکھ چھوڑتے ہیں۔ اور معترضین کا جواب صورتِ امر صلعم کی ظاہری شریعت پاک سے ہی دے دیا کرتے ہیں، اور یہ علم اُن کے اعتراضات کے جواب میں کافی وافی ہوتا ہے۔ ولائیت کی ہمیں اُن کے ساتھ ضرورت ہی نہیں پڑتی۔ کوئی سائل اگر کسی غرض کے لیے آیا۔ تو اس غرض کی تکمیل کے لیے اسے سارے ظاہری اسباب بتائے۔ اور اسے اُن پر عمل کرنے کی ہدائیت فرمائی۔ نری رسمی دُعاؤں پر نہ چھوڑا۔ دُعا کے لیے بھی سائل کو زیادہ تاکید کرتے اور فرماتے کہ آپ کو میری نسبت زیادہ درد ہے۔ فرماتے ایک شخص نے کسی بزرگ سے درخواست کی قبلہ رات جب تہجّد کے لیے گھر سے مسجد روانہ ہوتا ہوں تو راستہ میں کتّے کاٹنے کے درپے ہوتے ہیں کوئی عمل عنائیت فرمائیں کہ ان سے چھٹکارا ہو جائے اس بزرگ نے کوئی پڑھنے کے لیے عمل فرمایا۔ وہ شخص ابھی اس بزرگ سے جُدا ہوکر واپس اپنے گھر جا رہا تھا۔ کہ اس بزرگ کا لڑکا اسے ملا۔ کہنے لگا کہاں سے آئے ہو اور کیا لائے ہو۔ اس شخص نے بیان کیا کہ آپ کے آبّا جان سے ایک عرض کی تھی۔ آپ نے چند کلمات بطور تعویذ دیئے ہیں تاکہ کتّوں سے نجات مل جائے۔ لڑکے نے کہا کہ جو کچھ آبّا جان نے کہا ہے۔ عمل کرو لیکن ایک بات میری طرف سے کر لینا۔ کتّے عربی کم جانتے ہیں۔ مسجد جاتے وقت ایک ڈنڈا بھی اپنے پاس رکھنا۔ وہ زیادہ کام دے گا۔

صاحب امر ہونے کی حیثیّت سے آپ بے شمار انداز رکھتے تھے۔ ہر دوست کے مذاق و فطرت سے ایسی موافقت رکھتے کہ آپ کی نظرِ کرم

کو اپنے ہی لیے مخصوص جانتا۔ شانِ امر کے ماتحت دینی و دنیوی دونوں امور میں قدرتِ تامّہ رکھتے۔ کسی کی اصلاح مقصود ہوتی تو کچھ ایسے انوکھے طرائق بروئے کار لاتے کہ مقدّرات کو ہی بدل ڈالتے تقریباً پورا ایک سال میری معصیّتیں خوابوں کی شکل میں مٹائی گئیں۔ میں خود حیران تھا کہ مجھے کیا ہوگیا ہے۔ تنگ آکر عرضِ حال سُنایا۔ فرمانے لگے۔ شکر کرو کہ اجرائے معصیّت کی نوعیّت خواب میں بدل ڈالی ہے تاکہ مواخذہ نہ ہو۔ میری جان آپ پر فدا ہو۔ تزکیہ ہو تو ایسا ہو۔ کہانیاں سُنا کرتے تھے۔ کہ یہ اولی الام حضرات سو "تیر جُستہ باز گردد انند زراہ" والی شان سے موصوف ہوتے ہیں۔ ہم نے اس مرد قلندر میں اس نوع کی ہزاروں شانیں پائیں اور ایسی ایسی بھی کہ واقعی طور پہ قلم۔ سیاہی۔ کاغذ وغیرہ ان کی متحمل نہیں عالم خلق کے گمانوں کا مجموعہ یہ بلند نسب سادات رکھتا ہوا اپنے آپ کو فقیر لکھنے والا یہ مرد کامل شناسائے منزلی ہوتا ہوا دوستوں سے مشورہ کرنے والا عوام النّاس میں کچھ اس طرح حیاتِ ظاہری گزار گیا کہ بڑے بڑے اس بحر میں شناوری کرنے والے بھی آپ کو نہ پا سکے۔ زیادہ سے زیادہ آپ کو صوفی کا لقب دیا جس سے صرف اپنی ذات کی ہی صفائی ترشّح ہوتی ہے عالمِ خلق کے حصّہ کچھ نہیں آتا۔ ہاں آپ کی کیفیّت ابو الفیض نے دعوتِ عام پیش کی اور دکھایا کہ یہ صاف و شفاف آئینہ فیض رساں بھی ہے۔ سے لیے جاتا تھا جو جس کو ملا پیمانہ بھر بھر کے۔

دورانِ سفر و تبلّغ

اصلاحی انداز ایسے کہ ایک دفعہ سفر میں کسی دوست کے گھر قیام فرمایا نمازِ عشاء کے بعد جس کمرے میں آرام فرما رہے تھے۔ میں اور وہ دوست بھی دونوں پاؤں دبانے آمنے سامنے بیٹھ گئے۔ میں بچّوں کی طرح بضد تھا کہ قبلہ

کچھ اختیارات سونپ دیں ہیں۔ بار بار ایسی کہہ رہا تھا۔ اور آپ نے حضرت ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ بیان کرنا شروع کر دیا کہ ایک شخص انہیں ملنے کیلئے حوران کے مکان پر گیا۔ تو اندر سے بجائے ان کے آگے اہلیہ نے جواب میں کچھ آواز دینے والے کو اور بہت سی قبلہ حضرت ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کو گالیاں سنائیں۔ اس شخص کی حیرانی کی کوئی انتہا نہ رہی وہ سمجھا کہ شاید یہ کسی اور کا گھر ہے۔ بھلا اتنے متقی فقیر کی بیوی ایسی تند مزاج کیسے ہو سکتی ہے وُہ چپکے سے واپس چلا گیا۔ اور کسی اور کے بتانے پر معلوم ہوا کہ حضرت صاحبؒ باہر جنگل میں لکڑیاں اکٹھا کرتے ہیں اور شام کو واپس یہاں آکر بیچ ڈالتے ہیں۔ آپ انہیں باہر ہی مل لیں۔ اچھا رہے گا۔ خیر وُہ بیچارا شہر سے دُور جہاں سے وُہ لکڑیاں اکٹھا کیا کرتے تھے۔ چلا گیا دیکھا کہ ایک مرد ایک شیر کی پُشت پر لکڑیوں کا گٹھا لادے ہُوئے اس کا کان پکڑے حدودِ شہر کی طرف آرہا ہے آبادی کی حد تک شیر ساتھ آیا جہاں سے اس مرد نے شیر پر سے گٹھا اٹھا کر اپنے سر پر رکھ لیا۔ اور شیر کی پُشت پر ہاتھ پھیر کر واپس کر دیا۔ یہ شخص حیران تھا سمجھ گیا کہ مرد تو وہی ابوالحسین خرقانیؒ ہی ہیں اور ان کی ولائیت بھی مسلّم ہو گئی لیکن وُہ بیوی والا معاملہ سمجھ سے ابھی باہر ہے۔ قدم بوسی کی۔ آپ نے فرمایا کہ دل سے دوسرا وسوسہ نکال دیں۔ اسی کی برکت سے تو یہ ولائیت مجھے ملی ہے کہ ایسی تند خُو بیوی سے نبھائے جا رہا ہوں۔ جب قبلہ حضرت صاحبؒ کہانی سُنا چکے تو میں نے پھر وہی اختیارات والی ہوس شروع کر دی اور کہا کہ قبلہ بھلا اس کہانی سے مجھے کیا فائدہ حاصل ہُوا۔ آپ نے فرمایا کہ اپنے دوست سے پوچھیئے۔ جب اسے دیکھا تو وُہ قبلہ حضرت صاحب کے پاؤں پر سر رکھے ہُوئے تھا۔ اور کہہ رہا تھا۔ کہ "میرا سر گیا"۔ مجھے اس کے ان الفاظ سے اور حیرانی ہُوئی کہ آخر اس کا کیا کام بن گیا۔ خیر رات گئی جب ہم دونوں دوسرے کمرے میں سونے کے لیے گئے تو میں نے اس سے پوچھا کہ کیا سر گیا تھا۔ بھئی کچھ مجھے

بھی بتاؤ۔ اس نے کہا کہ اگر آج آپ یہ کہانی نہ سُناتے تو صبح آپ کے روانہ ہونے کے بعد میری بیوی مطلقہ ہوتی۔ آج شام میں نے اپنی بیوی سے حضرت قبلہؒ کی صبح کو روانگی پر کھانے کے متعلق کچھ باتیں کہیں۔ جنہیں اس نے نہ مانا حتّٰی کہ نوبت تنازعہ تک آگئی اور میں اسے قسم دے کر صاف صاف کہہ آیا تھا کہ حضرت صاحبؒ کو روانہ کر لینے دو فوراً اس کے بعد آپ کو طلاق نامہ لکھ دونگا۔ اور یہ میرا پکا ارادہ تھا۔ آپ کی اس کہانی نے دل ایسا صاف کر دیا کہ وُہ عزم جزم جاتا رہا۔ گھر کی بربادی اور چھوٹے چھوٹے بچّوں کی پریشانی کی نوبت نہ آئی۔ اسی طرح ایک اور دوست اپنی بیوی سے نہایت تنگ آکر حاضر خدمت ہُوا اور عرض کی کہ اگر اجازت دیں تو اسے طلاق دے دوں آپ فرمانے لگے کہ دودھ دینے والی گائے چھڑیں بھی مارا کرتی ہے۔ جو برداشت کرنی پڑتی ہیں۔ الفاظ کچھ اس انداز سے سائل کے دل میں اثر کر گئے۔ کہ اُس دن کے بعد اس نے طلاق دینی تو درکنار طلاق کا نام تک بھی نہیں لیا۔ یہ دو مثالیں بطور اصلاح پیش کی گئی ہیں۔ تفسیر قارئین کرام پر چھوڑ دی ہے۔ مجھے آپ کی معیّت میں متعدّد سفروں کی بھی سعادت حاصل ہُوئی آپ کا دَورہ ظاہری طور پر تبلیغی پہلو لیے ہُوئے تھا۔ لیکن دراصل باطنی امور انتظامیہ کی نگرانی مقصُود ہوتی۔ اولی الامر حضرات جن جن جگہوں پر متعیّن ہوتے ان کو ہدائیت جاری فرماتے۔ یہ حضرات آپ کی خدمت میں اپنے اپنے علاقوں کے حالات بیان کرتے۔ ایک دفعہ ایسا اتفاق ہُوا کہ آپ سفر میں تھے۔ اور ایک مسجد سے باہر نکل رہے تھے۔ کہ میں نے آپ کی زبانِ مبارک سے چند ترش الفاظ سنے مخاطب کوئی نظر نہیں آتا تھا۔ میں نے گمان کیا کہ آپ مجھے کہہ رہے ہیں۔ بڑا شرمندہ ہُوا۔ دل ہی دل میں کُڑھتا رہا۔ یہاں پہنچا تھا۔ وُہ ایک بڑے امیر دوست کا گھر تھا۔ جس نے بڑے پر تکلّف انداز میں دعوت کا اہتمام کیا ہوا تھا۔ میں کچھ نہ کھا سکا۔ مجھے آپ کے وہی الفاظ جو مسجد کے

باہر نکلتے کھتے تھے۔ یاد آرہے تھے۔ چند دوستوں نے مجھے دیکھا کہ یہ اداس سا ہے۔ تو قبلہ حضرت صاحب سے بیان کیا۔ آپ نے مجھے اپنے پاس بلایا۔ مجھ سے عرض حال سُنا۔ مسکرائے فرمانے لگے کہ آپ خواہ مخواہ اس گفتگو کو اپنے پر گمان کرنے لگے۔ وُہ جس سے میں مخاطب تھا۔ اس علاقہ کا رپورٹر تھا۔ اس کی کارکردگی قابلِ سرزنش تھی۔ جس وجہ سے میں اسے خفا ہو رہا تھا۔ فرمانے لگے کہ اس طرح کا گمان ایک دفعہ مولوی غلام مُرشد صاحب خطیب شاہی مسجد لاہور کو بھی ہوا تھا جب میں حضرت داتا صاحبؒ کے عرس مبارک پر ایک ایسے مرد سے ہمکلام تھا۔ جسکو داتا صاحبؒ کی طرف سے لاہور میں ٹھہرنے کی اجازت نہ تھی۔ میں اسے پیغام دے رہا تھا۔ اور مولوی غلام مُرشد صاحب کچھ اپنے اندر ہی اندر بدگمانیاں جمع کر رہے تھے۔ خیر دل سے بوجھ دُور ہوا۔ قلّتِ گنجائش کے سبب میں آپ کے سامنے صرف ایک دورہ کا مختصراً خاکہ پیش کرتا ہوں۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ اولی الامر حضرات کیسے بیک وقت سادہ پرکار ہوتے ہیں۔ عام لباس میں بھی اپنی آستینوں کے اندر ید بیضا لیے ہوئے کیا کچھ کرتے ہیں۔ اپنے دو پوتوں کی سُنّتِ عقیقہ پر ایک مہاجر دوست نے آپ کو دعوت دی۔ اس کا گاؤں منڈی بورے والا کے قریب کوئی تین چار میل کے فاصلہ پر مشرقی جانب تھا۔ ریلوے اسٹیشن منڈی بورے والہ سے گاؤں تک کے سفر کا بندوبست بذریعہ ویگن وہاڑی والے احباب نے کیا تھا۔ آپ کے ساتھ اور دوستوں کے علاوہ آپ کے خلیفہ مجاز مرزا غلام محیّ الدّین صاحبؒ اور دو نعت خوان ریاض الدّین شاہ صاحب اور جان محمدؐ صاحب بھی تھے۔ نمازِ عصر گاؤں پہنچ کر ایک کھیت میں ادا کی۔ اس کے بعد وہیں بیٹھے تلاوت قرآن پاک اور نعت خوانی ہوئی وہاڑی۔ میلسی اور منڈی بورے والے عقیدت مندوں کے ساتھ کے اُن کے اپنے دوستوں کی بھی کافی جماعت تھی۔ میزبان کے دیہاتی رشتہ دار اور نزدیک

نزدیک والے دوسرے گاؤں کے اہلِ ذوق سب مل کر اچھی خاصی رونق محفل بنے ہوئے تھے۔ اس محفلِ نعت خوانی میں قبلہ حضرت صاحبؒ کے تصرّف نے کچھ ایسا رنگ جمایا کہ ہر قلب رقّت آمیز ہوا۔ کس نے ضبط کیا۔ اور کوئی پھٹا۔ عجیب کیفیت تھا۔ اس شام رنگین کا۔ عقیدت مند تو پہلے سے ہی شکار تھے۔ بہت سے دوسرے حضرات نے بھی تمنائے۔ بیعت ظاہر کی جو قبول ہوئی۔ سفر طویل ہے صرف ایک عجیب واقعہ اس گاؤں کی رات کا بیان کرتا ہوں۔ میزبان کے دو چار سادہ مکان اس کی اپنی زمین میں ہی تھے۔ قبلہ حضرت صاحبؒ کے لیے ایک علیحدہ چھوٹا سا سادہ کچا مکان جس کی چھت بھی سر سے کچھ تھوڑی ہی بلند تھی۔ رات کے آرام کے لیے مخصوص کیا۔ آپ کی ذرہ نوازی تھی۔ کہ آپ نے مجھے اور میرے ساتھ ایک دہاڑی والے منیجر صاحب کو اجازت بخشی کہ اس کمرے میں رات گزاریں سردیوں کی راتیں تھی۔ ہم دونوں دوست ایک ہی چار پائی پر تھے۔ آدھی رات گئی۔ میرے دوست منیجر صاحب نے مجھے کانپتے ہوئے آہستہ سے جگایا اور اشارۃً قبلہ حضرت صاحب والی چار پائی کی طرف دیکھنے کو کہا آپ چار پائی پہ آرام فرما رہے تھے۔ اور ہلکے ہلکے سانسوں کی آواز بھی آ رہی تھی۔ ادھر دوسری جانب جو نظر کی تو آپ مصلے پر نماز ادا فرما رہے تھے۔ ہم دونوں ڈر کے مارے پسینہ سے شرابور ہو رہے تھے۔ نہ کچھ سمجھ میں آئے۔ اور نہ کچھ بول سکیں۔ ڈر کے مارے دونوں نے رضائیاں منہ پہ لپیٹ لیں اور اس معاملہ کو انہیں پر چھوڑا۔ خیر صاحب امر کے نزدیک یہ ایک معمولی بات ہے۔ اسے رہنے دو۔ دوسرے دن وہاں سے اسی ویگن پر منیجر صاحب کی کاٹن فیکٹری دہاڑی پہنچے۔ اہالیان دہاڑی جوق در جوق آئے۔ مختلف اغراض و مقاصد لیے ہوئے۔ آپ سب کی جھولیاں بھرتے جا رہے تھے۔ فیکٹری کے ملحقہ کوارٹرز میں سے چند ایک کوارٹر قبلہ

حضرت صاحب اور دوسرے دوستوں کے لیے وقف تھے۔ اس بڑے کوارٹر میں جہاں قبلہ حضرت صاحب قیام فرما تھے۔ رات پھر محفل میلاد شروع ہوئی۔ بمشکل کوئی دوست ہوگا۔ جو بھٹا نہ ہو۔ لیکن سب کو دائرہ ضبط میں رکھا۔ مجھے یاد ہے۔ ؎ "جب خاک اڑے میری مدینے کی ہوا ہو" والے مصرع پر مرزا صاحبؒ کو وجدانی کیفیت ایسے طاری ہوئی کہ ساتھ ہی لے گئی۔ جس کا ذکر ابھی آگے آتا ہے۔ یہ دورہ تو پہلے ہی شاہی تھا۔ محفل ختم ہونے کے بعد دوستوں سمیت علی الصباح ملتان شریف حضرت بہاؤالحق زکریا رحمتہ اللہ علیہ کی درگاہ معلّیٰ پر حاضری کا پروگرام مرتب ہوا۔ قبلہ حضرت صاحبؒ خود ایک بڑے پلنگ پر رونق افروز تھے۔ اور میں سرہانے کی طرف ایک چھوٹے سے مونڈھے پر بیٹھا ہوا تھا۔ میری جانب مخاطب ہوکر فرمانے لگے۔ کیوں سیکرٹری صاحب صبح بڑی سرکار کے حاضری کے لیے تیار ہو۔ الفاظ نہائیت سادہ۔ پتہ نہیں مجھے کیا ہوگیا۔ زاروقطار رونا شروع کر دیا۔ میں اپنا سر قبلہ حضرت صاحبؒ کے سینۂ اقدس سے لگائے ہوئے بے اختیار رو رہا تھا۔ بغیر کسی وجہ کے جملہ احباب جو اس محفل میں شریک تھے۔ حیران تھے کہ کیا معاملہ ہے۔ دوستوں کی تسلّی میرے کچھ کام نہ آئی۔ نگاہِ امر نے ہی کچھ ڈھارس دی۔ آپ نے اس وقت میاں محمدؒ کے چند پنجابی اشعار جو دیوانِ حافظؒ سے ماخذ تھے۔ دوستوں کے سامنے پڑھے۔ کوئی گل و بلبل کا قصّہ تھا۔ کہ بلبل گُل کو چونچ میں لیے رو رہی ہے۔ شاعر اس پر سوال کرتا ہے کہ وصل ہوتے رونا کیا تو بلبل نے جواب دیا۔ ؎

جنہاں دے سر عشق ادلاہا رودن کم انہاں دے
اُٹھدڑے روندے، بہندے روندے، روندے ٹردیاں راہاں

یہی ایک شعر مجھے اب تک یاد ہے اور یاد رہے گا۔ انشاء اللہ رات

کافی ہو چکی تھی۔ فرمایا اپنے اپنے کمرے میں جا کر آرام کرو۔ علی الصباح نمازِ فجر ادا کرتے ہی روانگی ہو گی۔ میرے کمرے کے ساتھی حاجی محمد دین منیجر صاحب اور سائیں حاجی رحیم بخش صاحب تھے۔ میرا حال بدستور تھا۔ انہوں نے مجھے کافی تسلّی دی۔ خیر علی الصباح نمازِ سے فارغ ہو کر ویگن میں سوار ہوئے۔ ہم کوئی پندرہ احباب تھے۔ امیر کارواں ڈرائیور کے ساتھ باقی سب پیچھے۔ وہاڑی سے ملتان کا سفر تقریباً ساٹھ میل کے لگ بھگ تھا۔ میری حالت رات سے ہی خراب تھی۔ اپنی بے بسی اور کم مائیگی کے پیشِ نظر یہی بہتر جانا کہ رومال سے چہرہ چھپا لیا جائے اور روانگی اشک کو جاری رکھا جائے۔ صاحبِ امر کے تصرّفِ عام اور توجّہ خاص سے سب دوست سرشار تھے۔ دوستوں کی گفتگو سے ہی معلوم ہوا کہ اب ملتان آ گیا ہے۔ سڑکیں بازار کاٹتی ہوئی ویگن رواں دواں تھی۔ دربار والی سڑک پر شہر کے تمام مست استقبال کے لیے پہلے ہی سے حاضر ہو گئے تھے یہیں ہنسے والیسی پر ان تمام کو دیکھا۔ جاتی دفعہ تو چہرہ پر رومال ہونے کی وجہ سے انہیں نہ دیکھ سکا۔ صرف مجھے ہٹ جاؤ ہٹ جاؤ۔ جھک جاؤ کی آوازیں ہی سنائی دیں۔ دربار کے دروازہ کے سامنے جب ویگن کھڑی ہوئی قبلہ حضرت صاحبؒ اُترے۔ احباب بھی اور میں سب سے پیچھے۔ قلعہ اور اس کے اوپر سر بفلک گنبد کے جلال نے ظاہری آنکھ خیرہ کر دی میری آنکھیں پہلے سے ہی با وضو تھیں۔ احباب کے ساتھ ہی اندر داخل ہو گیا سبحان اللہ تصرّفِ شیخ نے وہ رنگ دکھایا۔ کہ مزارِ اقدس کے پاس بیٹھتے ہی دنیا بدل گئی۔ رقّت مسرّت میں تبدیل ہو گئی بہت کچھ انکشاف ہوا سب احباب کا حال بھی یہی ہو گا۔ واللہ اعلم۔ مراقبانہ حالت سے جب فارغ ہوئے تو کسی دوست نے نعت خوانی کی اجازت چاہی۔ قبلہ حضرت صاحبؒ نے باہر والی ڈیوڑھی میں اس محفل کے اہتمام کا اشارہ فرمایا۔ چنانچہ دروازہ

کے قریب ہی سب دوست دو قطاروں میں بیٹھ گئے۔ صاحبِ امرِ اپنی نشانِ امر کے تحت اس وقت انتہائی منزل پہ فائز تھا۔ سیّد ریاض الدّین شاہ صاحبؒ نے حسبِ ارشاد قبلہ گاہیؒ و ہاڑی سے ملتان پہنچنے تک ویگن میں ہی بیٹھے ایک سلام صاحبِ مزارؒ کے حضور لکھ رکھا تھا۔ وُہ کھڑے ہو کر پڑھا۔ میں قبلہ حضرت صاحبؒ کے رُخِ انور کو دیکھ رہا تھا۔ چہرہ انور اور عمامہ شریف دونوں سفید اور ایک دوسرے میں جذب۔ ایسا رنگ میں نے پہلے اس ہستی میں کبھی نہ پایا تھا۔ میں دل ہی دل میں حیران تھا کہ یہ کونسی شخصیّت ہے۔ جب شاہ صاحب سلام پڑھ چکے۔ تو اس ہستی نے ایک بے پرواہ انداز میں فرمایا کہ شاہ صاحب اس کے پیر کا سلام بھی پڑھ دو۔ آپ کی مراد حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدّین عمر سہروردی رحمۃ اللہ علیہ سے تھی۔ جن کا سلام شاہ صاحبؒ نے پہلے ہی سے منظوم کیا ہوا تھا۔ ادا شناسی جو قلندر نے عطا کر چھوڑی تھی۔ فوراً کام آئی۔ پہچان لیا کہ "اس کے پیر کا سلام" کہنے والا خود کہاں ہے۔ وقت تھا کہ جو چاہتا پاتا لیکن جرأت نے ساتھ نہ دیا۔ اپنے پاس والے دوست منیجر صاحب کو اس راز سے آگاہی دی اس نے وقت کو غنیمت جانا اور تڑپ کر سامنے آپ کے پاؤں میں گر گیا۔ مجھے یاد ہے کہ آپ نے اپنا دستِ مبارک اس ساجد کی پُشت پر رکھا۔ اور اسی سال ہی اپنے دیارِ پاک کی زیارت نصیب فرمائی "نہ چھوئے گی آگ جس نے دیکھا مجھکو یا دیکھا اس کو جس نے دیکھا مجھکو (الحدیث)" بڑے دروازہ کے سامنے ویگن کھڑی تھی۔ شہر کے مست اب قلندرؒ کے گرد حالہ باندھے ہُوئے۔ دست بستہ کھڑے تھے۔ آپ ہر ایک کو ظاہری باطنی خیرات بانٹتے ویگن میں داخل ہُوئے۔ آپ کا چہرہ جلال و جمال کا اجتماع سکوت برتتے ہوئے۔ واپسی پہ دوپہر کا کھانا اڈہ ٹبہ سُلطانپور جو وہاڑی اور مُلتان کے وسط میں ایک قصبہ ہے کھایا۔ وہاں سے راستہ میں ہی موضع لال

سگھو ایک دوست کے اصرار پر نماز مغرب ادا کی۔ آپ کی توجّہ کا یہ عالم تھا۔ کہ ایک ایک کر کے لپیٹ میں لیا۔ موضع لال سگھو سے واپسی پر سائیں رحیم بخش صاحب (حال مجاور روضۂ اقدس) کی باری تھی۔ اس کی چیخ وپکار اور دوہائی * تو اس نے مجھے تسلّی دیتے ہوئے کہا کہ دیگ کے ڈھکنے کو اُٹھانے سے چاول اچھّی طرح نہیں پکتا۔ ضبط و تحمل سے کام لیا کرو۔ اس راہ میں یہ نالے اکثر نقصان دہ ثابت ہوتے ہیں۔ قبلہ حضرت صاحبؒ تو پہلی سیٹ پر تھے۔ ہم پیچھے۔ اندھیرا ابھی کافی ہو چکا تھا۔ یا موٹر کی آواز تھی یا سائیں صاحب کی چیخ و پکار۔ مرزا صاحبؒ نے سائیں صاحب کو کہا کہ ابھی کل رات آپ چوہدری صاحب کو رونے کے نقائص بیان کرتے تھے اور دیگ کے ڈھکنے کی مثال دیتے تھے۔ آپ نے تو دیگ ہی الٹا دی۔ ڈھکنا تو درکنار رہا۔ صبر کرو آپ کو کیا ہو گیا۔ خیر یہ سفر خوب رقص و سرود گریاں و نالہ کشف و کرامات۔ تصرّف و توجہ سے بھر پُور تھا۔ اندھیرا کافی ہو چکا تھا۔ وہاڑی کی حدُود پر پہنچے ہی تھے۔ کہ کسی نے ویگن روکنے کا اشارہ کیا معلوم ہوا کہ بجائے فیکٹری جانے کے ویگن کا رُخ شہر کی طرف موڑ لیں۔ وہاں رات کے کھانے کا اہتمام ایک تاجر نے کیا ہے۔ گیسوں سے روشن ایک بڑا کمرہ اور چٹائی پر دیواروں کے ساتھ ساتھ گول دائرہ میں مہمانوں کی نشستیں اتفاقاً میرے ساتھ والے مرزا صاحبؒ تھے اور بالکل سامنے دوسری جانب قبلہ حضرت صاحبؒ تشریف فرما تھے۔ میں نے انہیں دیکھا کہ بار بار مرزا صاحبؒ کی طرف اس دورانِ طعام میں دیکھ رہے ہیں۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد دوبارہ ویگن میں سوار ہوئے اور فیکٹری پہنچے۔ عشاء ہو چکی تھی۔ مرزا صاحب نے حضرت صاحب والے کوارٹر میں داخل ہوتے ہی اجازت مانگی کہ قبلہ سونے کو جی چاہتا ہے۔ تھکا ہُوا ہوں۔ آپ فرمانے لگے کہ اچھا مرزا صاحب جائیے۔ آپ کا کام ہی کیا ہے۔ یا کھانا یا سونا۔ میں

* کا رنگ غزالاں تھا۔ اسی رات [illegible] بیٹھے جب میں رو رہا تھا

بھی بغیر اجازت لیے مرزا صاحب کے پیچھے ہو لیا۔ کیونکہ میری جگہ بھی ان کے ساتھ اسی کوارٹر میں تھی۔ جہاں مرزا صاحبؒ نے سونا تھا۔ ہم دونوں اپنے کمرے میں لیٹے لیکن مجھے فوراً خیال آیا کہ میں نے اجازت وغیرہ تو لی نہیں۔ مرزا صاحبؒ نے کہا کہ اجازت لے آئیں میں واپس قبلہ حضرت صاحبؒ کے کوارٹر میں جو آیا تو دیکھا تو ایک نورانی محفل سجی ہوئی ہے۔ مشتاق سرنگوں بیٹھے ہوئے ہیں اور آپ مولانا روم کی مثنوی شریف کے پہلے شعر؎

خشک مغز و خشک تار و خشک پوست

از کجا مے اید ایں آواز دوست

کی تفسیر بیان فرما رہے ہیں۔ اجازت وغیرہ کا تو خیال بھول گیا۔ وہیں بیٹھ گیا۔ آپ کی جادو بیانی سے سب مسحور تھے۔ اور محفل پر ایک کیف سا چھایا ہوا تھا۔ کہ باہر والے صحن کے دروازہ سے ایک پُرزور کراہتی ہوئی آواز آئی "روشن میاں" یہ صاحب بھی ہمارے دوستوں میں سے تھے۔ اور اس محفل میں حاضر تھے۔ قبلہ حضرت صاحبؒ نے کلام بند فرمایا۔ فرمانے لگے۔ دیکھو کون ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ مرزا صاحبؒ ہیں۔ اسی دوران کچھ دوست کمرے سے اُٹھے۔ قبلہ حضرت صاحبؒ بھی صحن میں تشریف لائے۔ اب تک مرزا صاحبؒ صحن میں داخل ہو چکے تھے۔ قبلہ حضرت صاحبؒ کے سامنے آکر زور سے چیخ مار کر کہنے لگے۔ "سرکار میں مر گیا" یہ کہا اور دھڑ سے قدموں میں گر گئے۔ وادیٔ عشق میں تو یہ ایک انوکھا نظارہ ہوگا۔ لیکن میں تو اسے ایک سانحہ عظیم کے الفاظ سے تعبیر کرتا ہوں۔ ہم سب دوست حیران کھڑے تھے مرزا صاحبؒ گرے نہ بولے نہ اُٹھ سکے۔ مجھے یاد ہے کہ کوئی دوست ڈاکٹر کی طرف بھاگا۔ کوئی پودینہ لینے ساتھ والی کیاری چلا گیا کہ شاید ہیضہ ہو گیا ہے مرزا صاحبؒ کو چارپائی پر لٹایا۔ رضائی اوڑھ دی۔ سائیں رحیم بخش صاحب اور میں آمنے سامنے چارپائی کے دونوں طرف فرش پر بیٹھے پاؤں مسل رہے تھے

سائیں صاحب نے مجھے اشارۃً کہہ دیا کہ مرزا صاحبؒ ختم ہو چکے ہیں لیکن
میں نے اشارۃً ہی جواب دے دیا کہ آپ خاموش رہیں۔ کچھ پانچ دس منٹ
گزر جانے کے بعد چہرہ پر سے رضائی اٹھائی تو دیکھا کہ مرزا صاحب (اللہ ان
پر رحمت نچھاور فرمائے) مقصد زندگی حاصل کر چکے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون
مرزا صاحب کا چہرہ زرد۔ زندگی کے آثار نہ پاکر ایک دوست نے ایک چیخ
نکالی لیکن فوراً قبلہ حضرت صاحبؒ نے اسے روک دیا۔ آپ کے الفاظ
"مرزا صاحب اچھی نبھائی" مجھے یاد ہیں۔ اشعار میں قدموں کی بلائیں لینا۔
قدموں میں جان دینا۔ آستانہ پر دم نکل جانا۔ وغیرہ وغیرہ سُنا کرتے تھے
ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ کیسے ایک محب اپنے محبوب کے قدموں
پر نثار ہوا۔ مرزا صاحبؒ کے گھر لاہور میں تار دیا گیا۔ قبلہ حضرت صاحبؒ نے
ہمیں آرام کرنے کے لیے فرمایا اور خود نوافل میں مشغول ہو گئے اور فجر سے پہلے
ہی اس ویگن میں آپ کی میت لیکر روانہ ہوئے۔ بعد دوپہر لاہور پہنچے تار
مل چکا تھا۔ سارا سید مٹھا بازار سوگ میں مبتلا تھا۔ ہماری ویگن پہنچنے پر عجیب
کہرام مچا۔ نمازِ مغرب سے پہلے آپ کو میانی صاحب والے قبرستان میں
سپردِ خاک کیا۔ اللہ ان کی تربت کو نور سے بھر دے۔ تیسرے دن مجھے وہاڑی
والے دوست منیجر صاحب کا خط آیا کہ میرا حال اس عجیب موت سے
قابو سے باہر ہو رہا ہے اور میں محسوس کر رہا ہوں کہ شاید پاگل ہو جاؤں
آپ للہ میری مدد فرمائیں اور قبلہ حضرت صاحبؒ سے میری تسلی
کے لیے عرض کریں۔ میں نے وہ خط قبلہ حضرت صاحبؒ کو دکھایا۔ آپ نے
منیجر صاحب کو جواب میں لکھا کہ اگر مرزا صاحبؒ کی موت آپ کے لیے
ایک انسانی موت کا اثر رکھتی ہے تو وہاڑی میں ہر روز ایسی موتیں ہوتی ہونگی
چاہیئے کہ آپ ہر موت پر اس طرح اثر پذیر ہوں جیسے اب ہوئے ہیں
اور اگر مرزا صاحب کی موت کا اثر جو آپ پر اس وقت مرتب ہے۔ کسی

تعلق کی بنا پر ہے تو جان لو کہ درویش ہر تعلق سے آزاد ہوتا ہے۔ عدم و موجود کو یکساں جانتا ہے۔ مجھے منیجر صاحب نے لکھا کہ قبلہ حضرت صاحبؒ کے اس خط کے آنے سے وہ بحران جاتا رہا اور دل نے اطمینان پکڑا۔ یہ بھی آپ کے ایک سفر کی مختصر داستان۔

تصرّفِ باطنی

آپ اہلِ جذب اور اہلِ سلوک دونوں گروہوں کے بادشاہ تھے اکثر امورِ باطنی اہلِ جذب کے حوالے کرتے۔ اور ان سے اُن کی اپنی زبان میں گفتگو فرماتے۔ جو ہماری سمجھ سے بالا ہوتی۔ قارئین کرام کی تازگی کے لیے میں ایک چھوٹا سا واقعہ اُس مست کا جو آپ کی خدمت میں اکثر حاضر ہوتا لکھتا ہوں ملاحظہ فرمائیں۔

مجذوب کا نام عبدالرحمٰن تھا۔ اچھا جسیم۔ گول چوڑی سفید و سیاہ ڈاڑھی پھٹے پرانے کپڑے اوڑھے ہوئے منہ سے رالیں بہہ بہہ کر ڈاڑھی پر پڑتیں چلتے وقت کچھ کُبڑا سا ہو جاتا۔ چہرہ جلالی لیکن ساتھ ساتھ مسکراہٹ بھی۔ جب بیٹھک میں داخل ہوتا۔ آباّ آباّ کہتا ہوا اسلام کرتا۔ اور ساتھ ہی ہیاّ ہیاّ کہتا ہوا بیٹھ جاتا۔ سردیوں میں بھی بیٹھک میں داخل ہو کر پنکھے کی طرف اشارہ کر کے اپنی انگلی گھماتا کہ پنکھا چلایا جائے۔ ہیاّ کہنے اس کی مراد کچھ کھانے کے لیے ہوتی۔ پانی سے زیادہ گھبراتا۔ جب اس کا نکالنا مقصود ہوتا تو قبلہ حضرت صاحبؒ فرماتے اچھا پانی لاؤ اسے نہلا دیں۔ وہ فوراً دروازہ کے باہر ہو جاتا ایک دفعہ آپ کسی دوست کو ایک مسئلہ بیان فرما رہے تھے۔ شام کا وقت تھا۔ میں بھی سُن رہا تھا۔ لیکن اس مست نے اپنے معمول کی آوازوں سے کچھ رکاوٹ ڈالی۔ ہمارے بند کرنے پر بھی وہ نہ ہٹا۔ قبلہ حضرت صاحبؒ

فرمانے لگے کہ یہ آپ سے بند نہیں ہوگا۔ آپ نے اسے کچھ کہا۔ اور وہ فوراً خاموش ہوگیا۔ کسی اور صبح میں معمول کے مطابق حاضر خدمت ہُوا۔ آپ تھے۔ اور ساتھ والی کرسی پر ایک نوجوان کوٹ پتلون پہنے ہُوئے بیٹھا تھا۔ تیسرا شخص یہ عبدالرحمٰن مجذوب فرش پر بیٹھا تھا۔ قبلہ حضرت صاحبؒ نے اس نوجوان سے میرا تعارف کرایا۔ یہ نوجوان ایک غزنوی عالم کے جو فرقہ اہلحدیث میں ایک بڑے عالم تصوّر کئے جاتے ہیں صاحبزادے تھے۔ ابھی دو چار روز پہلے میں نے اس کا فوٹو ایک انگریزی اخبار میں بھی دیکھا تھا۔ کہ یہ نوجوان پاکستان بھر میں اس سال ایم اے عربی میں اوّل نمبر رہا ہے۔ قبلہ حضرت صاحبؒ سے کچھ تصوّف کی راہیں دریافت کر رہا تھا فاضل عربی ہونے کی وجہ سے کلام میں احادیث و آیات کا زیادہ استعمال کرتا تھا۔ دوران گفتگو میں عبدالرحمٰن مجذوب کو دیکھکر کچھ حقارت بھرے الفاظ کہے کہ یہ گروہ عقل نہ رکھنے کی وجہ سے فضول ہوتا ہے۔ قبلہ حضرت صاحبؒ نے نفی کی۔ خیر وہی تصوّف والا موضوع جاری رہا۔ اسی اثناء میں کچھ دیر بعد عبدالرحمٰن صاحبؒ نے ہیا ہیا کی رَٹ لگانی شروع کردی قبلہ حضرت صاحبؒ نے مجھے فرمایا کہ اسے ایک آنہ دے دیں تاکہ یہ بازار چلا جائے اور کوئی بند وغیرہ لیکر کھالے۔ نوجوان نے فوراً اپنی پتلون کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور کچھ نقدی نکالنے کو ہی تھا کہ عبدالرحمٰن مجذوب نے دو تین دفعہ سر پھیر دیا۔ اور ہاتھ سے بھی کچھ دو تین ایسے اشارے کئے جیسے قمار باز داؤ لگاتے وقت ہاتھ سے پانسے پھینکتے ہیں۔ کیونکہ قبلہ حضرت صاحبؒ نے نقدی دینے کے لیے مجھے فرمایا تھا۔ عبدالرحمٰن نے رُخ میری طرف موڑ لیا۔ میں نے آنہ دیا۔ اور وہ اُٹھ کر چلدیا۔ نوجوان نے کچھ کھسیانے سے ہو کر قبلہ حضرت صاحبؒ سے وجہ دریافت کی کہ آخر اس نے مجھ سے پیسے کیوں نہ لیے۔ قبلہ حضرت صاحبؒ مسکرائے اور فرمانے لگے۔ کہ کیا آپ نے

اس کے ہاتھ کے اشاروں کو نہیں دیکھا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ کہ یہ شخص جوئے باز ہے۔ میں اس کے مال کو حرام سمجھتا ہوں۔ نوجوان کی حیرانگی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ ابھی کچھ منٹ پہلے اسی مجذوب پر معترض تھا۔ اب جب اس مجذوب کے ایک اشارہ سے اس کی قلعی کھُل گئی۔ تو فوراً قائل ہو گیا۔ اعتراف کیا کہ واقعی میں بڑے بڑے ہوٹلوں میں جاکر فلاش (جوئے کی ایک قسم) کھیلا کرتا ہوں۔ آج سے توبہ کرتا ہوں آپ بھی میرے لیے دُعا فرمائیں۔ اس نوجوان کی آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبا رہی تھیں۔ اور قبلہ حضرت صاحبؒ کی کرم فرمائی کی ملتجی تھیں۔ اس حالتِ زار میں اس نوجوان نے قبلہ حضرت صاحبؒ سے یہ بھی کہا کہ میں ڈر رہا ہوں کہ کہیں "والذی خبث لا یخرج الا نکدا" کا مصداق نہ بن جاؤں۔ میں سمجھ گیا کہ یہ اس کا اشارہ اپنے باپ کی طرف ہے۔ قبلہ حضرت صاحبؒ نے فرمایا کہ گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ اللہ عزّوجل کی رحمت بڑی وسیع ہے۔ یخرج الحیّ من المیّتہ پر کلام ختم گیا۔

آپ کی دسترس بین الاقوامی امورِ باطنی پر بھی تھی۔ اس بناء پر کبھی کبھی سرحدوں کا دورہ بھی فرماتے۔ پاکستان کو وجود میں آئے۔ ابھی چار پانچ سال ہی گذرے ہوں گے کہ انتظامیہ میں اچھا خاصہ خلل واقع ہوا آئے دن وزراء تبدیل ہونے لگے۔ تقریباً تمام تر ظاہری افسران بالاخود غرضی کا شکار ہو گئے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک رات عشاء کے بعد میں حاضر خدمت تھا کہ ایک صاحب امر جو عموماً ایسے اوقات میں ہی حاضر خدمت ہوتا۔ اور قبلہ حضرت صاحبؒ سے باطنی مشورے لیتا۔ بیٹھک میں داخل ہوا۔ اور کرسی پر بیٹھتے ہی اس نے اپنے جلالی انداز میں ایک ایک کر کے وزراء کو گالیاں دینی شروع کر دیں۔ غصّہ میں بھرا ہوا قبلہ گاہیؒ کی خدمت میں انتظامیہ کے خلاف شکایات کے انبار لگا رہا تھا۔ اور ساتھ ساتھ عوام النّاس

کی کس مُپرسی کا نقشہ بھی کھینچا جاتا تھا۔ کہہ رہا تھا کہ سرکار ہم سے یتیموں کی آہیں نہیں سُنی جاتیں اور نہ بیواؤں کے سروں سے دوپٹّے اترے ہُوئے دیکھے جاتے ہیں۔ غصّہ کی وجہ سے اس کی آواز کافی بلند تھی۔ میں چونکہ کبھی اس کوچہ سے گذرا ہی نہ تھا۔ اس لیے میری موجُودگی نے اس کے کلام میں کوئی رکاوٹ نہ ڈالی۔ وُہ بے دھڑک صلواتیں سُناتے جارہا تھا۔ میں حیران تو تھا کہ یہ کس قدر بے باک انسان ہے۔ لیکن قبلہ حضرت صاحبؒ کی تحمّل مزاجی اور خاموشی میری ڈھارس بندھا رہی تھی۔ میں نے دیکھا کہ وُہ اپنی بلند آواز میں کہانیاں سنائے جارہا تھا۔ اور قبلہ حضرت صاحبؒ کا چہرۂ انور متغیّر ہو رہا تھا۔ اور چہرہ پر جوش و جلال کے آثار نمودار ہو رہے تھے۔ آخر اسکا قطع کلام کرتے ہُوئے فرمانے لگے۔ شرم کرو اور بکواس کو بند کرو۔ وُہ وقت بھُول گئے۔ جب آپ تمام کے تمام دستہ بستہ میرے پاس آئے تھے۔ اور اس خطّہء زمین کے لیے درخواست کی تھی۔ اُور وعدہ کیا تھا۔ کہ آپ ہمیں پاکستان علیحدہ دلادیں ہم خودُ اس کے انتظام کے ذمّہ دار ہوں گے۔ افسران بالا کی تعیناتی بھی کیا میرے لیے چھوڑ رکھی ہے۔ اگر سنبھال نہیں سکتے تو علیحدگی اختیار کرو۔ میں نے قبلہ حضرت صاحبؒ کے دَوران کلام میں اس شخص کو دیکھا۔ کہ کرسی سے نیچے اُتر کر فرش پر بیٹھا ہُوا ہے۔ اس کا سارا جسم کانپ رہا ہے اور دونوں ہاتھ جوڑے ہُوئے معافی کے کلمات زبان سے نکال رہا ہے۔ اس کا جوش وخروش سب ٹھنڈا پڑا ہُوا ہے۔ یہی کہے جارہا ہے کہ موتیوں والی سرکار مجھے معاف فرمائیں غلطی ہوگئی ایسی شکائیت پھر کبھی زبان پر نہیں لاؤں گا۔

تصوّر

دوستوں میں سے اکثر کو تصوّرِ شیخ کی تلقین فرماتے۔ فرمایا کرتے کہ حقیقتِ امر کے انوار جب ایک درخت پر جلوہ فگن ہو سکتے ہیں۔ توانسان

پر جو اشرف المخلوقات ہے۔ کیوں نہ ہوں۔ ہمارا ایک دوست آٹھوں پہر
تصوّر میں گم رہتا۔ حتیٰ کہ اس سے جگہ اور اوقات کا لحاظ بھی چھوٹ گیا
آپ نے اُسے فرمایا کہ تصوّر میں احتیاط برتا کریں۔ ہر عمل۔ ہر وقت اور
ہر جگہ اس کے موافق نہیں ہوتی۔ اس سے متصوّر کو تکلیف ہوتی ہے
اپنا ایک واقعہ بیان فرمانے لگے کہ اس منزل تصوّرِ شیخ میں ہی ایک
شام اپنے گاؤں کے کھیت میں چارہ کاٹ رہا تھا۔ چارے کی ہری بھری
نالیوں کو بائیں مٹھی میں لیتا اور دائیں ہاتھ سے درانتی پکڑے ہوئے اور
تصوّر پکائے ہوئے چارہ کاٹتا جاتا۔ دوسرے ہی دن قبلہ باباجیؒ کی خدمت
میں حاضر ہونے کا شرف حاصل ہوا تو فرمانے لگے۔ کہ چارہ کاٹتے وقت تصوّر
نہ کیا کرو مجھے اس سے تکلیف ہوتی ہے۔ میرا ایک دوست سعادت
بیعت حاصل کرنے کے بعد اپنے کاروباری سلسلہ میں ترک کنڈی چلا
گیا۔ ابتدائے شوق تھا۔ ہر چند کوشش کی کہ جس ہستی کے ہاتھ میں ہاتھ دیکر
آیا ہوں اس کا تصوّر کبھی تو آئے۔ کافی دیر ایسے ہی حیرت میں گزرنے
پر اس نے مجھے لکھا کہ بیقراری بڑھ چکی ہے۔ تصوّر کالعدم ہے۔ قبلہ حضرت
صاحبؒ سے عرض کریں تاکہ کچھ تسلی ہو۔ میں نے یہ خط قبلہ گاہیؒ کی خدمت
میں پیش کیا۔ مسکرائے اور فرمانے لگے۔ کہ آج کے بعد اسے یہ شکایت نہیں ہوگی
آج رات ملاقات کے بعد وہ خود آپ کو لکھے گا۔ کہ مقام قبض کیسے ٹوٹا۔ اور
کشادگی کیسے آئی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ خود اپنے عالمِ تصوّر کی کیفیات اکثر
بیان فرماتے ایک شام چند دوست حاضرِ خدمت تھے۔ تصوّرِ شیخ ہی
کا باب کھلا ہوا تھا۔ اس ضمن میں آپ نے فرمایا کہ اس کائناتِ حقیقی کا
لاکھ لاکھ احسان ہے۔ جس نے مجھے راتوں رات جملہ انبیا علیہم السّلام کی زیارت
سے ایک ایک کر کے مشرف فرمایا۔ اور علیحدہ علیحدہ ہر ایک سے مصافحہ
کا شرف بھی بخشا۔ یہ صاحب ایک قطار میں دکھائے گئے۔ اور لطف پر

لطف یہ کہ سب سے پہلے صورتِ امر صلی اللہ علیہ وسلّم کو دیکھا اور رفتار ختم ہونے پر سب سے آخر میں بھی انہیں ہی پایا" وصلی اللہ علی حبیبہٖ محمّدٍ والہٖ واصحابہٖ وسلّم"۔

اللہ عزّ وجل کے فضل وکرم سے اب بھی یہ مقدّس جماعت میرے تصوّر میں رہتی ہے۔ اللہ اکبر! یہ تھی آپ کی شانِ تصوّر۔ میرے رشتہ داروں میں سے ایک فقیر دوست تھا۔ جو بدقسمتی سے ایک ہندو جوگی کے سلسلہ "رادھاسوامی" میں پھنسا ہوا تھا۔ قیامِ پاکستان کے بعد یہ شخص قدرتی طور پر اپنے سوامی کی صحبت سے محروم رہا۔ ایک دن میرے ساتھ قبلہ حضرت صاحبؒ کی زیارت کے لیے حاضرِ خدمت ہوا۔ آپ نے اس شخص سے اُس کا سبق پوچھا۔ اس نے چند کلمات ہندی میں بتائے اور عرض کیا کہ ان کلمات کے دوران سوامی جی نے اپنے تصوّر کی بھی تاکید فرمائی تھی۔ قبلہ حضرت صاحبؒ نے فرمایا اس عمل کا کوئی نتیجہ نکلا۔ کہنے لگا کہ کچھ بھی نہیں۔ اسی طرح کو راہوں آپ فرمانے لگے کہ اچھا آج سے اپنے وقتِ مقرّرہ پر یہی سبق پڑھ لیا کریں اور میرا تصوّر رکھیں۔ میں نے علیحدگی میں عرض کیا کہ سرکار اس شخص کا سبق برقرار رکھنے کی کیا علّت تھی فرمانے لگے کہ وُہ ہندی والا سبق ہُو بہو کلمۂ تمجید کا ترجمہ تھا جسے رہنے دیا۔ اس شخص کے راستے میں روکاوٹ متصوّر کی وجہ سے تھی جو ایمان سے خالی تھا۔ محض اخلاق کی بناء پر بانیٔ سلسلہ بنا ہُوا تھا۔ آپ کا مقدّس تصوّر میری زندگی کے ہر لمحہ کام آیا۔ واقعات تو بے شمار ہیں اور تالیفِ کتاب کو بھی اپنے ذاتی مشاہدہ پر رکھا گیا ہے جس میں ہر لحظہ ریا کا خطرہ پوشیدہ ہے۔ اس لیے اس صاحبِ امر کے واسطہ سے حقیقتِ امر کے حضور کسی قسم کی نمود وریا سے پناہ مانگتا ہوں اللہ محفوظ رکھے۔ پانی آخر پانی ہے۔ چاہے ہزار رنگ بدلے۔ میری بھلا بساط ہی کیا ہے کہ ایک بحرِ بیکراں کو گھیر سکوں۔ تصوّر میں گم ہونے کی خواہش

تھی جو اس تحریر سے پوری ہو رہی ہے اور بات بن جا رہی ہے۔ تصوّر کی ابتدائی منازل تھیں۔ شوق بھی تیز تھا۔ یہ قیام پاکستان سے کوئی چند برس پہلے کا واقعہ ہے۔ ان دنوں میں گڑھی شاہو محلہ فیروز دین رہا کرتا تھا۔ ایک اتوار میرے دو دوست میرے مکان پر آئے کہنے لگے کہ قبلہ حضرت صاحبؒ تو سندھ تشریف لے گئے ہیں۔ سُنا ہے کہ مسجد نور واقعہ گنج مغلپورہ ریلوے لائن کے متصل حضرت پیر اسمٰعیلؒ کرماں والے تشریف لائے ہوتے ہیں چلو تینوں ان کی زیارت کر آئیں۔ وُہ نماز ظہر ادا کر چکے تھے۔ انہیں نے کہا کہ آپ جلدی کریں اسی مسجد میں ہی نماز پڑھ لیں میں نے کہا کہ وُہ پیر صاحبؒ ظاہری شریعت کے بہت پابند ہیں۔ سُنا ہے کہ داڑھی منڈھے کو پاس نہیں آنے دیتے اور اس سے نفرت کا اظہار کرتے ہیں۔ مجھے میرے حال پر ہی رہنے دو۔ آپ زیارت کر آئیں۔ لیکن ان کے اصرار پر مجھے جانا ہی پڑا۔ گڑھی شاہو سے ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ مغلپورہ اسٹیشن پہنچے۔ وہاں سے ان دونوں دوستوں نے کچھ مالٹے وغیرہ بطور نذرانہ خریدے۔ کچھ دُور آگے ریلوے لائن کے ساتھ ہی مسجد تھی اس مسجد کے کچھ فاصلہ پر ایک طرف دُور سے ایک محفل دکھائی دے رہی تھی۔ اور ایک بزرگ چارپائی پر بیٹھے بھی دُور سے نظر آ رہے تھے۔ دونوں دوست سیدھے اس محفل کی طرف روانہ ہو گئے اور مجھے مسجد میں نماز ظہر کے لیے چھوڑ گئے۔ میں جب نماز سے فارغ ہُوا۔ تو اس محفل کا رُخ کیا ساری کی ساری محفل مسجد سے نکلتے ہی میری طرف دیکھ رہی تھی۔ سر پہ انگریزی فیشن کے بال۔ داڑھی مونچھوں کا صفایا اور آدھے بازوؤں والی قمیض نے ان کی نفرت کو تقویت دے رکھی تھی۔ میرے دونوں دوستوں کو جو تقریباً آدھ گھنٹہ مجھ سے پہلے اس محفل میں شریک ہو چکے تھے۔ میری حالت زار پر رحم آ رہا تھا۔ میں نے جب محفل کے قریب جا کر سلام علیکم

کہا تو مجھے یاد ہے کہ شاید ہی کسی نے جواب دیا ہو۔ ایک دو صاحب بولے ارے ! جوتے اُدھر ہی اُتار دو۔ میں مارے شرم کے پانی پانی ہو رہا تھا کسی صاحب نے مجھے دُور ہی بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ میں فوراً ڈرتا ڈرتا وہیں بیٹھ گیا۔ اور صف تک بھی پہنچنے کی جرأت نہ ہوئی۔ وُہ چارپائی والے صاحب بڑے جلال والے۔ اچھی گھنی داڑھی اور موٹی موٹی آنکھیں مجھے بیٹھتے ہی فرمانے لگے" کیا نام ہے۔ کہاں سے آئے ہو۔ کس سے ملنے والے ہو۔ شاہ صاحب یہاں سے تشریف لے جا چکے ہیں"۔ ان کی آواز بڑی رُعب دار تھی۔ میں تو اصحاب صفہ سے ہی مرعوب ہو چکا تھا۔ خیر میں نے ان کے سوالوں کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ میں حضرت ابوالفیض قلندر علی سہروردی کا غلام ہوں۔ یہ سُن کر یہ صاحب تو کچھ خاموش ہو گئے۔ لیکن دیگر اصحاب نے ایک ایک کر کے مجھے تیر چبھونے شروع کر دیئے۔ کسی نے کہا کہ صوفی قلندر علی کے مرید کیا ایسے ہوتے ہیں۔ کسی نے کہا کہ میں جھوٹ کہہ رہا ہوں۔ کسی نے کہا کیا آپ کو صوفی صاحب نے شریعت کی پابندی نہیں بتائی وغیرہ وغیرہ۔ میں خاموشی سے ان کی باتیں سہتا رہا۔ دل ہی دل میں کہہ رہا تھا۔ کہ یہ سب جھوٹے ہیں۔ قبلہ حضرت صاحبؒ کے ارشادات کہ ہمارے شیر کو کسی کی بکری کیسے کھا سکتی ہے۔ ہمارا دوست جہاں کہیں بھی ہو ہم اس کے ساتھ ہوتے ہیں۔ یہ سب یکے بعد دیگرے دل و دماغ میں جگہ لیئے ہوئے تھے۔ کوئی اس کیفیت کو پندرہ بیس منٹ ہوئے ہوں گے۔ کہ چارپائی والے صاحب نے اس جماعت کو ایسی باتیں کہنے سے روکا اور خود کمبل اُوڑھ کر فرمانے لگے۔ کہ مجھے پانچ دس منٹ آرام کر لینے دو۔ میں جان گیا کہ یہ صاحب اہلِ شہود سے نہیں ہے۔ اپنے پر غنودگی طاری کر کے کچھ دیکھنا چاہتا ہے۔ کوئی پانچ منٹ کے بعد ان کے خرّاٹوں کی آواز آنے لگی۔ بمشکل اور پانچ سات منٹ گزرے ہوں گے۔ کہ یہ صاحب فوراً کمبل منہ سے سرکا

کر اٹھ بیٹھے میری طرف دیکھکر مُسکرائے اور مجھے پاس آنے کا اشارہ کیا۔ فرمانے لگے کہ بابو صاحب کیا آپ حافظِ قرآن بھی ہیں۔ آپ تو نورٌ ہیں ہیں ان دِنوں تفسیر مواہب الرحمٰن کا مطالعہ کیا کرتا تھا۔ اور اس میں اچھا خاصہ محو تھا۔ میں نے بتایا کہ حافظ تو نہیں ہوں۔ قرآن کا شوق ضرور ہے۔ اُن صاحب کے پاؤں پر کچھ ورم سا تھا۔ فرمانے لگے کہ بابو صاحب ذرا اس پہ دم کریں میں نے کہا کہ کبھی دم کیا نہیں۔ یہ صاحب اُدھر میری تعریف میں کلمے کہتے جاتے تھے۔ اِدھر میں قبلہ حضرت صاحبؒ کے تصوّر میں گُم تھا۔ اور ان کے قدموں کی بلائیں لے رہا تھا۔ کہ کیسی مدد فرمائی ساتھ ہی ساتھ محفل کے پندرہ بیس اشخاص جو چند منٹ پہلے مجھے نفرت کا نشانہ بنائے ہوئے تھے۔ میرے اِردگرد جمع ہو کر مجھ سے محبّت بھرے الفاظ میں گفتگو کرنے لگے۔ کوئی میرا پتہ پوچھے۔ کوئی میرا علم میں بے نیازی کے عالم میں کسی کو کوئی جواب نہیں دیتا تھا۔ اپنے شیخؒ کے تصرّف کے مزے اٹھا رہا تھا۔ یہ چارپائی والے صاحب بعد میں معلوم ہُوا کہ اپنے شیخ کرماں والے کے ارشاد کے موجب اس مسجد نور کے امام مقرّر ہیں۔ آپ کا نام محمدؐ چراغ شاہ ہے۔ قبلہ حضرت صاحبؒ کے تصرّف کی طاقت تو دیکھئے کہ مولوی چراغ شاہ صاحب نے آخر اس بھری محفل میں مجھ سے کہا کہ نمازِ عصر کا وقت ہو رہا ہے۔ آپ ہم سب کو جماعت کرا دیں۔ میں نے معافی چاہی اور ہم تینوں دوست ایک ایک سے بغلگیر ہو کر واپس آئے۔

اسی قسم کا ایک اَور واقعہ میرے ساتھ گولڑہ شریف پیش آیا۔ اس وقت قبلہ حضرت صاحبؒ ظاہری حیاتِ طیّبہ سے انتقال فرما چکے تھے مجھے کسی سرکاری کام راولپنڈی جانا تھا۔ وہاں پہنچ کر خیال آیا کہ کیوں نہ ہو۔ رات بجائے پنڈی کے گولڑہ شریف ہی گزاروں۔ نمازِ مغرب کے کچھ بعد وہاں پہنچا۔ سردیوں کے دن تھے۔ وہاں کے کسی خدمت گار سے

مجھے ایک کمرہ دیا۔ اور ایک بستر رات کا کھانا بھی لنگر سے آیا۔ رات بڑی سہانی تھی۔ رات کی رانی کے پودوں سے ساری فضا مہک رہی تھی مسجد میں نماز عشاء ادا کی۔ اور بعد میں حضرت مہر علی شاہ صاحبؒ کے مزار اقدس پر حاضری دی۔ کافی رات بیٹھا رہا۔ لیکن کوئی نتیجہ ظاہر نہ ہوا۔ علی الصباح نماز فجر کے بعد معلوم ہوا کہ آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت غلام محی الدین صاحب مدظلہٗ اس نالہ کے دوسری طرف اپنے دیوان خانہ میں تشریف فرما ہیں۔ سورج نکل چکا تھا۔ دیدار سے مشرف ہوا فرمانے لگے کہ کیا کام ہے۔ میں نے اپنی عورت کی بیماری کا بہانا بنایا۔ فرمانے لگے کہ دربار واپس چلے جاؤ۔ وہاں ایک بزرگ بیٹھے ہوں گے۔ ان سے دوائی اور تعویذ وغیرہ لے لیں۔ کچھ لوگ آپ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے۔ مجھے بیٹھنے کی اجازت نہ ملی۔ میں کچھ کھسیانا سا ہو کر واپس آگیا۔ دربار سے ملحقہ مکانات میں سے ایک جگہ کوئی مدنی صاحب رہتے تھے۔ ان کا نیاز حاصل کیا۔ معلوم ہوا کہ ابھی دس بجے سے بارہ بجے تک یہاں بڑے کمرہ (ہال) میں محفل سماع منعقد ہو رہی ہے۔ چاہا کہ اس محفل کی حاضری کے بعد ہی لاہور واپس جاؤں محفل سماع کا آغاز ہوا۔ صرف ایک ستار اور ایک طبلہ کی سنگت سے۔ دو تین گول قطاروں میں اہل ذوق موجود تھے۔ صاحبزادہ مدظلہٗ محبوب ستار نواز کی ایک جانب دوستوں کے خطوط کے جواب لکھے جا رہے تھے۔ سماع کا سماں بندھ رہا تھا۔ ستار نواز کے سامنے نوٹوں کا ڈھیر لگ رہا تھا۔ تقریباً تمام عقیدتمندوں نے حصہ لیا۔ میں نے ابھی دو سال ہوئے حج کا فریضہ ادا کیا تھا۔ مناسب سمجھا کہ اپنے آپ کو حضور علیہ السلام کی دہلیز کے پاس جگہ دوں اور قبلہ حضرت صاحبؒ کے تصور میں گم ہو جاؤں سماع کے اثر سے صاحبزادہ مدظلہٗ وادئ انکشاف میں آ چکے تھے۔ پہلے واقعہ میں جیسے کہ بیان کر چکا ہوں۔ غنودگی انکشاف کا ذریعہ بنی۔ اب ان صاحبزادہ کے لیے سماع۔ خیر جب محفل ختم ہوئی

آپ اٹھے اور ایک پُر رُعب انداز میں آواز دی "عبداللہ" جب عبداللہ نامی صاحب نے دست بستہ حاضری دی تو اسے دُور سے ہی میری طرف اشارہ کرکے فرمانے لگے کہ ان مولوی صاحب کا خاص خیال رکھنا۔ صاحبزادہ خود تو اپنے دیوان خانہ میں تشریف لے گئے۔ لیکن میں نے دیکھا عبداللہ صاحب کے ساتھ ایک جماعت مجھے گھیرے ہوئے ہے۔ میں نے ان سے مزار اقدس کی دوبارہ حاضری کی اجازت مانگی۔ وہاں حاضر ہُوا تو صاحب مزارؒ کی توجہ بھی اثر پیدا کرنے لگی۔ ساری رات تو کچھ نہ بنا تھا۔ اب آتے ہی معاملہ شروع ہو گیا۔ فرمانے لگے کیا چاہتے ہو۔ ابھی دل میں خیال آیا ہی تھا کہ کہوں کہ ہمارے آقا و قبلہ حضرت صاحبؒ کے مزار کی رونق بھی ایسی ہی ہو۔ تو فوراً قبلہ حضرت صاحبؒ نے ایسا معلوم ہُوا کہ میرے منہ پر دست مبارک رکھ دیا ہے۔ اور خاموشی کا حکم دے رہے ہیں۔ خیر کچھ نہ کہا اور نہ کچھ مانگا۔ فارغ ہونے کے بعد عبداللہ صاحب اور اُن کے ساتھی مجھے ایک خصُوصی طعام گاہ میں لے گئے۔ اور مہمانِ خصُوصی کی حیثیت بخشی۔ کھانے کے بعد ساتھ والے ہوٹل سے چائے پلائی اور بس کا ٹکٹ خرید کر مجھے دیا۔ قبلہ حضرت صاحبؒ کے مزار اقدس کی جگہ پوچھی اور پتہ نوٹ کر لیا۔ مجھے اپنی کم مائیگی اور ہیچمدانی کا پوری پوری طرح احساس ہو رہا تھا۔ میں سمجھ رہا تھا کہ سب کی سب قدردانی اور عزّت افزائی اس کُتّے کی نہیں بلکہ اس پٹّہ کی ہے جو قلندر نے اس کے گلے میں ڈالا ہُوا ہے۔ اور لُطف یہ کہ اس پٹہ کو بھی جو ہر دوست پہنے ہُوئے ہے۔ عوام النّاس کی نظروں سے اوجھل رکھا ہے اور سوائے اولی الامر حضرات کے کوئی اس پٹہ کو نہ چھُو سکتا ہے اور نہ دیکھ سکتا ہے۔ ؎

کیسی مزے کی بھیک بس اُس پاک در کی ہے

شکایات و آزمائش

یہ آپ کی ہی شان تھی کہ ہر دوست کا تزکیہ اسی کی طبیعت کے رجحان کے مطابق کر دیتے۔ مجھے حاضری کی پابندی کی تاکید فرماتے۔ اگر کسی دن ناغہ ہو جاتا تو باز پرس کرتے۔ میں حیران ہوتا کہ اکثر دوست کئی کئی دن حاضرِ خدمت نہیں ہوتے اور اُن سے کچھ نہیں کہا جاتا۔ حج کے ڈیڑھ سال بعد جب تک آپ ہمارے ساتھ ظاہری زندگی میں رہے مجھے صبح شام دونوں وقت حاضری کا حکم ہُوا۔ دوسرے وقت رات گئے جب گھر جاتا۔ تو بوڑھے والدین سخت گھبرائے ہُوئے ہوتے۔ اکثر اوقات مجھے غصّہ میں گالیاں بھی دیتے۔ سارا دن دفتر۔ صبح شام حاضری بھلا ایسے میں بچّوں کی تربیّت کا کہاں وقت ملے۔ آخر ایک دن کچھ تنگ سا آکر آپ کی خدمت میں پھٹ پڑا۔ آپ میری تیز کلامی نہائت تحمّل مزاجی سے سُن رہے تھے۔ فرمانے لگے۔ تسلّی رکھیں سب کام انشاء اللہ ٹھیک ہو جائیں گے۔ والدین کی گالیاں ہی آپ کی ترقی کا سبب بنے گیں۔ والدین کی خدمت کا آپ کو کافی وقت مل جائے گا۔ بچّوں کی عادات بھی ٹھیک ہو جائے گی۔ سب کچھ سُننے کے باوجُود میری گرم کلامی میں کوئی کمی واقع نہ ہُوئی۔ میری عقل پر پتھّر پڑ گئے۔ فرمانے لگے۔ کہ دفتر کی زندگی تو آپ کی پُر آسائش ہے وہاں تو آپ کو کسی قسم کی تکلیف نہیں۔ مجھ سے غلطی پر غلطی ہُوئی کہ اس تیز روی میں اپنے زورِ کلام سے دفتری اوقات کو بھی سوہانِ روح گردانا۔ عرض کیا کہ اس پُر فتن دَور میں دفتری بابو بھلا مجھ جیسے مولوی ٹائپ کو کہاں چھوڑتے ہیں۔ میری داڑھی پر زبانِ طعن دراز کرتے ہیں۔ آپ نے مجھے کون سی طاقت دے رکھی ہے کہ ان کی زبانیں بند

کروں وغیرہ وغیرہ سب کچھ بکتا گیا۔ اور سب جھوٹ تھا۔ آپ سراپا خاموش تھے۔ میں نے یہ نہ جانا۔ میں بے ادب و گستاخ ہو چکا ہوں اور اور یہی خیال لیے ہوئے کہ قبلہ حضرت صاحبؒ کو میری شکایات کا کوئی جواب بن نہیں پڑا۔ سر مغرب ہی واپس دھرم پورہ گھر آگیا۔ رات میں نے خواب دیکھا کہ میں ایک ریڑہ نما تانگہ پر کھڑا ہوں۔ میرے اردگرد دو چار بڑے بڑے صندوق ہیں۔ تانگہ کا گھوڑا نہایت تند و تیز اور طاقتور ہے۔ اس کی باگیں میرے دونوں ہاتھوں میں مضبوطی سے پکڑی ہوئی ہیں۔ لیکن کمال یہ کہ وہ گھوڑا بجائے آگے دوڑنے کے تیزی سے پیچھے دوڑ رہا ہے۔ ہر دنیاوی رفتار اس کے آگے ماند نظر آتی ہے۔ میں خود اور میرے ساتھ والے صندوق ہچکولے کھاتے گرنے کے قریب ہوتے ہوئے لیکن پھر سنبھلتے ہوئے سڑک پر پیچھے ہی پیچھے جا رہے ہیں۔ خدا جانے کتنے سو میل کا سفر اس گھوڑے نے مجھے کرایا۔ آخر ایک کھیت میں جس میں مٹی کے بڑے بڑے ڈھیلے نظر آ رہے تھے۔ وہ گھوڑا تانگہ سمیت رکا۔ میرے ڈر کی کوئی انتہا نہیں تھی۔ میں جب جاگا تو شکر کیا کہ ابھی زندہ ہوں خواب بالکل واضح تھی۔ اس لیے قبلہ حضرت صاحبؒ کو سناتے بھی شرم آتی تھی بہتر سمجھا کہ جیسے بتایا گیا ہے ایسے ہی معافی مانگی جائے۔ صبح کو حاضرِ خدمت نہیں بلکہ حاضرِ قدمت ہوا۔ جتنی دیر حاضری دی۔ اپنے سر کو قدموں پر ہی تصوّر میں رکھ چھوڑا۔ شام کو بھی ایسے ہی کیا۔ کئی میل کا سفر واپسی تھا۔ کئی دن اپنا عجز و نیاز ایسے ہی پیش کرتا رہا۔ آخر رحمتِ عالم جوش میں آئی۔ جہاں سے بھرا تھا۔ وہیں لا کھڑا کیا۔ آپ کے وصال کے بعد چھ سال کا عرصہ والدِ بزرگوارم اور آٹھ سال کی مدّت والدہ محترمہ کی خدمت کے لیے پائے۔ جیسا کہ کہیں پہلے عرض کر چکا ہوں۔ آپ کی ظاہری بود و باش ایک امیرانہ ٹھاٹھ رکھتی تھی۔ بادی النظر میں ایسا معلوم

ہوتا تھا۔ کہ فقیری و درویشی کا رنگ اس گھرانہ میں نہیں دیا گیا۔ دونوں کی ظاہری حالت بھی ایسے ہی دکھائی دیتی تھی۔ ہمارے ایک دوست نے مجھے بتایا کہ وُہ اسی غرض سے التجائے بعیت لایا کہ یہ بڑوں کی جماعت ہے۔ اُن سے تعلّق پیدا ہو جائے گا۔ اور زندگی کے دن اچھے گزریں گے۔ پیر کا دیوان خانہ بجلی کے پنکھوں سے آراستہ ہے عقیدتمندوں کو بیٹھنے کے لیے کرسیاں ملتی ہیں۔ نہ اُن کے کپڑے پھٹے پُرانے ہیں اور نہ ہی یہ دو زانو ہو کر فرش پر پیر کے سامنے زانوئے اُدب تہ کرتے ہیں۔ اگر اس سلسلہ میں داخل ہونے پر حقیقت امر کا کچھ پتہ چل گیا تو خیر ورنہ دُنیا کی سرفرازی تو کہیں نہیں گئی۔ اونچے طبقہ سے تعلّق ہو گا۔ اور دُنیاوی آسائش میسّر آئے گی۔ مجھے یہاں ایک حدیث شریف یاد آگئی۔ ایک صحابی حضورؐ علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی خدمت اقدس میں حاضر ہوُا۔ عرض کیا یارسُول اللہ میں آپ سے محبت کرتا ہوں آپؐ نے فرمایا۔ ذرا دیکھ تو کیا کہہ رہا ہے۔ اس صحابی نے پھر وہی الفاظ دوہرائے آپ نے بھی وہی فرمایا کہ ذرا سوچ کیا کہہ رہا ہے۔ جب تیسری بار اس صاحب امر نے یہی الفاظ تین بار بیک وقت یعنی انّی احبک۔ انّی احبک انّی احبک یا رسُول اللہ دوہرائے تو فرمایا۔ کہ اچھا فقر کے لیے پاکھر طیار کر چھوڑ۔ قسم ہے۔ اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے نہیں پہنچتا نالہ اپنے سرے کو اتنی جلدی جتنی جلدی پہنچتا ہے فقر اُس شخص کو جو دعویٰ کرتا ہے مجھ سے محبّت کا + میں نے اس حدیث شریف کا مشاہدہ اپنے قلندرؒ کی وابستگی میں کیا متقدمین دوستوں میں سے بعضوں نے اشارۃً کبھی کبھی مجھ سے کہا کہ اس راہ میں ذرا بچ کر چلو اگر اس مرد کی پکڑ میں آگئے تو سب کچھ کھو بیٹھو گے۔ دُنیاوی قلندر تو ریچھ نچایا کرتے ہیں۔ اور یہ روحانی قلندر انسان نچایا کرتا ہے۔ اُن کی ظاہریّت

کی طرف نہ جانا۔ یہ بڑے سخت ہیں اور جس کو زد میں لیتے ہیں بڑی بے رحمی سے پیس ڈالتے ہیں۔ میں نے ان دوستوں کی باتوں پر کوئی خاص توجہ نہ دیتی بلکہ اُلٹا ان کو اپنے جواب سے خاموش کر دیتا کہ ہم سے تو قبلہ حضرت صاحبؒ کا سلوک شفقت و پیار سے بھرا ہوا ہے۔ ہم جب سے یہاں آئے ہیں بڑے مزے لے رہے ہیں صحبت کے چند سال بعد ہی دردِ کمر شروع ہُوا۔ یہ ایک خلوتی درد (DEAD PAIN) تھا جس کی کیفیت صاحبِ درد یا صاحب کرم کے سوا کسی تیسرے شخص کو معلوم نہیں تھی۔ حسبِ ارشاد درد کا علاج جاری رکھا اور درد بڑھتا گیا۔ دفتری زندگی میں اس درد سے کوئی روکاوٹ نہ آئی۔ سائیکل پر بیٹھتے سائیکل سے اترتے۔ کرسی پر بیٹھتے۔ اور کرسی سے اُٹھتے ان اوقات میں درد محسوس ہوتا۔ ورنہ دوامی حالات میں یہ درد خلوت گزیں رہتا۔ راتوں کو کروٹ بدلتے یہ درد شدّت اختیار کرتا۔ اور ساری ساری رات جگائے رکھنا شغل کے طور پر دوستوں کے مشورہ سے لاہور کے بڑے بڑے ڈاکٹروں اور حکیموں کی فہرست تیار کر چھوڑی اور یکے بعد دیگرے ہر ایک سے علاج کرایا۔ لیکن کوئی افاقہ نہ ہُوا۔ جب حاضرِ خدمت ہوتا۔ قبلہ حضرت صاحبؒ کے ہاتھ چُومنا چاہتا تو آپ تخت پوش پر بیٹھتے ہی اپنا دستِ مبارک اُوپر میرے منہ کے قریب لے جاتے تاکہ مجھے جھکنا نہ پڑے۔ مُسکراتے۔ اس بارگاہ میں تو درد کا رونا رونا ہی تھا۔ مجھے یاد ہے کہ میں ایک روز کسی دوست کے مشورہ پر ایک فاضل حکیم قریشی صاحب کے پاس پہنچا۔ اس نے میرا ہاتھ نبض دیکھنے کے لیے جو پکڑا۔ میری آنکھوں سے آنسو بہنے شروع ہو گئے۔ وہ حکیم صاحب حیران ہو کر پوچھنے لگے کہ آخر رونے کی کیا وجہ ہے۔ میں نے بتایا کہ یہ ہاتھ جس کے ہاتھ میں دیا ہُوا ہے۔ اس کی ستم ظریفی تو دیکھئے۔ کہ اس ہاتھ کو غیروں کے ہاتھ میں پکڑائے

ہوئے ہے۔ حکیم صاحب کچھ نظر رکھتے تھے۔ فرمانے لگے کہ میں آپ کا علاج کرنے سے معذور ہوں۔ اس صاحبِ کرم کی طرف رجوع کرو۔ یہ درد پورے چار سال رہا۔ اس درد کے دوران آپ نے ایک اور کرم فرمائی کی۔ فرمانے لگے کہ سورۃ یوسف علیہ السّلام حفظ کرو۔ اور اسے بطور وظیفہ پڑھا کرو۔ درد کی وجہ سے نیند تو آتی نہیں۔ درد کا کچھ فائدہ ہی اٹھاؤ۔ فرمانے لگے۔ یہ ہمارے سلسلہ کا ایک سبق بھی ہے۔ چند دنوں میں میں نے سورۃ یاد کرلی۔ اور اسے حسبِ ارشاد پڑھنا بھی شروع کردیا۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ اس سورۃ میں گوناگوں کلفتوں کے علاوہ جیل خانہ کی چار دیواری بھی دیکھنی ہے۔ میں تو مصر کی بادشاہیت کے خواب دیکھ رہا تھا۔ بڑے ذوق وشوق سے وظیفہ جاری رکھا۔ اس دفتری زندگی میں جو کام میرے سپرد تھا۔ اس سلسلہ میں مجھے ہر ماہ میں دو تین بار عدالتِ سرکار جانا پڑتا تھا۔ اس صاحبِ امر نے کچھ ایسا چکر چلایا کہ ایک مقدمہ میں ریلوے کی اپیل پر بڑی عدالت نے چھوٹی عدالت کے جج کو جس نے پہلا فیصلہ کیا تھا۔ نظرِ ثانی کے لیے مثل واپس بھیجی اور اسے اس کے غلط فیصلہ پر کچھ تنبیہہ بھی کی۔ اس جج نے اپنا سارا غصہ مجھ پر نکالا۔ مجھے دو چار پیشیوں میں مجبور کرتا رہا۔ کہ بیان کا بوجھ میں خود اپنے ذمہ لوں جب میں نے انکار کیا تو اسی غیض وغضب میں اس نے حکم دیا کہ اس مولوی کو ہتھکڑی لگا لو۔ میرے دونوں ہاتھوں میں ہتھکڑیاں لگی ہوئی۔ میرے ساتھ دو پولیس کے سپاہی۔ میں سر اور پاؤں سے ننگا۔ مجھے پیدل عدالتِ عالیہ سے ضلع کچہری لے جارہے ہیں۔ ے

بیا جاناں تماشہ کُن کہ در انبوہ جانبازاں
بصد سامانِ رسوائی سرِ بازار می رقصم (عثمان ہارونیؒ)

ضلع کچہری میں ایک تاریک سی کوٹھڑی میں جو پیشاب کے تعفّن

سے بھری پڑی تھی ۔ کوئی آدھ گھنٹہ ٹھہرانا پڑا ۔ میرے ساتھ اور بھی ملزم تھے ۔ خیر آدھ گھنٹہ بعد ہماری حاضری ہوئی اور ہمیں ایک بند گاڑی میں سنٹرل جیل پہنچایا گیا ۔ تلاشی ہوئی ۔ جراثیم سے بھرا ہوا اپنے حصّہ کا کمبل اٹھایا ۔ اور ایک بیرک میں اپنی مخصوص جگہ پر بیٹھ گیا ۔ جمعہ کا دن تھا ۔ عصر کے وقت داخل ہوا ۔ اور دوسرے دن عصر سے کچھ پہلے ہی ضمانت پر نجات ملی ۔ یہ چوبیس گھنٹے جن میں ایک رات اور دو دنوں کے حصّے آتے ہیں میری زندگی کی عجیب گھڑیاں تھیں ۔ ان ساعتوں میں جو کچھ مجھ پر گزری اور جو کچھ میں نے مشاہدہ کیا ایک علیحدہ طویل داستان ہے ۔ میں اسے اپنی ابتلائے خوف کی انتہائی منزل سمجھتا ہوں جس وقت سے دونوں ہاتھ باندھے گئے تھے ۔ اس وقت سے لیکر رہائی تک ہر بنِ مُو سے صدائے استغفار سنائی دیتی تھی ۔ مزے کی بات یہ تھی کہ ایک طرف سارے کے سارے محکمہ ریلوے میں میری اسیری کا شور پڑ گیا اور دوسری طرف قبلہ حضرت صاحبؒ نہایت خاموشی سے ایک دن پہلے ہی اپنے آبائی وطن سیالکوٹ تشریف لے گئے اور جاتی دفعہ اپنے چھوٹے صاحبزادے کو کہہ گئے کہ کل یہ واقعہ ہونا ہے ۔ اگر بابو یوسف کے دفتر کے دوست یا اس کے گھر والے یہاں آئیں تو انہیں تسلّی دیں ۔ اور کہنا کہ فکر کی کوئی بات نہیں ۔ اختصار کے پیشِ نظر صرف ایک دو باتیں تحریر کر دیتا ہوں تاکہ شانِ قلندر کا تصرّف جیل کے اندر معلوم ہو جائے ۔ اس ایک بیرک میں جہاں میری جگہ تھی ۔ کوئی ڈیڑھ دو سو کے قریب افراد تھے ۔ عشاء کے وقت انہوں نے اصرار کیا کہ یہاں نماز با جماعت ادا کی جائے ۔ اور مجھ اسیر کو امام بنایا جائے ۔ سب کے سب اپنے اپنے ٹھیکروں پر باوضو کھڑے ہوگئے اور میں نے عشاء کی جماعت کرائی ۔ دور پیچھے سے کوئی بولا کہ مولوی صاحب کوٹھی والوں کے لیے بھی دعا فرمائیں ۔ اس کے کہنے سے میں سمجھ گیا کہ ان کی

مراد پھانسی والوں سے ہے۔ اس بیرک میں ایسے چار ملزم تھے۔ پہلوان قسم کے اور اپنے آپ کو حضرت شاہ محمد عوثؒ کے مجاوروں سے ظاہر کرتے تھے قبلہ حضرت صاحبؒ کا تصور کام آیا مجھے بعد میں معلوم ہُوا کہ وُہ چاروں بَری ہو گئے۔ اور وُہ مجھے دفتر ملنے بھی آئے۔ اجتماع ضدیں تو ملاحظہ ہو کہ ایک طرف اسیری اور دوسری طرف صبح کا ناشتہ مغز بادام کی سردائی اور پراٹھہ، مشقت معاف جو کسی حالت میں بھی ایک حوالاتی سے اُٹھ نہیں سکتی۔ اس جیل کے عرصہ میں جو کوئی بھی مجھے ملا اس نے یہی پوچھا کہ کس کے ملنے والے ہو۔ میری اسیری کے متعلق طرح طرح کے الزامات تراشے گئے۔ بہتر جانا کہ ملازمت چھوڑ دوں۔ قبلہ حضرت صاحبؒ سے عرض کیا تو فرمانے لگے۔ کہ اہل دُنیا کی باتوں کو دل میں جگہ نہ دو۔ دفتر کے جس کونے میں بیٹھے کام کر رہے ہو۔ وہیں رہنا ہے۔ اور کام کرنا ہے۔ انشاءاللہ ہر چیز راست آئے گی۔ درخواست کی کم از کم اُس بدگو سرجنٹ سے انتقام لیا جائے جس نے بے گناہ کو زیر حراست رکھا۔ فرمانے لگے کہ فقیر کسی کے لیے بددُعا نہیں کرتا۔ اور سر امر رضا کے حوالے کر دیتا ہے۔ وادیٔ رضا میں اختیارات سلب ہوتے ہیں۔ رہائی کے دس دن بعد تاریخ پیشی تھی جب حاضر عدالت ہُوا۔ تو فاضل منصف نے بتایا کہ میرے مقدمہ کی کوئی مثل موصُول نہیں ہُوئی اور نہ ہی میرے خلاف کوئی مقدمہ ہے۔ اس دن سے ابھی تک ضمانت پر ہی رہا ہوں۔ ؎

اس نے اپنا بنا کے چھوڑ دیا
کیا اسیری ہے کیا رہائی ہے

آپکی ظاہری حیاتِ طیبہ کے بعد خیال تھا کہ آزمائشوں والا چکر شاید ختم ہو گیا۔ اور اب بشارت ہی بشارت ہو گی۔ ضمناً آپ کا ایک قول جو آزمائشوں سے متعلق ہے۔ تحریر کئے دیتا ہوں۔ ایک دن کا ذکر

ہے۔ کہ آپ بابا غلام محمدؒ ریٹائرڈ مستری جو آپ کا درویش تھا اور سارا دن بیٹھک میں رہتا تھا۔ میرے سامنے اسے فرما رہے تھے کہ بابا آپ نے سنا ہوگا کہ اگر ایک خشک مینڈک کو پیس کر اس کا برادہ ہلکی ہلکی بارش کے وقت زمین میں گرا دیا جائے تو ہر ذرہ چھوٹی چھوٹی مینڈکیاں کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ جو اس بارش میں زمین پر پھدکتی دکھائی دیتی ہیں۔ بعینہٖ اگر ہم چاہیں تو کسی ایک سہروردی کو پیس کر روئے زمین پر بکھیر دیں جس سے لاکھوں کی تعداد میں سہروردی نظر آنے لگیں واقعہ یہ ہے کہ ابھی تک ہم نے کسی ایک کو پیسا نہیں۔ کیوں کیا خیال ہے۔ میں دل ہی دل میں ڈر رہا تھا۔ خاموش رہا۔ چاہا کہ زبان سے کہلایا جائے کہ قبلہ پیس ڈالیں۔ حاضر ہوں۔ لیکن جرأت نہ ہوئی۔ خیر وقت گزر گیا۔ وصال کے بعد نئی آزمائشی گھڑیاں نمودار ہونے لگیں جن کے بیان سے سکوت اختیار کرنا ہی بہتر جانا۔ آزمائش۔ بلا۔ فتنہ۔ ابتلا یہ سب ہم معنیٰ الفاظ ہیں۔ اپنی نوعیت میں عذاب، عقاب، عتاب سے ملتے ہیں۔ لیکن اپنے اندر ابتدا، اور انتہا میں اختلاف رکھتے ہیں۔ پہلے قبیلہ کی علت نامعلوم اور انجام بخیر ہوتا ہے۔ جب کہ عذاب و عتاب وغیرہ کسی گناہ کی پاداش میں ہوتے ہیں۔ اور جن کا انجام رسوائی و سفلی ہوتا ہے۔ دورانِ آزمائش میں توفیقِ توبہ و استغفار شامل حال رہتی ہے لیکن عذاب میں یہ توفیق نصیب نہیں ہوتی۔ اور اس کی جگہ شکوہ و شکایت حاصل کر لیتے ہیں۔ آزمائش ہو یا عذاب دونوں میں کسی کی مدد کام نہیں دیتی۔ ہاں آزمائش میں عوام النّاس کی ہمدردی اور اولی الامر حضرات کی طرف سے حوصلہ افزائی ضرور ہوتی ہے۔ جو دورانِ عذاب میں نہیں ہوتی آزمائش میں وارد ہونے والے افعال کے قرائن پکڑ میں آنے والے راہبر کی تسلّی کا کبھی کبھی باعث بن جاتے ہیں۔ آزمائش کا بلا واسطہ تعلّق حقیقتِ امر

سے ہوتا ہے۔ برعکس عذاب کے جو صاحبِ امر کی وساطت سے ٹل سکتا ہے۔ وجہ واضح ہے کہ آزمائش میں درجے بلند ہوتے ہیں۔ اس لیے درمیانی واسطوں کا انقطاع ہوتا ہے۔ راہ سلوک میں خوف۔ جوع اور جان و مال ثمرات کے نقصان لازمی طور پر آنے ہی ہیں۔ ان کو کوئی نہیں روک سکتا اور ساتھ ہی ساتھ یہ ہر ایک کا نصیب نہیں ہوتا کہ آزمایا جائے۔ یہ صاحبِ امر حضرات پھولوں کی خوشبو سونگھا کر کانٹوں میں الجھا دیتے ہیں۔ بی۔ پی کی ڈبل روٹی جب نئی نئی پاکستان میں تیار ہونے لگی تو کسی دوست نے حضرت صاحبؒ سے اس کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ سرکار یہ ڈبل روٹی کے ملفّف ٹکڑے اپنی ابتدائی حالت یعنی میدہ سے لیکر موجودہ حالت تک بغیر ہاتھ لگائے طیار ہوتے ہیں۔ میدہ والی بوری کو ایک جگہ ڈال دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد مشینیں خود بخود اپنا کام کرتی ہیں۔ کہیں یہ میدہ گوندھا جاتا ہے۔ کہیں خمیر ہوتا ہے۔ کہیں پکتا ہے۔ اس طرح یہ مشینی چکروں سے گزرتا ہوا۔ قابلِ استعمال ٹکڑوں کی شکل اختیار کرتا ہے فرمانے لگے کہ راہِ طریقت میں بھی عین اسی طرح ایک صاحبِ امر کسی ارادتمند کو پکڑ میں لے لیتا ہے۔ یاس و ضرر اس کو خود بخود چھونے لگتی ہیں۔ اور اسے خوب طرح سے جھنجھوڑا جاتا ہے۔ ملتِ ابراہیمی کا فرد بنانے کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی پیروی میں طرح طرح کے کلمات سے آزمایا جاتا ہے۔ جنکو پورا کرنے کے بعد امامُ النّاس کہلانے کا حقدار ہوتا ہے یہ آزمائشی ستم گوارا کرنے ہی پڑتے ہیں۔ اللہ عزّوجل ان کے سہارنے کی توفیقِ رفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔ مشکل تو یہ ہے کہ یہ اولی الامر حضرات کا گروہ سب میں ہوتے ہوئے کسی کے نہیں ہوتے۔ آنِ واحد میں امید کو یاس سے اور یاس کو اُمید سے بدل ڈالتے ہیں۔ ان سے محبّت کا دم بھرنے والے ایک ہی پرکھ میں دعوئے محبّت تو درکنار کسی قسم کے تعلق کا نام

تک نہیں پہنچتے۔ اللہ ان کی جوتیوں کے صدقے میں ان کی جوتیوں میں جگہ دے۔ آمین

وُسعتِ نظر

وہم و گمان سے بالا آپ کی نظر کی رسائی تھی۔ آئینۂ مستقبل میں حالات کا انکشاف ایسے بیان فرماتے جیسے گویا کہ مستقبل خود بخود حاضر خدمت ہے۔ قیام پاکستان سے پہلے بنگال میں میرے وطن ریاست کپورتھلہ کا ایک صاحب اسمٰعیل نامی بحیثیت پلٹیئرد (P.W.I) محکمہ ریلوے میں مُلازم تھا۔ پہلی بیوی سے کوئی اولاد نہ ہونے کے باعث اسے دُوسری شادی کرنی پڑی۔ یہ دوسری عورت میری بیوی کی طرف سے اس کی خالہ تھی۔ میں اور چند ساتھی اکٹھے ایک کرایہ کے مکان میں رہتے تھے ایک شام ایسا ہُوا کہ یہ دونوں عورتیں اولاد کی خواہش دل میں لیے ہُوئے ہمارے مکان پر آگئیں اور کہنے لگیں کہ ابھی ہمارے ساتھ قلعہ گوجر سنگھ اپنے حضرت صاحبؒ کی خدمت میں چلو ہم نے ان سے کچھ عرض کرنی ہے۔ نماز مغرب کا وقت ہونے والا تھا۔ میں نے اصرار کیا کہ اس وقت قبلہ حضرت صاحبؒ بیٹھک سے اُوپر مکان میں تشریف لے گئے ہونگے یہ ملنے کا مناسب وقت نہیں ہے۔ خالہ نے کہا کہ بے وقت آنے کی معافی مانگ لیں گے۔ آپ کی طرف سے بھی معذرت خواہ ہوں گے کہ ہمارے یہاں لانے میں ہم نے اس کا کوئی ارادہ نہیں پایا۔ کیونکہ ہمیں مکان کا پتہ نہیں تھا۔ اس لیے اسے مجبور کر کے لایا گیا تھا۔ خیر ہم تینوں دراقدس پر پہنچے۔ شام ہو چکی تھی۔ میں بیٹھک میں رہا اور وُہ دونوں عورتیں اوپر مکان میں چلی گئیں۔ میں نیچے بیٹھا ڈر رہا تھا کہ بے محل آنے پر شائد قبلہ

حضرت صاحبؒ خفا ہوں۔ کوئی آدھ گھنٹہ کے بعد آپ اکیلے نیچے
تشریف لائے۔ فرمانے لگے کہ آپ کی خالہ اور دوسری عورت دونوں سے
بات چیت ہوئی ہے۔ میں نے نماز مغرب سے فارغ ہوتے ہی ان کو تسلّی
دے دی کہ بے وقت آنے خیال نہ کریں۔ اور نہ یوسف صاحب کی طرف
سے معذرت چاہیں۔ میں نے آپ کو خود بلایا ہے۔ آج جنوری کی اکیس تاریخ
ہے۔ آج رات میں نے آپ کے شوہر کو بنگال کی پہاڑیوں میں کار سمیت
گم کردہ راہ پایا۔ وہ شکار کے لیے باہر دور پہاڑیوں میں نکل گئے تھے اور
راستہ بھول گئے تھے۔ تصدیق کے لیے انہیں خط لکھکر دریافت کرنا کہ کیا
کوئی بزرگ آپ کو راستہ بتانے کے لیے آج رات فلاں جگہ ملے۔ ان کے
پاس ایک بیٹری بھی تھی۔ جس کی روشنی میں انہوں نے مجھے دیکھا۔ رہا اُن
کی اولاد والا معاملہ سو میں نے آپ کی خالہ کو بتا دیا ہے کہ اس کے بطن
سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوگی۔ دوسری عورت بانجھ ہو چکی ہے
اس سے کوئی اولاد نہیں ہوگی۔ کچھ دیر بعد دونوں عورتیں چائے وغیرہ پی
کر نیچے اُتریں۔ واپسی پر انہوں نے سب کہانی سنائی اور کہا کہ آپ کے
حضرت صاحبؒ نے ہمارے شوہر کی شکل، قد، رنگ وغیرہ سب کچھ بتایا
ہے۔ خیر وہ خوش خوش واپس گاؤں چلی گئیں اور انہوں نے اپنے شوہر سے
قبلہ حضرت صاحبؒ کی ملاقات بھی تصدیق کرائی۔ کچھ دیر بعد اسی سال
میں نے سُنا کہ بنگال والے اسمٰعیل صاحب کار کے حادثے سے جاں بحق
ہو گئے ہیں۔ اظہار افسوس کے لیے ان عورتوں کے گھر پہنچا۔ اُن کی حالت زار
دیکھکر ترس آیا۔ قبلہ حضرت صاحبؒ والی پیشگوئی رہ رہ کر ہم دونوں
(میں اور خالہ) کے دل و دماغ میں جگہ لیتی۔ لیکن وقت کی نزاکت نے
کچھ کہنے کی جرأت نہ دی۔ جلدی ہی پاکستان معرض وجود میں آیا۔
پہلی عورت راستے میں ہی شہید ہو گئی۔ اور یہ ہماری خالہ کراچی میں اپنے

بڑے بھائی کے ساتھ جو ریلوے میں آفیسر تھا رہنے لگی۔ کبھی کبھار لاہور اپنے دیگر رشتہ داروں کو ملنے آتی اور ہمیں بھی مل جاتی۔ قبلہ حضرت صاحبؒ کا پوچھ لیتی۔ لیکن حاضر خدمت نہ ہوتی۔ ہمیں معلوم ہوا۔ کہ یہ عورت دوسری شادی کرانے سے سخت متنفر ہے۔ شوہر کی جائیداد سے کافی حصہ پا چکی تھی۔ اس لیے دنیاوی طور پر مطمئن نظر آتی تھی۔ پاکستان بنے سات آٹھ سال گزر چکے۔ خبر ملی کہ خالہ نے اپنے بھائی کے اصرار پر ایک اکونٹس آفیسر ریلوے سے نکاح کر لیا ہے۔ اس نکاح کے چالیس دن بعد خالہ کا بھائی انتقال کر گیا۔ یہ اب ملتان تبدیل ہو کر آئے تھے۔ میں پھر افسوس کے لیے گیا۔ اور خالہ کو اس کے نئے گھر میں ملا۔ اس نے اپنی دوبارہ شادی کی لمبی چوڑی داستان سنائی کہ کن مجبوریوں کے تحت اسے یہ نئی زندگی اختیار کرنی پڑی اور اشارۃً قبلہ حضرت صاحبؒ کی پیشگوئی کا ذکر بھی کیا۔ اور دوبارہ حاضری دینے کا ارادہ بھی ظاہر کیا۔ اتفاقاً خالہ کا شوہر تبدیل ہو کر لاہور آ گیا۔ اور یہیں سے ریٹائر ہوا۔ منٹگمری روڈ لاہور مکان آلاٹ کرایا ہوا تھا۔ وہاں یہ جوڑا رہنے لگا۔ اللہ عزّ وجل نے پہلے بچّی دی اور بعد میں لڑکا۔ اور یہ سب ڈرامہ قبلہ حضرت صاحبؒ کی ظاہری زندگی میں ہی ہوا۔ آجکل خالہ اس کا شوہر اور یہ دونوں بچّے جو دسویں جماعت کر چکے ہیں۔ اسی مکان واقع منٹگمری روڈ رہائش پذیر ہیں۔ یہ تھی آپ کی وسعت نظری۔ احباب یہ پڑھ کر حیران ہوں گے۔ کہ اکثر اوقات آپ سائیں رحیم بخش صاحب (حال سجادہ درگاہ شریف ہنجروال) کی موجودگی میں مجھے فرمایا کرتے کہ یوسف صاحب سائیں صاحب کا خیال رکھنا۔ ان سے سلسلہ کا کام لینا ہے۔ میں آپ کے اس فقرہ کے دونوں جملوں پہ معترض ہوتا۔ عرض کرتا کہ میں خیال رکھنے والا کون ہوں۔ اور اس کا کیا خیال رکھ سکتا ہوں۔ دوسرے یہ ان پڑھ شخص سلسلہ کا کام کیا دے سکتا ہے

یہ تعلیم سے بالکل کورا ہے۔ اور آداب و اخلاق کی پختگی سے بھی محروم ہے۔ بھلا ایسے کو کونسا سلسلہ کا کام سونپا جا سکتا ہے۔ فرمایا آپ کو معلوم ہو جائے گا۔ میں اس راز سے بالکل بے بہرہ تھا۔ خاموش رہتا۔ آپ کے نظرِ عالم سے چھپ جانے کے بعد جب سائیں صاحب نے منصبِ سجادگی سنبھالا تو یہ راز مجھ پر کھلا کہ واقعی آپ سے سلسلہ کا کام وابستہ ہے۔ تیرہ برس گزر چکے ہیں۔ سائیں صاحب سلسلہ کے منصبی فرائض انجام دے رہے ہیں۔ اتنے عظیم الشان روضہ کی ظاہری حفاظت، احباب کی حاضری کا اہتمام اور ان کی رہائش کی دیکھ بھال، عرائس کا مکمل انتظام، یہ سب سائیں صاحب ہی سر انجام دیتے ہیں۔ اور دوسرے احباب کی طرح جب اس سائیں صاحب نے وابستگی کا دم بھرا۔ دیارِ پاک کی سیر بھی کرا دی۔ اور حاجی بن کر واپس آئے۔ محبت کام کر گئی اور بے سروسامانی کچھ آڑے نہ آئی۔ یہ آپ کا خاصہ تھا کہ مدعیٔ محبت کو اپنا اصلی وطن دکھا دیتے کسی دوست کو دیارِ پاک دکھانا مقصود ہوتا۔ اسے کسی نہ کسی حیلے بہانے پہنچا دیتے مجھے وہ وقت یاد ہے۔ جب ایک شام ہم چھ دوست (شاہ محمدؐ صاحبؒ، شیخ سراج دین صاحب، سیّد ممتاز حسین صاحب، چوہدری لال خان صاحب، میاں نظام دین صاحب اور میں) ایک شام حسنِ اتفاق سے صورتِ امر صلی اللہ علیہ وسلم کے قدوم میمنت لزوم کی جانب مسجدِ نبوی میں اکٹھے ہوئے۔ کیونکہ ایک ہی سلسلہ سے منسلک تھے۔ قبلہ حضرت صاحبؒ کا ذکر خیر شروع ہوا۔ میں نے اُن دوستوں سے کہا کہ آپ ایک ایک کرکے اپنا اندازہ لگائیں اور بتائیں کہ کیا آپ میں سے کوئی بھی قرعہ اندازی کی بناء پر جو حکومت نے مقرر کی ہوئی ہے یہاں آیا ہے۔ سب نے حیران ہو کر نفی میں جواب دیا۔ اور کہا کہ جب قرعہ اندازی میں ناکامی ہوئی تو درِ اقدس پہ حاضری دی۔ آپ نے ہر ایک کو یہی

فرمایا کہ کراچی چلے جاؤ۔ وہاں جاکر کوشش کرنا۔ اللہ عزّ وجل کی رحمت بڑی وسیع ہے۔ انشاء اللہ کام بن جائے گا۔ ہم سب کے سب قبلہ حضرت صاحبؒ کے بھیجے ہوئے ہیں۔ حکومت کے بھیجے ہوئے نہیں۔ ہر دوست کی ارضِ مقدس حاضری کی ایک علیحدہ داستان تھی۔

تجھ سے نہیں ہے کچھ بعید۔ مجھ کو ہو مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی دید
پہنچوں مدینہ پاک میں۔ جلد وہ آئے دن سعید
میرا وہیں ہو انتقال۔ مجلسِ سُہروردیہ
نورِ نبی کا ہے جمال۔ مجلسِ سُہروردیہ (ریاض)

قارئین کرام سے التماس ہے کہ اس کتابچہ کو مطالعہ کرتے وقت اندھوں کا ہاتھی چھونے والی مثال جو کہیں پہلے لکھ چکا ہوں ذہن نشین رکھیں یہ ناممکن ہے۔ کہ قبلہ حضرت صاحبؒ کی حیاتِ طیّبہ کا کوئی پہلو بھی مکمل طور پر بیان کرسکوں۔ بلکہ کوئی دوست بھی ایسا نہیں کرسکیں گے۔ وجہ وہی "شانِ امرؔ والی ہے۔ نہ یہ امر گھیرا جاسکے۔ اور نہ احاطۂ تحریر میں آسکے مجھے بہت سے دوستوں نے زور دیا کہ قبلہ حضرت صاحبؒ کا فلاں فلاں واقعہ بھی تحریر میں لایا جائے۔ لیکن جیسے کہ میں پہلے عرض کرچکا ہوں کہ کتابچہ صرف آپ کی اس زندگی سے متعلق ہے۔ جو میں نے مشاہدہ کی۔ اور پھر یہ بھی نامکمل مجھے یقین واثق ہے کہ اس ہستی کی سوانح ایک نہیں لاکھوں کی تعداد میں طبع ہونگی۔ ہر ایک کا رنگ علیحدہ علیحدہ ہوگا۔ زمانہ دیکھے گا ہر آنے والا طالب راہ اپنی اپنی نسبت کی بناء پر ان کے کلام سے فیضیاب ہوگا۔ اور اُن کے کلام کی تشریحات میں علیحدہ زور قلم آزمائے گا۔ موضع ہنجر وال مرکزِ انوار بنے گا۔ اور گنبدِ معلّٰی کو آبادی گھیر لے گی۔ اولی الامر ہونے کی حیثیت سے آپ عوام الناس کے اعتراضات کا نشانہ بھی بنے جس طرف کسی کا دماغ گیا۔ وہی سمجھا۔ اکثر فرمایا کرتے تھے۔ کہ اعتراض

کرنے والے کو چاہیئے کہ پیر کا مقابلہ پیر سے کرے نہ کہ مرید سے۔ بڑی بات تھی۔ اور یہ بولی بڑے حوصلہ اور خاص بھروسہ پہ ماری جا سکتی ہے اکثر فرمایا کرتے کہ صورتِ امر صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی نے محمدؐ ابن عبداللہ جانا کسی نے ابن عبدالمطلب کہا۔ کسی نے نورِ چشمِ آمنہؓ سمجھا کسی نے آپ کو امین و صادق کا خطاب دیا۔ کسی نے قریشِ مکہ کا جوان بتایا۔ کسی نے نبی اللہ و رسول اللہ مانا۔ اور اولی الامر حضرات کی افضل ترین جماعت کی طرف سے نورٌ من نورُ اللہ کی صدا آئی۔ واقعہ یہ تھا کہ نبوت کا اپنا کوئی مقام نہیں تھا۔ بلکہ یہ مقام گر تھی۔ صدیق بناتی، فاروق پیدا کرتی غنا بخشتی اور درجات ولائیت عطا فرماتی۔ ایک دن کا ذکر ہے۔ کہ قبلہ حضرت صاحبؒ اپنے معمول کے مطابق چند دوستوں سے کوئی کلام فرما رہے تھے۔ کہ آپ کے کوئی پرانے ملنے والے مولوی صاحب بھی بیٹھک میں داخل ہوئے۔ اتفاق کی بات تھی کہ اس دن میرے سوا ساری محفل میں جو کرسیوں پر رونق افروز تھی۔ کوئی بھی باریش نہ تھا۔ مولوی صاحب نے سلام عرض کرنے کے بعد ایک خالی کرسی پہ بیٹھتے ہی سوال کیا کہ قبلہ کیا آپ کے حصہ یہ جماعت آئی ہے۔ جو میں سامنے دیکھ رہا ہوں۔ اور ان سانپوں کو دودھ پلا رہے ہو۔ جو کوٹ و پتلون میں ملبوس ہیں۔ آپ نے مسکراہٹ بھرے لہجے میں فرمایا۔ کہ ان سانپوں کے دانت نکال دیئے گئے ہیں۔ آپ گھبرایئے نہیں۔ یہ جماعت بڑے کام کی ہے۔ یہ ایک راہ پر آیا ہوا اپنے کئی ماتحتوں کو راہ پر لا سکتا ہے۔ اور تبلیغ کا کام بڑے سہل اور احسن طریقوں پر سر انجام دیا جا سکتا ہے۔ آپ کی طرح نہیں کہ گاؤں کے ایک غریب کسان کو آٹے کا پیڑا دم کر دیا۔ اس کی بھینس راس آگئی۔ اور آپ کی دو وقتی روٹی اس کسان کے گھر لگ گئی۔ اور ساری زندگی اس پر اکتفا کر بیٹھے۔ مولوی صاحب نے اپنے اعتراض کی معذرت

چاہی ۔ اور آپ کے عرفان کا اعتراف کیا ۔ دوران گفتگو میں ان مولوی صاحب نے بتایا کہ سرکار میں آپ کے فلاں فلاں مریدوں کو ملا ہوں میں نے اُن میں سے ہر ایک کو ایک علیحدہ کھُلی کتاب پایا ہے ۔

یہ آپ کا اعجاز تھا کہ محفل میں جب وعظ فرماتے تو سامعین نے ہمہ تن گوش بن جاتے ۔ ساری کی ساری محفل اپنے تصرّف میں لئے ہوتے ۔ دوستوں کے حال پر پورا قابو ہوتا ۔ آپ کے دربار میں عرض حاجت کی چنداں ضرورت نہ ہوتی ۔ مجھے یاد ہے کہ ایک شام میں دفتری حالات سے افسردہ حاضر خدمت ہُوا ۔ ساتھ والی مسجد میں نماز مغرب ادا کر کے جب پھر واپس آیا ۔ تو چوہدری امتیاز علی صاحب ڈپٹی ڈائرکٹر اکسائز (EXCISE) بھی آئے ہوئے تھے ۔ انہوں نے قبلہ حضرت صاحبؒ کے سامنے اپنے کسی افسر کی شکایات شروع کر دیں ۔ اُن کی کہانی اپنے افسر کے خلاف میرے دفتری واقعہ کے مشابہ تھی ۔ اس لیے میں بھی بڑی دلچسپی سے سُن رہا تھا ۔ جب چوہدری صاحب کہانی ختم کر چکے تو آپ نے انہیں تسلّی دی اور فرمایا کہ صبح تک سب کام درست ہو جائے گا ۔ وُہ بڑے خوش ہُوئے ۔ ادھر میں اپنے دل ہی دل میں خیال کر رہا تھا ۔ کہ وقت کافی ہو چکا ہے ۔ اگر میں بھی اپنی دفتری شکایت چھیڑ دوں تو شاید خاطر اقدس پر گراں گزرے ۔ آپ مُسکرائے اور فرمانے لگے کہ یوسف صاحب آپ بھی تسلّی رکھیں آپ کا کام بھی کل صبح آپ کی حسب منشا ہو جائے گا ۔ ؎

عرضِ حاجت در حریم حرمتت محتاج نیست
راز کس مخفی نماند بر فروغ رائے تو (حافظؒ)

کسی ایک اور شام انگریزی ماہ کی پہلی تاریخ تھی ۔ سردیوں کے دن تھے ۔ ان دنوں میری ماہوار تنخواہ ۱۱۵/- روپیہ تھی ۔ میں نے تنخواہ لی شام کو معمول کے مطابق حاضر خدمت ہُوا ۔ دفتر سے قلعہ گوجر سنگھ تک اور

وہاں حاضرِ خدمت ہو کر بھی اپنی مفلسی کا احساس ہو رہا تھا۔ مغرب کے بعد میں آپ کے تخت پوش والی کرسی کے سامنے بیٹھا ہُوا تھا۔ میں نے اپنی اچکن کی داہنی جیب میں ایک روپیہ تنخواہ سے علیحدہ رکھ لیا تھا۔ اپنے داہنے ہاتھ کو جیب میں ڈالے ہُوئے اور روپیہ کو ہاتھ میں پکڑے ہُوئے یہ سوچ رہا تھا کہ اتنی بڑی شخصیت جو میرے سامنے رونق افروز ہے اسے اتنا قلیل نذرانہ پیش کروں یا نہ کروں۔ دل و دماغ دونوں مجادلہ کر رہے تھے۔ ادھر قبلہ حضرت صاحبؒ کسی کتابت میں مشغول تھے۔ میری طرف متوجہ ہُوئے اور فرمانے لگے کہ یُوسف صاحب راہ خدا میں دیتے وقت قلّت و کثرت کو ترک کرنا چاہیئے۔ اللہ عزّ و جل خلوص و نیّت کو دیکھتا ہے۔ مٹھی میں جیب کے اندر روپیہ تو پہلے ہی سے دبایا ہُوا تھا۔ فوراً جیب سے ہاتھ باہر نکالا اور روپیہ پیش خدمت کر دیا۔ آپ نے مُسکراتے ہُوئے اس حقیر نذرانہ کو قبول فرمایا۔ اور پھر کتابت میں مشغول ہو گئے۔ میں ذرا کھسیانا سا ہو کر واپس کرسی پر بیٹھ گیا۔ کچھ چند ساعت بعد میرا دل دھڑکنے لگا۔ اور مجھے ڈر محسُوس ہونے لگا۔ چاہا کہ اجازت مانگ لوں اور باہر چلا جاؤں لیکن جرأت نہ ہُوئی۔ میرے دل کی حالت بڑھتی گئی۔ خوف رقّت میں تبدیل ہونے لگا۔ قریب تھا کہ دل کی کیفیت آنسوؤں کی شکل میں نظر آنے لگے۔ آپ لکھتے جا رہے تھے۔ اور فرما رہے تھے۔ کہ یُوسف صاحب کا دل بہت ہی چھوٹا سا ہے اس میں کیا ڈالیں۔ توجہ اپنا کام کر چکی تھی۔ اور بیج بویا جا چکا تھا۔ کافی رات ہو چکی تھی۔ گھر جانے کی اجازت ملی۔ اس بیخودی کے عالم میں سائیکل پر سوار ہُوا۔ مجھے ایسا معلُوم ہو رہا تھا۔ کہ میں ہوا میں اُڑا جا رہا ہُوں۔ گڑھی شاہو پولیس چوکی کے سامنے ایک سپاہی نے سیٹی دے کر مجھے سائیکل سے نیچے اُترا ہی تھا کہ ایک نامعلُوم مردِ ثالث نے سپاہی کو زبردست

ڈانٹ دے کر کہا کہ اسے چھوڑ دو۔ یہ سرکاری آدمی ہے۔ اور مجھے کہنے لگے کہ آپ جائیں۔ میں اپنے اُسی عالم میں سوار ہو گیا۔ گھر پہنچا۔ اپنے ہمسایہ دوست سے ملا۔ اس سے بھی میں نے بے معنی اور بہکی بہکی باتیں کیں اور بتایا کہ میں کل سے دفتر نہیں جا رہا۔ ملازمت وغیرہ ترک کر دی ہے۔ میں آزاد ہوں وغیرہ وغیرہ۔ اُس دوست نے میرے اندازِ بیان سے ورودِ کیفیت کا اندازہ لگایا۔ اور مجھے آرام کرنے کے لیے کہا صبح جب اٹھا تو میں بالکل باہوش تھا۔ معمول کے مطابق دفتر گیا۔ قبلہ باباجی رحمۃ اللہ علیہ حیات گڑھی سے توجّہ کی قسمیں سُنی ہوئی تھیں کہ اتحادی۔ انصالی۔ انعکاسی و معکوسی وغیرہ ہوتی ہیں قبلہ حضرت صاحبؒ نے یہ سب کی سب مشاہدہ کرادیں

ذمرۂ لا یحزنون کے سردار ہوتے ہوئے اور اختیارات کاملہ رکھتے ہوئے بھی وادیٔ رضا کے شہسوار رہے۔ فرمایا کرتے کہ فقیر کی زندگی کیا ہے کہ بیٹھنا اپنا نہ اُٹھنا اپنا۔ نہ اسے ہونے کی خوشی نہ نا ہونے کا غم۔ پہلے پہل تو میں آپ کے اُن الفاظ کو کہنے تک ہی تصوّر کیا کرتا۔ لیکن آپ کی صحبت فیض یاب کے اثر سے مشاہدہ کر لیا۔ کہ آپ ان الفاظ کو عملی جامہ پہنائے ہوئے ہیں۔ دوپہر کا وقت تھا۔ بیٹھک میں بھری محفل چھوڑ کر فوراً تخت پوش سے نیچے اُترے۔ فرمانے لگے کہ میں ذرا اُوپر ایک کام کے لیے جا رہا ہوں۔ ابھی واپس آیا۔ آپ تشریف رکھیں۔ ابھی آپ آخری سیڑھی پر ہی گئے ہوں گے کہ بیٹھک میں ایک خوبصورت نوجوان عورت جو گیانہ لباس پہنے اور ہاتھ میں اوسط درجہ کا عصا لیے ہوئے نمودار ہوئی۔ آتے ہی پوچھا کہ کہاں ہیں سرکار۔ اس عورت کی آنکھیں سُرخ تھیں۔ اور اندازِ خطاب تحکمانہ۔ اُس کی اِس بے باکانہ طرزِ کلام سے ہم سب دوست کچھ مرعوب سے ہو گئے۔ آخر

ایک نے جواب دیا کہ سرکار ابھی اُوپر تشریف لے گئے ہیں۔ جلدی واپس آنے کو کہہ گئے ہیں۔ اس عورت نے یہ سنتے ہی فوراً سیڑھیوں کا رُخ کیا اُوپر بالا خانہ میں چلی گئی۔ وہاں بھی قبلہ حضرت صاحبؒ کا پوچھا جواب ملا کہ نیچے ہیں۔ اُوپر نہیں آئے۔ وُہ عورت واپس جوش میں عصا کو سیڑھیوں سے ٹکراتی ہوئی بیٹھک میں داخل ہوئی اور کہنے لگی کہ میں اوپر دیکھ کر آئی ہوں وہاں کہیں نہیں ہیں۔ یہ کہتے ہی وہ باہر چلی گئی اور بازار کا رخ کیا جاتی دفعہ بولی کہ اچھا خیر پھر ملاقات ہو جائیگی۔ ابھی وہ بازار تک شاید ہی پہنچی ہوگی کہ قبلہ حضرت صاحب مسکراتے ہوئے سیڑھیوں سے واپس تشریف لے آئے۔ ہم سب حیران تھے۔ کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ اجنبی عورت آئی اوپر بھی گئی۔ ایک دوست نے عرض کیا کہ سرکار ایسے ایسے ایک عورت آئی تھی۔ بات کاٹ کر فرمانے لگے کہ رہنے دو۔ اس عورت کو ملنے کا حکم نہیں تھا۔ اسی لئے اسکی نظروں سے اوجھل ہونا پڑا۔ سبحان اللہ۔

جیسا کہ پہلے کہیں تحریر کر چکا ہوں آپ رسمی دعاؤں کے قائل نہ تھے۔ دعاء کرانے والے کو خود دعاء مانگنے کے لیے زیادہ تاکید کرتے اور فرماتے کہ آپکو میری نسبت زیادہ درد ہے۔ اسلیئے آپ خود بھی دعاء مانگیں۔ احباب اچھی طرح جانتے ہونگے کہ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریب پر آپ ایک سالانہ جلسہ منعقد فرماتے۔ دُور دراز سے تمام احباب اس جلسہ میں شریک ہوتے۔ جلسہ ۱۱، ۱۲ اور ۱۳ ربیع الاول تین دن رہتا۔ رات گئے پچھلے پہر آپ کے ارشادات عالیہ کا جب وقت آتا تو محفل پر عجیب کیفیت ہوتی۔ دعاء کے لیئے ہاتھ اٹھاتے اور مسنون دعاؤں کے علاوہ تقریباً آدھا وقت ہاتھ اٹھائے خاموش کھڑے رہتے۔ آپکا یہ سکوت ہاتھ اٹھائے ہوئے کچھ ایسا سماں باندھتا کہ بارگاہ ایزدی سے قبولیت اُترتی محسوس ہوتی اور احباب کی جھولیاں بھرتی جاتیں احباب تقریباً تقریباً پہچان گئے

تھے۔ کہ اس دربار میں عرض دُعا کی حاجت نہیں۔ ایک دن میں نے عرض
کیا کہ قبلہ آپ کی خدمت میں روزانہ ہر طرح کے آدمی آتے ہیں۔ اور
دُعاؤں وغیرہ کی التجائیں بھی کرتے ہیں۔ آپ اُن کی تسلّی کے لیے یہ بھی
فرما دیا کرتے ہیں کہ اچھا دُعا کریں گے۔ آپ فرمائیں کہ آپ ان کے
لیے کیا اور کونسے وقت دُعا فرماتے ہیں۔ فرمانے لگے یوسف صاحب
ساری عمر میں کبھی کسی کے لیے دُعا کی ہی نہیں۔ میں کچھ حیران سا ہو گیا کہ
یہ کیا جواب ہے۔ فرمایا کہ بس اُس بارگاہ معلّےٰ میں صرف ایک ہی عرض
کر چھوڑی ہے۔ اور وُہ قبول ہو چکی ہے۔ میں اس انتظار میں تھا کہ عرض
کروں وہ کونسی دُعا ہے۔ جو ایک ہی دفعہ مانگے جانے کے بعد کافی ثابت ہوئی
خود ہی فرمانے لگے کہ اللہ عزّ وجل قادر مطلق ہے۔ ہر ایک کی تقدیر ثبت
ہو چکی ہے۔ اس کی رضا میں کسی کو ایک رائی برابر اختیار نہیں کہ کمی بیشی
کر سکے۔ دینی و دنیوی ترقیاں سب لوح محفوظ پر قلمبند ہو چکی ہیں۔ اور
وساطت بھی مقدّر ہیں۔ ایک ہی دُعا جو اس بارگاہ میں کر دی گئی ہے
وُہ یہ ہے کہ یا اللہ مجھے اس گروہ خلق کا واسطہ بنا۔ جن کی کامیابی و کامرانی
تو اپنی رضا میں پہلے سے ہی مقدّر کر چکا ہے۔ اس دروازہ پر صرف اس
کو بھیجنے کی توفیق عطا فرما۔ جسکا کام تیری رضا میں ہونا ہے۔ نہ اس
کو جس کے مقدّر میں محرومی لکھی جا چکی ہے۔ فرماتے کہ کیا کبھی اس پر غور
نہیں کیا کہ حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلّم جو لوح محفوظ کو مثل کف دست
مشاہدہ فرماتے تھے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ رضائے مولیٰ میں ایک ہی عمر
کے نصیبہ میں دولت اسلام آنی ہے۔ تو بارگاہ ایزدی میں دونوں ہاتھ
اُٹھائے دُعا مانگی کہ اے بارِ الٰہ ان دو عمروں میں سے ایک عمر کو اسلام
لانے کی توفیق بخش۔ دونوں کو اس لیے نہ فرمایا کہ دیکھا ایک گیا تھا۔
دوسرے کو محروم پایا تھا۔ ان الذین کفروا سواءٌ علیہم ءانذرتہم ..... الخ

والا گروہ بھی ازل میں ہی ازلی کافر ہونے کی وجہ سے مشاہدہ کرا دیا گیا تھا تاکہ میرا محبوب انکے راہ راست پر نہ آنے سے بیدل نہ ہو جائے۔ تبلیغ کے مشن کو جاری رکھے۔ وللاخرۃ خیر لک من الاولیٰ کی شان پائے۔

جس طرح حقیقت امر کا کلام جامع ہے اور ہر رطب و یابس کو گھیرے ہوئے ہے اسی طرح صورت آمر صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہر موضوع کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور ساتھ ہی ساتھ آپکی عملی حیاتِ طیبہ زندگی کا ہر پہلو پیش کرتی ہے۔ میں نے یہ وصف قبلہ حضرت صاحبؒ کی بیس سالہ صحبت میں پایا کسی قسم کا مسئلہ ہو دینی ہو یا دنیاوی جب کبھی پیش آیا فوراً مرد قلندر کے اُسوہ حسنہ کا خیال کیا یا اس مسئلہ میں آپکے اس ارشاد کو یاد کیا جو اس اُلجھن سے متعلق ہو۔ فی الفور مشعل راہ بنا۔ چھوٹی چھوٹی روزمرہ کی باتیں اور حرکات وسکنات سے لیکر انتہائی منازلِ زندگی تک آپ نے رہبری فرمائی بیٹھنا۔ اٹھنا۔ کھانا کھانے کے آداب لباس وغیرہ یہ سب کچھ آپ نے سکھایا دفتری زندگی میں عموماً ہر عقیدہ کے افراد ہوتے ہیں اور اکثر بحث ومباحث کا بازار گرم رہتا ہے۔ فرمایا کرتے تھے کہ مخالف کا جواب اپنے خیال سے نہ دیا کرو۔ بلکہ جواب کو حقیقت آمر کے کلام سے ڈھونڈنے کی کوشش کیا کرو اگر اُس میں تلاش نہ کر سکو تو صورت امر کے کلام یعنی حدیث شریفہ کی طرف رجوع کرو۔ وہاں سے بھی نہ مل سکے تو بزرگوں کے اقوال جواب میں پیش کرو۔ اللہ کے فضل وکرم سے ہر بدعقیدہ کا جواب ان تینوں میں ضرور پاؤ گے گفتگو میں آہستگی اور میانہ روی برتو۔ آپ کا معمول تھا کہ جب کلام فرماتے انداز نرم رکھتے معترض کا جواب اس کے سوال ہی سے نکال لیتے۔

ایک روز ایک مرزائی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے اس کا نام دریافت فرمایا تو کہنے لگا آفتاب الدین فرمانے لگے کہ نام ہی غلط ہے لفظ آفتاب جو فارسی زبان کا ہے اسے اضافت دیکر الدّین جو عربی لفظ ہے

مرکّب کیا گیا ہے۔ اس بچارے کی کوئی جرأت نہ پڑی کہ کچھ آگے سوال کرے۔ اس طرح محرّم کے ایّام تھے۔ ایک شیعہ حضرت جو ساتھ والے بازار میں دوکاندار تھے۔ حاضر خدمت ہُوا۔ ہاتھ میں ایک کاغذ کا ٹکڑا پکڑا ہُوا تھا۔ سلام عرض کرنے کے بعد کہنے لگا۔ کہ قبلہ میں یہ ایک مرثیہ حضرت امام حسینؑ علیہ السّلام کی مدح میں لکھ کر لایا ہوں سماعت فرمائیں۔ آپ نے فرمایا شیخ صاحب رہنے دیجیئے مرثیہ تو کسی موت پر ہوتا ہے۔ ہمارا حسینؑ علیہ السّلام زندہ ہے۔ کیونکہ شہید مرتا نہیں۔ شیخ صاحب خاموش ہوگئے۔ اور کہنے لگے کہ قبلہ آپ کے سامنے کچھ جواب بن نہیں پڑتا۔ مجھے ایک حدیث شریف یاد آگئی۔ حضور پُر نورؐ علیہ السّلام نے ایک روز جماعت میں بجائے چار رکعت کے تین رکعت پر سلام پھیر دیا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہ اجمعین میں سے ایک بولا۔ یا رسُول اللہ آپ نے بجائے چار کے تین رکعت پڑھائی ہیں۔ کیا آپ بھُول گئے ہیں یا نماز کم ہو گئی ہے آپ نے فرمایا کہ نہ میں بھُولا ہوں نہ نماز کم ہُوئی ہے۔ صحابہ کرامؓ سب حیران ہوگئے۔ کہ پڑھی تین گئی ہیں اور آپ فرما رہے ہیں کہ نماز نہ کم ہُوئی ہے اور نہ ہی میں بھُولا ہوں۔ حضُور انور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ میں بھُولا نہیں ہوں بلکہ بھُلایا گیا ہوں تاکہ آپ کو تعلیم دوں کہ ایسی حالت میں کیا کرنا چاہیئے۔ پاکستان بننے کے بعد عید الفطر کی تقریب تقریباً ہر سال متنازعہ فیہ رہی۔ رویت ہلال کا مسئلہ ۲۹ رمضان کے بعد گڑبڑ میں پڑ جاتا۔ چند مولوی ایک طرف کہ آج عید ہے۔ دوسرا گروہ دوسری طرف کہ چاند دیکھا نہیں گیا۔ حکومت اپنا زور لگا رہی ہے کہ آج ہی عید کرو وغیرہ وغیرہ۔ ایک سال ایسا ہُوا کہ حکومت کے کہنے پر عید یعنی پہلی شوال انتیس روزے پُورے کرنے کے بعد منانی قرار پائی۔ قلعہ گوجر سنگھ کے پاس ہی شاہ ابُوالمعالی رحمۃ اللہ علیہ والی مسجد ہے۔ اتفاق سے قبلہ

حضرت صاحبؒ بھی وہاں پہنچ گئے۔ جم غفیر تھا۔ سب نے کہا کہ قبلہ
عید کی نماز پڑھا دیں۔ مولوی تو کوئی آ[illegible] کے دن پر رضا مند نہیں ہے
حکومت کہہ رہی ہے کہ چاند فلاں فلاں جگہ دیکھا گیا۔ القصہ قبلہ حضرت
صاحبؒ نے جماعتِ عید کرائی۔ دوسرے دن بھی عید منائی جانی تھی
نماز عید سے فارغ ہو کر چند مولانا حضرت صاحبؒ کے درِ اقدس پر
تشریف لائے۔ میں بھی وہاں حاضر تھا۔ اور یہی عید کی باتیں ہو رہی تھیں
انہوں نے سوال کیا کہ آپ نے کل عید کیسے پڑھ لی جب کہ رؤیت ہلال
کے لیے کوئی شرعی حجت قائم نہیں ہو سکی۔ آپ نے فرمایا میں نے
نماز عید نہیں پڑھی۔ میں پاس بیٹھا تھا۔ اور سن چکا تھا کہ کل آپ نے
مسجد شاہ ابو المعالیؒ نماز عید ادا کی ہے۔ میں حیران سا ہو گیا۔ پوچھنے والوں
سے بھی نہ رہا گیا۔ سب نے کہا کیا شاہ ابو المعالیؒ والی مسجد میں آپ نے
نماز عید نہیں پڑھی۔ آپ نے پھر فرمایا کہ کہہ جو رہا ہوں کہ نہیں پڑھی مسکرا
ہوئے فرمانے لگے میں نے تو عید پڑھائی ہے۔ پڑھی نہیں اور اس کی تصحیح
وغیرہ کا بار حکومت پر ہوگا۔ جس نے اعلان کرایا۔ مجھے فوراً حدیث
مندرجہ بالا یاد آگئی۔ دل نے فتویٰ دیا کہ کیوں نہ ہو یہ کمال بیانی آخر رنگ
صورتِ امر صلی اللہ علیہ وسلم کا چڑھا ہوا ہے۔

ایک شام کا واقعہ ہے کہ نماز مغرب کے بعد میں اکیلا حاضر خدمت
تھا۔ آپ تخت پوش پر رونق افروز تھے۔ میں میز کے ساتھ والی کرسی پر
بیٹھا ہوا تھا۔ آپ نے میز پر سے ایک لفافہ (پوسٹل) اٹھایا۔ اور اس
پر پتہ تحریر فرمایا۔ لفافہ کے ساتھ ہی میز پر ایک کتابچہ از قسم حمائل شریف
پڑا ہوا تھا۔ آپ نے یہ کتابچہ کسی دوست کو پارسل کرنا تھا۔ اس کتابچہ
کا سائز مشکل لفافہ کے برابر ہوگا۔ بلکہ یہ کتابچہ کچھ بڑا ہی معلوم ہوتا تھا۔ آپ
نے اسے بھی اٹھایا۔ اور لفافہ کے اندر داخل کرنے کی سعی کی میں سامنے بیٹھا

خاموش دیکھ رہا تھا۔ آپ ہر چند سعی فرماتے لیکن کتابچہ لوجہ حجامت لفافہ کو قبول نہ کرتا۔ لفافہ میں کتابچہ کی کبھی اس طرف سے کبھی اس طرف سے سعی بہیم رائگاں معلوم ہوتی۔ لفافہ کے کنارے پھٹے تو نہ لیکن پھٹنے کے قریب ہوتے۔ آپ پھر رُکتے اور دُوسری طرف کتابچہ کو اُلٹا کر داخل کرتے۔ اس کش مکش میں کافی وقت گزر گیا۔ میں نے سامنے بیٹھے دل ہی دل میں خیال خام کیا کہ ایک مردِ کامل کا عمل چاہیے وہ عمل کتنا ہی قلیل ہو فضول نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی یہ صاحبِ امر کی شان ہے کہ ناممکن و محال پر وقت ضائع کرے۔ ظاہری طور پہ نہ میں قبلہ حضرت صاحبؒ کی طرف متوجہ تھا۔ اور نہ آپ میری طرف۔ میرا یہ دل میں خیال ہی کرنا تھا۔ کہ آپ نے فرمایا اچھا یہ بات ہے تو لو پھر۔ اس کے ساتھ ہی کتابچہ دستِ اقدس کی ایک ہی جنبش سے لفافہ کے اندر بالکل محفوظ تھا۔ اِدھر میں اپنے ناپاک وسوسہ پر شرم سے ڈوبا جا رہا تھا۔ اُدھر قبلہ حضرت صاحبؒ لفافے کی گوندھ کو تر کر کے اسے بند کر رہے تھے۔ اور مُسکرائے جاتے تھے۔ آپ کے اس چھوٹے سے فعل نے میری بدگمانی کو کاٹ کر رکھ دیا۔ اور مجھ پر واضح ہو گیا کہ صاحبِ امر کے لیے کوئی شے محال و ناممکن نہیں۔ لفافہ میں کتابچہ کیا۔ یہ صاحبِ امر طاقت رکھتے ہیں کہ کوزہ میں دریا بند کر دیں۔ اور ابھی لبِ جام بھی تر نہ ہونے پائے۔

وُسعتِ ظرف

شاید کہیں ذکر کیا جا چکا ہے کہ یہ صاحبِ امر بڑے صاحبِ ظرف ہوتے ہیں۔ عوام النّاس کی طرح یہ پابند نہیں ہوتے۔ ان کی بظاہر لغزشیں بھاری عبادتیں ہوتی ہیں۔ یہ مادیت اذ دمیت کی شان رکھنے

والے کے ظِلّ میں پرورش پاتے ہیں۔ میں نے اپنے قبلہ حضرت صاحبؒ
کی ذات میں اس وسیع ظرفی کی شان کا اکثر مشاہدہ کیا۔ کیونکہ ان اولی الامر
حضرات کے ایسے افعال عوام النّاس کے سامنے بطورِ حجّت پیش نہیں کئے
جا سکتے کہ خلل کا اندیشہ لاحق ہے۔ صرف ایک واقعہ پر اکتفا کرتا ہوں
تاکہ احباب تازگی حاصل کریں۔ دفتر سے فارغ ہو کر معمول کے مطابق ہر
روز حاضرِ خدمت تو ہوتا ہی تھا۔ اور اکثر اوقات اپنی سائیکل پر ایک اور
دوست کو بھی بٹھا لے جاتا۔ ایک شام جب دفتر بند ہُوا۔ میں نے اپنے
دوست بھائی سے کہا کہ ذرا ٹھہریں۔ قبلہ حضرت صاحبؒ کے لیے چند سفید
کاغذ بھی لیتے جائیں۔ تعویذ وغیرہ لکھنے کے کام آئیں گے۔ وُہ مؤلف القلب
بھائی ابھی نیا نیا سلسلہ میں داخل ہُوا تھا۔ ظاہری شریعت پر سختی سے پابند
تھا۔ میرے کاغذ سنبھالنے کی ہی دیر تھی کہ اس نے مجھ پر برسنا شروع کر دیا
اور حرام وحلال سب گن مارا۔ کہنے لگا کہ شرم کرو۔ پیر صاحب کو بھی لپیٹ
میں لے کر ملوّث کر رہے ہو۔ اور گورنمنٹ کے مال کی چوری کر کے کاغذوں
کو بطور تعویذ استعمال کرتے ہو۔ بھلا ان تعویذوں کا کیا اثر ہو گا۔ وغیرہ وغیرہ
اُدھر وُہ مجھے سُنائے جا رہا تھا۔ اِدھر میں اپنی عقیدت کے ماتحت اپنا کام
کر چکا تھا۔ اسے سائیکل پر بٹھایا۔ اس سے کچھ نہ کیا۔ سارا راستہ قلعہ گوجر سنگھ
تک اس کی ہی سُنتا گیا۔ جب درِ دولت پر پہنچے تو قبلہ حضرت صاحبؒ
بیٹھک میں نہ تھے۔ بلکہ اوپر گھر آرام فرما رہے تھے۔ اور ابھی نیچے تشریف
نہ لائے تھے۔ ہم دونوں بھائی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ گرمیوں کے دن تھے۔
پنکھا چلایا۔ بھائی جان اَب بھی وہی شرعی تیر چلا رہے تھے۔ اور میں
خاموش سُن رہا تھا۔ اتنے میں قبلہ حضرت صاحبؒ کے سیڑھیوں سے اُترنے
کی آواز آئی۔ میں نے دیکھا کہ آپ کے رُخِ انور کا رنگ متغیّر سا ہے تشریف
فرمائی کے فوراً بعد اُس دوست کا نام لے کر بولے کہ آپ بتائیے کہ گدھا

کنوئیں میں گر جائے تو کیا اس کا پانی پاک رہے گا۔ ایسے مسائل بھائی صاحب کو پہلے ہی سے ازبر تھے۔ فوراً جواب دیا کہ سرکار کنواں بالکل ناپاک ہو جائے گا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر وہی گدھا سمندر میں گر جائے تو پھر۔ بھائی جان کچھ کھسیانے سے ہو گئے۔ اور جواب نہ دے سکے۔ نہ ہی انہوں نے فقہ میں یہ مسئلہ کبھی دیکھا تھا۔ قبلہ حضرت صاحبؒ نے دوسرا سوال ساتھ ہی کر دیا فرمایا کہ تنور کا ایندھن اگر گھریلو چولہے میں ڈالا جائے تو کیا چولہا ثابت و سالم رہے گا۔ ساتھ ہی فرمایا دیکھو ہم سیاہ کمبل پوشوں کو داغوں کا ڈر نہیں۔ ڈر ہو گا آپ لوگوں کو جنہوں نے سفید چادر اوڑھی ہوئی ہے۔ بھائی جان ہوش میں آئے۔ اپنے کہے پر نادم ہوئے اور ہنسی کی بات ہے کہ جب دوسرے دن ہم دفتر سے قلعہ گوجر سنگھ روانہ ہونے کو تھے۔ تو آپ اصرار کر رہے تھے کہ کاغذ پنسل اور ربڑ وغیرہ قبلہ حضرت صاحبؒ کے لیے آج بھی لے جائیں۔ اُنہیں ضرورت رہتی ہے۔ میں کل والی بات دوہرا رہا تھا اور وُہ زور دیئے جا رہے تھے کہ اور بھی کچھ دفتر سے قبلہ گاہی کے لیے لے جائیں۔

اتباعِ سُنّت

اجتماعِ ضدین کے پیشِ نظر اگر ایک طرف آپ سے ایسے افعال ظہور پذیر ہوتے جو عوام النّاس کی نظر میں ظاہری شریعت پر پورے اُترتے دکھائی نہ دیتے تو دوسری طرف اتباعِ سُنّت میں وُہ پختگی دیکھی جاتی کہ آپ کی ہر ادا سُنّت صورتِ امر صلی اللہ علیہ وسلّم کی آئینہ دار ہوتی۔ تیزی کے دن تھے۔ قبلہ حضرت صاحبؒ کا ذکر وردِ زبان رہتا تھا۔ ایک ہفتہ کے روز دفتر میں چند کلرکوں سے جو راہِ طریقت سے بالکل بے بہرہ

تھے ۔ قبلہ حضرت صاحبؒ کے بارے میں بحث چھڑ گئی ۔ میں آپ کے محاسن بیان کرتا ۔ اور یہ مخالف جماعت آپ پر کیچڑ اُچھالتی ۔ کسی نے کہا دیکھا ہے آپ کا پیر ۔ عورتوں سے بغیر حجاب کے باتیں کرتا ہے ۔ دُوسرا بولا کہ اس کے سوا کہ اس نے تعویذوں کا کاروبار چلا یا ہُوا ہے ۔ اس کے پاس اَور کچھ نہیں ۔ کسی نے کہا کہ اس کے گھر کے ساتھ ہی مسجد ہے ۔ لیکن نماز گھر میں ہی پڑھتا ہے ۔ مسجد میں باجماعت نماز پڑھنے کی تکلیف گوارا نہیں ہوتی ۔ غرضیکہ جتنے منہ اتنی باتیں ۔ میں نا جنسوں میں پھنسا ہُوا خاموش ہو گیا ۔ دل ہی دل میں ٹھان لیا کہ آج ہفتہ ہے ۔ دفتر دوپہر کو بند ہو جائے گا سیدھا قبلہ حضرت صاحبؒ کی خدمت اقدس میں پہنچوں ۔ اور انہیں جس حالت میں بھی پاؤں زبانِ اعتراض کھولوں ۔ وُہ ضرور تخت پوش پر رونق افروز ہوں گے ۔ جاتا ہی سوال کرونگا کہ کیا حضُور پر نُور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کبھی تخت پوش پر رونق افروز ہوئے تھے ۔ اگر کرسی پر ہوں گے تو پھر بھی یہی اعتراض کر دونگا ۔ سائیکل پر سوار اکیلا دل میں بدگمانیاں لیے ہوئے قلعہ گوجر سنگھ پہنچا ۔ دیکھا کہ آپ بیٹھک میں پنکھے کے نیچے ایک چارپائی پر آرام فرما رہے ہیں ۔ کرسیاں ایک طرف کی ہوئی ہیں ۔ شمالاً جنوباً داہنی کروٹ لیے ہوئے ۔ داہنا ہاتھ زیر سر کئے ہوئے ۔ اور بائیں ہاتھ کو ران پر رکھے ہوئے ۔ چہرۂ مبارک مشرقی دیوار کی طرف تھا ۔ بابا غلام محمد صاحب آپ کا خادم آہستہ آہستہ دبا رہا تھا ۔ میں نے ابھی اسی صبح مشکوٰۃ شریف سے یہی حدیث شریف پڑھی تھی کہ صورت امر صلی اللہ علیہ وسلم یہی تھا ۔ آپ چشمہائے ظاہر ہیں بند کئے ہوئے تھے ۔ آپ فرمایا کرتے تھے ۔ جب اپنے پیر بھائی کو دیکھو تو سمجھو کہ اپنے شیخ کو دیکھ رہے ہو ۔ جب شیخ کو دیکھو تو یہ خیال کرو کہ گویا تم حضُور پر نُور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے دیدار سے مشرف ہو رہے ہو ۔ اور جب کبھی بلند بختی میں حضُور علیہ السّ

کا دیدار نصیب ہو تو جان لو کہ آپ حقیقتِ امر کے مشاہدہ میں غرق ہیں اس فرمان کے تحت میں آپ کو دبائے جا رہا تھا۔ اور خیال کر رہا تھا کہ میں حضور پر نور کی خدمت پر معمور ہوں۔ میں نے دیکھا کہ آپ آنکھیں بند کئے ہوئے مسکرا رہے ہیں۔ فرمانے لگے بس یہی خیال درست ہے جو دل میں لئے ہو۔ اللہ جزا دے۔

آپ داد و سند کے کھرے۔ حتیٰ کہ راہ خدا میں خرچ کرتے وقت بھی مانگنے والے کی حیثیت کو دینے سے پہلے ہی ملاحظہ فرما لیتے۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ ایک فقیر کندھے پر جھولا ڈالے ہوئے دروازہ پر آیا۔ کہنے لگا کہ راہِ خدا کچھ دیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ کس خدا کی راہ میں چاہتے ہو۔ فقیر بولا کیا دو خدا ہیں ؟ فرمایا کہ مجھے تو دو ہی معلوم ہوتے ہیں۔ ایک وہ جس نے آپ کے کندھے پر سیروں بوجھ لادا ہوا ہے۔ اور آپ کو دربدر مارے مارے پھرا رہا ہے اور ایک وہ جو مجھے یہاں بیٹھے بٹھائے دے رہا ہے۔ فقیر کچھ صاحبِ دل تھا۔ اندر داخل ہو گیا اور سامنے والے بڑے بنچ پر آسن مار کر بیٹھ گیا۔ اس نے اپنی آنکھیں بند کیں اور اپنے حال کی کمند کو قبلہ حضرت صاحبؒ پر پھینکنا چاہا۔ قبلہ حضرت صاحبؒ فرمانے لگے کہ اس کمند کا اثر میں محسوس کر رہا تھا۔ اِدھر آپ نے بھی جوابی کارروائی شروع کر دی۔ حتیٰ کہ جب اس فقیر کی کمند ٹوٹی تو معاً وہ بنچ سے معہ آٹے والے جھولے کے اُلٹا گر پڑا۔ اس نے اپنے آپ کو سنبھالا اور کھڑا ہو کر دست بستہ عرض کرنے لگا۔ کہ سرکار میں درخواست کرتا ہوں کہ آپ اس لباس میں جو عموم کا رنگ لیے ہوئے ہے۔ فقیری نہ کریں۔ آپ نے فرمایا جاؤ اپنا کام کرو۔ اور درویشوں کی جانچ پڑتال سے باز آؤ۔

کسی اور دن ایک فقیر دروازہ پر آیا۔ صدائیں دیتا رہا۔ لیکن آپ نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ فرمائی۔ میں ساتھ والی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اور

اس انتظار میں تھا۔ کہ آپ جیب سے کچھ نکالیں گے۔ وہ پیسے میں فقیر کو دے آؤں گا۔ کافی دیر کے بعد بڑی مشکل سے اپنا ہاتھ جیب میں ڈالتے ہوئے فرمانے لگے کہ اچھا لے جاؤ آپ کو دینے کا حکم تو نہیں ہے۔ میں یہ کلام سُن رہا تھا۔ اُدھر یہ فقیر بھی جیب میں ہاتھ ڈالنے کے ساتھ ہی دروازہ سے ہٹ چکا تھا۔ آپ نے کچھ نقدی نکال کر مجھے دی اور مُسکراتے ہوئے فرمایا کہ جاؤ۔ اس فقیر کو ڈھونڈ کر دے آؤ۔ میں جھٹ گلی میں گیا۔ بازار تک دیکھا۔ وہ فقیر غائب تھا۔ میں نے وہ پیسے واپس لاکر حاضرِ خدمت کئے فرمایا اچھا ہُوا۔ اس کو نہیں دینا تھا۔ اس طرح لینے کے معاملے میں بھی بڑی احتیاط برتتے۔ بادی النظر رکھنے والا معترض ہوتا کہ اتنی حیثیت کے مالک ہوتے ہوئے سودے میں اس قدر چھان بین کیوں کر رہے ہیں۔ ایک دن ایک بوڑھا آدمی کدّوؤں کا ٹوکرہ سر پر اُٹھائے ہوئے صدائیں دیتا ہوا اس گلی سے گزرا۔ آپ نے دروازہ میں کھڑے ہو کر اس بوڑھے سے کدّو لینے کو کہا۔ بوڑھے نے ٹوکرہ زمین پر رکھا۔ اور کدّو دکھانے شروع کر دیئے میں ساتھ کھڑا دیکھ رہا تھا۔ آپ کبھی کسی کدّو کو اور کبھی کسی کو اُٹھاتے اس کی قیمت پوچھتے۔ اس زمانے میں درمیانے کدّو کی قیمت ایک آنہ چھ پیسہ تھی۔ جب بابا چھ پیسے والا کدّو دکھاتا تو آپ اسے ایک آنہ پر رضامند کرنے کی کوشش کرتے۔ اور جب وہ ایک آنہ والا دکھاتا تو آپ دو پیسے فرماتے۔ میں دل ہی دل میں پاس کھڑا معترض تھا کہ آخر ایک آدھ پیسے کی کیا بات ہے۔ دوپہر کا وقت ہے۔ بوڑھا بیچارہ خبر نہیں کس مصیبت سے یہ پیشہ اختیار کئے ہوئے ہے۔ پیسے ٹکے کی کمی بیشی سے قبلہ حضرت صاحبؒ کو کیا فرق پڑیگا۔ خیر آپ نے کدّو خرید کر لیے۔ اور واپس تخت پوش پر رونق افروز ہو گئے۔ فرمانے لگے کہ دیکھو خواہ مخواہ کی بدگمانی دل میں نہ لایا کرو۔ آپ کو حدیث شریف یاد نہیں کہ سودے خریدتے وقت

تقاضا کیا کرو۔ یہ اچھا ہوتا ہے۔ میں شرمندہ ہوگیا۔ اور اپنے خیال کی معذرت چاہی۔

بازار سے سودا منگوانا ہوتا تو بڑے اہتمام سے پیسے دیتے۔ نرخ و جنس کی پوری تسلی فرماتے۔ اکثر اوقات دیکھا تھا۔ کہ مسئلہ کو بند فرما دیتے اور حساب پورا لینے دینے کے بعد پھر مسئلہ شروع کرتے۔ نقدی عموماً رومال کے ایک کونہ میں باندھی ہوتی عجیب انداز سے گرہ کھولتے۔ آنہ کے کونوں کو انگلی سے چھوتے ہوئے دیتے۔ صبح کا وقت تھا۔ اوپر سے بشیر (ملازم لڑکا) اُترا۔ ناشتہ کے لیے ایک انڈا اور درکار تھا۔ قبلہ حضرت صاحبؒ سے پیسے مانگے۔ آپ مجھے حضرت سلیمان علیہ السّلام والے تختِ بلقیس کی تفسیر بیان فرما رہے تھے۔ جن نے کہا کہ میں اس تخت کو آپ کا اجلاس ختم ہونے سے پہلے لا سکتا ہوں۔ سلیمان علیہ السّلام خاموش رہے۔ ایک اور صاحبِ امر بولا کہ میں آنکھ جھپکنے سے پہلے تخت لا سکتا ہوں۔ چنانچہ تخت حاضر کیا گیا۔ فرما رہے تھے۔ کہ صاحبِ امر کی خواہش کرنے سے پہلے ہی چیز موجود ہونی چاہیئے ان کا ارادہ وقت کا پابند نہیں ہوتا۔ اُدھر ملازم پیسے لینے کے لیے ہاتھ بڑھا رہا تھا۔ آپ فرماتے تھے۔ کہ ایک ایک انڈا کیوں لا رہے ہو۔ ابھی جیب سے رومال نکالنے کے لیے ہاتھ ڈالا ہی تھا۔ کہ ایک شخص انڈوں کا کریٹ اُٹھائے حاضرِ خدمت ہوا۔ اس نے کریٹ قبلہ حضرت صاحبؒ کے جوتوں کے پاس رکھ کر سلام کیا۔ اور عرض کیا کہ یہ انڈے وزیر آباد والے پلیڈر صاحب نے آپ کی خدمت میں بھیجے ہیں۔ مجھے فرمانے لگے کہ کریٹ پر سے کپڑا اُٹھاؤ حسب ارشاد کپڑا اُٹھایا۔ کریٹ کو انڈوں سے بھرا پایا۔ آپ نے دیکھتے ہی وہی حضرت سلیمان علیہ السّلام والے الفاظ دوہرائے۔ فرمایا ھذا من فضلِ ربّی۔ بشیر کو کہنے لگے کہ تم ایک انڈا مانگتے تھے۔ ہمارے ربّ نے انڈوں کا کریٹ بھیج دیا۔ سر پہ اُٹھاؤ اور اوپر لے جاؤ۔ مجھے انڈوں کے آنے سے اتنی حیرانی

نہ تھی۔ جتنی حیرانی کہ اس واقعہ کو تفسیر کی مطابقت سے ہوئی۔ خدا جانے آپ کس مقام پہ فائز کلام فرما رہے تھے۔

دعوتِ طعام

حضر میں ہوں یا سفر میں جب کبھی بھی، کہا گیا کہ سرکار کھانا طیار ہے تو میں نے یہ فرماتے کبھی نہیں سُنا کہ ذرا ٹھہر جائیں یا ابھی بھوک نہیں۔ میں آپ کا یہ فلسفہ نہ سمجھ سکا۔ آخر ایک روز مناسب موقع پاکر عرض کیا کہ آپ کھانے کی دعوت پر کبھی التواء نہیں فرماتے۔ تو فرمانے لگے کہ رزق کی دعوت منجانب اللہ ہوتی ہے۔ اسے "نہ" نہیں کرنی چاہیئے۔ کھانے میں ہر نعمت پاتے ہوئے احتیاط برتتے۔ فرمایا کرتے کہ ہمارا حال تو ویسے رہا۔ پہلے ملتا نہ تھا تو قناعت تھی۔ اَب ملتا ہے تو کھا نہیں سکتے۔ دانت کمزور ہو چکے ہیں اور مرغن غذائیں ہضم نہیں ہو سکتیں۔ گرمیوں میں برف کا استعمال زیادہ کرتے۔ میز پہ پانی والا گلاس برف سے ہی بھرا ہوتا۔ کئی ناواقف دیکھنے والوں کو حیرانی ہوتی کہ اتنا ٹھنڈا پانی کیسے نوش فرماتے ہیں محرم راز اس ادا سے بخوبی واقف ہو گئے تھے۔ ؎

قطرۂ دودِ دلِ جامی بدریا افگنی
سینہ سوزاں دل تپاں ماہی ز آب آید بروں

جب کبھی کوئی دوست کھانے کی دعوت دیتا۔ آپ قبول فرماتے احباب شناسا تھے۔ کہ اس مہمان کے لیے جتنا بھی اہتمام کریں تھوڑا ہے۔ اگر کوئی غیر شریک دعوت ہوتا۔ تو کئی طرح کے وسوسوں کو دل میں جگہ دیتا۔ مجھے یاد ہے کہ میرے ایک ہمسایہ دوست نے اپنے ایام مفلسی میں آپ کی ایک پُر تکلف دعوت کی۔ آپ تشریف لائے۔ چند ایک اور ہمسایہ

دوستوں نے جو میزبان کے رشتہ دار بھی تھے۔ دعوت میں شریک ہونے سے کسی ذاتی ناراضگی کی بناء پر انکار کر دیا۔ جس کی خبر قبلہ حضرت صاحبؒ کو بھی کر دی۔ آپ نے فرمایا کہ اگر وہ شریک نہیں ہوتے تو انہیں رہنے دو۔ ان کو یہ علم نہیں کہ دعوتِ رسُول صلی اللہ علیہ وسلّم ہے۔ یہاں ذاتیات کا کوئی قصّہ نہیں۔ جب سے مجھے پتہ چلا کہ آپ کی دعوت ایک خصُوصی اہمیت رکھتی تھی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ وہاڑی میں آپ نے چند روز اپنے ایک دوست منیجر صاحب کے ہاں قیام فرمایا۔ میں ساتھ تھا۔ تینوں وقت بڑے اہتمام سے پُرتکلف کھانا آتا۔ منیجر صاحب میرے پہلے سے ہی بے تکلّف دوست بھی تھے۔ ایک شام ہم دونوں نے مشورہ کیا کہ روزانہ مرغ۔ پلاؤ۔ مکھن اور ملائی وغیرہ کھاتے پیٹ میں جلن سی محسُوس کر رہے ہیں قبلہ حضرت صاحبؒ تو کھاتے وقت اعتدال برتتے ہیں اور بہت کم کھاتے ہیں۔ ہم سے یہ نہیں ہو سکتا۔ کیوں نہ ہو کہ آج شام دال یا ساگ وغیرہ پکالیں تاکہ شکموں کی حدّت کم ہو۔ ہم دونوں بھائی یہ مشورہ فیکٹری کے میدان میں ہی کھڑے کر رہے تھے۔ کہ دُور قبلہ حضرت صاحبؒ نے ہمیں اشارہ سے بُلایا فرمانے لگے۔ کیا باتیں کر رہے ہو۔ ہم نے عرض کیا کہ قبلہ کھانے کے پروگرام میں تبدیلی کا خیال ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ایسا ہرگز نہیں کرنا۔ جس معیار پہ پہلے کھانا طیاّر ہوتا ہے۔ وہی معیار رکھو۔ بلکہ اس سے بڑھاؤ۔ منیجر بھائی پہلے ہی کھلی طبیعت کا انسان تھا۔ فوراً قبلہ حضرت صاحبؒ کے سامنے ہی ایک نوکر کو کہنے لگا۔ کہ بکری کے دو بچّوں میں سے ایک بچّہ ذبح کرو۔ اور گھر کہہ آؤ کہ یہ بچّہ آج شام پلاؤ میں استعمال ہوگا چنانچہ ایسا ہی ہُوا۔ میرے بتانے سے منیجر صاحب بھی جان گئے۔ کہ یہاں دعوتوں میں کچھ اور راز ہے۔ نری شکم پروری اور تنومند ہونا ہی مقصُود نہیں۔ میں چونکہ اکثر قبلہ حضرت صاحبؒ کے ساتھ سفر میں ہوتا۔ اُن دعوتی کیفیات کا علم و تجربہ مجھے کافی ہو گیا تھا۔ میں

نے ہر دعوت میں ایک نیا رنگ پایا - میزبان نے جتنا زور مہمان کی دعوت پر لگایا - اس سے کئی گنا زائد میزبان نے فی الفور پایا - جس دوست کو بھی قبلہ حضرت صاحبؒ کی مہمان نوازی کا شرف حاصل ہُوا - وُہ خوب جانتا ہے کہ یہ سودا کتنا سُود مند رہتا تھا - کار پر سوار وہاڑی میلسی - ٹبہ سُلطانپور ہوتے ہُوئے ایک دفعہ آپ نے مُلتان شریف ایک انجینئر دوست کے ہاں بھی ایک رات ٹھہرنے کا ارادہ فرمایا - انجینئر صاحب کو اس آمد کی پہلے سے کوئی اطلاع نہ تھی - کار مل کے بڑے دروازہ کے سامنے کھڑی ہُوئی - ہم اُترے چوکیدار کو کہا کہ اندر سے انجینئر صاحب کو پیغام دو کہ قبلہ حضرت صاحبؒ تشریف لائے ہیں - انجینئر صاحب دروازہ پر آئے - قبلہ حضرت صاحبؒ کو ملے اور بعد میں مجھے ملتے وقت آہستہ سے کان میں کہا کہ آپ نے قبلہ حضرت صاحب کو لا کر یہ کیا ستم ڈھایا ہے - میں آج شام بذریعہ ریل گاڑی پشاور والی فلور مل میں جا رہا ہوں - مالکان مل کی طرف سے پرسوں کا حُکم پہنچ چکا ہے - خیر یہی باتیں کرتے ہم انجینئر صاحب کے مکان تک آگئے دیکھا کہ دو چار بستر بستر بند میں لپیٹے ہُوئے ہیں - ایک دو چار پائی کھڑی کی ہُوئی ہیں - دوسری کمرے میں نیچے دری بچھا کر بیٹھ رہے ہیں - اور وقت کے انتظار میں ہیں کہ کب تانگہ آئے اور ریلوے اسٹیشن پر پہنچیں تاکہ بر وقت پشاور والی گاڑی سوار ہو جائیں - انجینئر صاحب نے ایک چار پائی قبلہ حضرت صاحبؒ کے لیے بچھا دی - ماحول کا اندازہ جتنا احساس سے ہو سکتا ہے - اتنا بیان سے نہیں ہو سکتا میری حیرانی تو ایک فاضلہ حیثیت رکھتی تھی - انجینئر صاحب کا حال قابلِ دید تھا - تبدیلی اس کے لیے سوہانِ رُوح بن چکی تھی - قبلہ حضرت صاحبؒ نے بڑے اطمینان سے پوچھا چوہدری صاحب کیا بات ہے - انجینئر صاحب نے دست بستہ عرض کیا کہ ملتان شریف

کا دانہ پانی اُن کے لیے ختم ہو چکا ہے۔ فرمانے لگے بستر کھولو اور گھر میں کہو کہ کھانا تیار کریں۔ آپ نے کہیں نہیں جانا۔ اسی مل میں رہنا ہے۔ انجنیئر صاحب کا خوشی سے چہرہ کا رنگ بدلا۔ حسب ارشاد کھانا تیار کیا گیا۔ ابھی میز پر کھانا چُنا ہی جا رہا تھا کہ ایک نامہ رساں تار والا لفافہ لے آیا۔ لفافہ کھولا۔ یہ تار مالکان مل کی طرف سے لاہور سے آیا تھا۔ جس میں درج تھا کہ تبدیلی تا حکم ثانی معطل سمجھی جائے۔ انجنیئر صاحب اور اُن کے گھر والوں کی جان میں جان آئی۔ سب کے سب قبلہ حضرت صاحبؒ پر فدا ہو رہے تھے۔ سرِ شام ہی مُلتان شریف کے مشہور تحائف چادریں تیل وغیرہ انجنیئر صاحب کی طرف سے قبلہ حضرت صاحبؒ کی خدمت میں پیش ہونی شروع ہو گئیں۔

چونکہ مضمون دعوتوں کا چھڑ چکا ہے۔ مناسب سمجھتا ہوں کہ ایک آدھ اور واقعہ لکھ دوں اور ہر واقعہ کا سبق احباب کے فہم رسا پر چھوڑوں میں ایک سفر میں شاید کراچی سے واپس قبلہ حضرت صاحبؒ کے ساتھ آ رہا تھا ساہیوال ریلوے اسٹیشن پر جب گاڑی کھڑی ہوئی۔ آپ نے فرمایا کہ میرے لیے ایک گلاس پانی سامنے والے نل سے لاؤ۔ میں گلاس لے کر پانی لینے جا رہا تھا۔ کہ ایک شخص نے مجھے روکا۔ اور کہنے لگا کہ پانی رہنے دیجئے۔ میں قبلہ حضرت صاحبؒ کے لیے بوتل لاتا ہوں۔ یہ شخص اُس ڈبہ میں کہیں ہمارے پاس بیٹھا تھا۔ اور قبلہ حضرت صاحبؒ کے کلام سے محظوظ ہو چکا تھا۔ میں نے اُس کی نہ مانی۔ خیر وہ شخص کچھ میری سخت کلامی سے مرعوب سا ہو گیا۔ اور واپس میرے ساتھ ہی ڈبہ میں آ گیا۔ قبلہ حضرت صاحبؒ نے پانی کا گلاس ہاتھ میں لیے پوچھا کہ یہ نوجوان کیا کہہ رہا تھا۔ میں نے عرض کیا آپ کے لیے بوتل لانی چاہتا تھا۔ میں نے اچھی طرح روک دیا۔ کہ آپ خواہ مخواہ پیرِ و مرید میں آ رہے ہیں۔ قبلہ حضرت صاحبؒ فرمانے لگے کہ کیا

یہ شخص ہمارا واقف ہے۔ میں نے عرض کیا کہ نہیں۔ فرمایا تو پھر آپ نے اسے بوتل لانے سے کیوں منع کیا۔ یہ نوجوان تو اپنا سودا اپنے رب سے کر رہا تھا۔ آپ کیوں دخل انداز ہوئے۔ اسے فرمایا کہ جاؤ بھئی اپنی خواہش پوری کرو۔ وہ نوجوان خوش خوش گیا۔ اور بوتل قبلہ حضرت صاحبؒ کی خدمت میں پیش کی۔ جن دوستوں کی اصلاح مقصود ہوتی یا ان کو کسی خاص طریق پہ لانا ہوتا تو آپ اُن سے زبردستی بھی خراج مال وصول فرماتے کسی عید الضحیٰ کے دوسرے دن میں صبح صبح سلام کے لیے حاضر خدمت ہُوا آپ تھے۔ اور ساتھ والی کرسی پہ مولانا مہر دین صاحب فاضل اجل بھی تشریف فرما تھے۔ دست بوسی کے بعد میں ابھی کرسی پہ بیٹھا بھی نہ تھا۔ کہ فرمانے لگے۔ کہ کل عید کے بعد آپ کیوں نہیں آئے۔ اور ہمارا حصّہ کیوں نہیں لائے۔ گوشت کی ران وغیرہ۔ میں نے ڈرتے ڈرتے عرض کیا کہ کل عید کا دن تھا۔ گوشت وغیرہ بناتے وقت نہ مل سکا۔ دُوسرے آپ نے خود دُنبہ قربان کیا ہے۔ اس لیے آپ کو ران وغیرہ پہنچانے کا خیال نہ آسکا آپ نے بڑی بے تکلّفی سے فرمایا کہ یہ بات نہیں۔ اچھا اِس کا جرُمانہ ادا کرو۔ میں بڑا حیران تھا کہ اتنے بڑے عالم و فاضل کے سامنے میرے ساتھ یہ کیسی گفتگو ہو رہی ہے۔ یہ مولانا صاحب کیا خیال کرتے ہوں گے۔ لیکن وُہ خاموش ایک اپنی تازی تصنیف شدہ کتاب "ردِ روافض" ہاتھ میں لیے ہوئے ہماری گفتگو سُن رہے تھے۔ میں نے کھڑے کھڑے اپنے تھیلہ سے بٹوا لیا۔ پانچ روپے روپے والے نئے نوٹ جو میں نے واپسی پر گھر مٹھائی لے جانے کیلئے رکھے تھے نکالے۔ میرا دل دھڑک رہا تھا۔ میں نے کانپتے ہوئے وُہ پانچوں نوٹ تخت پوش پہ قبلہ حضرت صاحبؒ کے قدموں کے پاس رکھ دیئے۔ اس تھرتھراہٹ میں میرے ہاتھ سے خالی بٹوا فرش پر آپ کی پاپوش مبارک کے قریب جا گرا۔ دل میں خیال آرہا تھا کہ آج بڑا

خالی ہوگیا ہے۔ پہلے تو کبھی قبلہ حضرت صاحبؒ نے ایسا انداز نہیں برتا۔ لیکن مجھے کیا معلوم تھا کہ دراصل رزق کی فراوانی آج سے شروع ہو گئی ہے واپسی پر ریلوے ہیڈ کوارٹرز کے قریب مجھے ایک صاحب ملے۔ جنہوں نے میرے بیس روپے دینے تھے۔ انہوں نے یہ رقم ادا کی۔ جس سے میرا مٹھائی والا پروگرام بھی بحال رہا۔ اور وہ دن جائے اور آج کا آئے۔ کبھی قلتِ رزق کا خیال تک بھی دل میں نہیں گذرا۔

راہبر علمائے کرام

مولانا مہر دین صاحب مدظلہٗ کی حاضری میرے لیے ایک لطیف نکتہ بخش گئی۔ انہوں نے بیان کردہ کتاب قبلہ حضرت صاحبؒ کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے عرض کیا تھا۔ کہ قبلہ میں یہ کتاب تو لکھ چکا ہوں اور طبع بھی کرائی جاچکی ہے۔ لیکن یہ کوئی اتنی مقبول نہیں ہوئی۔ آپ کتابیں چھپواتے ہیں۔ اور وہ ہاتھوں ہاتھ بک جاتی ہیں۔ آپ مسکراتے اور فرمایا کہ مولانا صاحب کتاب کے ساتھ پڑھنے والوں کو روشنی بھی عطا فرماؤ۔ اگر ایسا نہیں کر سکتے۔ تو نری کتاب کیا کرے گی۔ "لقد جاءکم من اللہ نور و کتاب مبین" کے تحت فرمایا کہ جب تک نور والی بات نہ ہوگی۔ کوئی دل کتاب سے مؤثر نہیں ہوگا۔ مولانا مہر دین صاحب کے علاوہ اور بڑے بڑے چوٹی کے عالم بھی آپ سے فیض یاب ہوتے۔ اپنے جلسوں میں قبلہ حضرت صاحبؒ کو کرسئی صدارت پر بٹھاتے۔ تقریر کے دوران میں قبلہ حضرت صاحبؒ کی طرف رُخ پھیر کر آپ سے مسئلہ کی تصدیق چاہتے۔ اگر انہیں کوئی الجھن آپڑتی تو قبلہ حضرت صاحبؒ سے حل حاصل کراتے۔ مجھے یاد ہے کہ ابھی نیا نیا پاکستان بنا تھا۔ ایک دن حضرت پیر امانت علی شاہ

صاحب چشتی رحمۃ اللہ علیہ حاضر خدمت ہوئے اور قائد اعظم محمد علی جناح کی
قیادت پر نکتہ چینی شروع کردی۔ اس کی وضع قطع۔ اس کے لباس اور
اس کے عقیدہ پر تنقید کرتے ہوئے کہنے لگے کہ ایسے شخص کی قیادت مسلمانان
پاکستان کے لیے انجام بخیر نہ ہوگی۔ آپ نے فرمایا کہ شاہ صاحب ایک سوال
کا جواب دیجیے۔ فرض کریں کہ آپ اس گلی سے گزر رہے ہیں۔ کچھ دور جانے
کے بعد آپ کی گلی کی نالیاں صاف کرنے والا جمعدار اپنے پھٹے پرانے کپڑے
پہنے ہوئے اور کیچڑ بھرے ہاتھوں سے آپ کا دامن تھام لیتا ہے۔ اور کہتا
ہے کہ مولانا صاحب آگے نہ بڑھیں۔ وہ دیکھو ایک اژدھا سامنے کی نالی
کی موری سے سر نکالے ہوئے ہے۔ اگر اس نالی پر سے گزریں گے۔ تو نقصان
ہوگا۔ آپ دور سے ہی اژدھا کو دیکھکر اس جمعدار کا ضرور شکریہ ادا کریںگے
اس وقت نہ آپ کا خیال اس کے پھٹے پرانے کپڑوں کی طرف ہوگا۔ نہ
کیچڑ بھرے ہاتھوں کی طرف جس خطرۂ عظیم سے اس جمعدار نے آپ کو
اطلاع دی ہے۔ اس کے مقابل میں اس کے تمام تر عیوب آپ کی نظر
میں کالعدم ہوں گے۔ ہندو قوم نے مسلمانوں کا نشان مٹانے کے لیے جو منصوبے
طیار کر رکھے ہیں۔ ان سے محمد علی جناح نے آگاہ کر دیا۔ شاہ صاحب کو
آپ کے کلام سے تسلی ہوئی۔ اور قائد اعظم زندہ باد کے زمرہ میں شمولیت
فرمائی۔ کسی عالم کی تنبیہہ مقصود ہوتی تو اس کا انداز بھی ایک نرالا نکالتے
ایک صبح آپ ٹانگے پر سوار دہلی دروازہ کے قریب سے گزر رہے تھے۔
دیکھا کہ مولانا ابوالحسنات محمد احمدؒ (بھیا صاحب) عالم ابن عالم اور
شیخ الحدیث قبلہ ابوالبرکات سید احمد صاحب مدظلہ کے بھائی بغل میں
ایک موٹی سی مثل دبائے دہلی دروازہ کے موڑ پر کھڑے ہیں اور ایسا معلوم
ہوتا تھا کہ کسی کے انتظار میں ہیں۔ یہ دن قادیانی تحریک کے تھے۔ اور
بڑے بڑے خود غرض سرمایہ داروں نے علماء کی جماعت کو مرزائیوں کے

خلاف آلۂ کار بنا رکھا تھا۔ بھیا صاحب کو اس طرح کھڑے دیکھ کر قبلہ حضرت صاحبؒ نے مرزا صاحبؒ کو تانگہ کھڑا کرنے کا کہا۔ تانگہ عین بھیا صاحبؒ کے پاس جا کر کھڑا ہوا۔ قبلہ حضرت صاحبؒ اور بھیا صاحبؒ آپس میں بے تکلف دوست بھی تھے۔ اور دونوں اکٹھے اعلیحضرت احمد رضا خاں صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہ چکے تھے۔ قبلہ حضرت صاحبؒ نے پوچھا۔ مولانا صاحب کدھر کا ارادہ ہے۔ بھیا صاحبؒ بولے کہ ذرا ڈپٹی کمشنر کی کوٹھی تک جانا ہے۔ کسی تانگے یا بس کا انتظار کر رہا ہوں۔ آپ نے مسکراتے ہوئے فرمایا بہت خوب ذرا دیر سے ہوش آیا ہے۔ باقی پارٹیاں تو اپنی جلب منفعت حاصل کرنے کے لیے دوڑ لگا کر بہت آگے نکل چکی ہیں۔ خیر کوئی بات نہیں مولوی ہونا! ان سے مل جاؤ گے۔ بلکہ سبقت لے جاؤ گے۔ بھیا صاحب کچھ کھسیانے سے ہو کر بولے کہ صوفی صاحب آپ ایسے ہی مذاق کرتے رہتے ہیں۔ کیا کریں ان کے ساتھ ملنا پڑتا ہے۔ ؎

نہیں تیرا نشیمن قصرِ سلطانی کے گنبد پر
تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں پر (اقبالؒ)

عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سالانہ اجلاس میں آپ بڑے بڑے جید علماء کو دعوت دیتے احباب اچھی طرح واقف ہیں کہ جو عالم بھی سٹیج پر آتا اپنی تقریر کے آغاز میں قبلہ حضرت صاحبؒ کی خدمت میں اپنا نیاز پیش کرتا اور دورانِ تقریر میں آپ کی توجہ خاص کا متمنی رہتا۔ جتنا آپ اُسے چلاتے وہ چلتا۔ کئی ایک مقرر تو اپنے نفسِ مضمون کو قبلہ حضرت صاحبؒ کی بیان کردہ تصانیف سے ہی اخذ کر لیتے۔ اور اُسی کو جلسہ میں پیش کر دیتے۔ تاکہ کہیں اُکھڑنے کا موقع ہی نہ آئے۔ آپ عالم کی قدر فرماتے جلسہ میں تقریر ختم کرنے کے بعد اگر کوئی عالم آپ سے رخصت طلب کرتا تو آپ مجھے اشارۃً اُس کی خدمت کے لیے اس کے پیچھے بھیجتے۔ اس موقع

کی مناسبت پر اُس عالم کی سواری وغیرہ کا انتظام کرتا ۔ مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ صدر مدرس نعمانیہ جو کہ تقسیم پاکستان کے بعد ہندوستان سے آکر اس عہدہ پر فائز ہوئے تھے ۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے صبح کا وقت تھا ۔ میں اور ایک اور دوست عرفانی صاحب موجود تھے وُہ صدر مدرس اندر تشریف لائے ۔ تو آپ تخت پوش سے اُتر کر اُٹھ کھڑے ہوئے ۔ اور مصافحہ لیا ۔ آپ کے کھڑے ہونے سے آنے والے کی قدر و منزلت بھی معلوم ہوگئی ۔ وُہ صاحب کسی حکم کے ماتحت آپ تک پہنچے تھے ۔ اور اپنا پیغام لیئے آئے تھے ۔ قبلہ حضرت صاحبؒ نے آہستہ سے اُن کا پیغام اُن تک پہنچایا جس کے لیتے ہی وُہ صاحب اجازت طلب کرکے واپس تشریف لے گئے ۔ ہمیں بعد میں بتایا کہ یہ صاحب صدر مدرس نعمانیہ ہیں ۔ اِن کو بُلایا گیا تھا ۔ تاکہ اِن کی امانت انہیں دی جائے ۔

ترتیب تصانیف

عمر شریف کے آخری حصّہ میں آپ تقاریر کا سلسلہ قطع کر چکے تھے اس کی بجائے آتشِ عشق کو روشنائی کا جامہ پہنا کر صفحۂ قرطاس پر نمودار کیا ۔ علم دوست احباب نے آپ کے کلام میں غوّاصی کی ۔ اور اپنے کلام میں بطور حجت اُن کتابوں کا حوالہ دینا شروع کیا جو آپ کی تصنیف شدہ ہیں ۔ تصانیف کتب آپ کے اہم کارناموں سے ایک ہے ۔ کسی دوست نے بھی آپ کو کتاب کا مسوّدہ لکھتے نہیں پایا ۔ دن میں آپ کے لیے کوئی ایسا وقت نہ تھا ۔ جس میں کچھ لکھا جا سکے ۔ فرماتے تھے کہ نمازِ فجر سے پہلے ایک آدھ گھنٹہ لکھنے کو مل جاتا ہے ۔ تین چار پنسلیں گھڑ کر سامنے رکھ لیتا ہوں ۔ اور ایک کیفت کے ماتحت لکھے جا رہا ہوں ۔ ایک پنسل کا سُرمہ ختم

ہونے پر دوسری اٹھا لیتا ہوں۔ تسلسل اپنے آپ قائم رہتا ہے۔ ایک دفعہ آپ شرح قصیدہ غوثیہ کا مسوّدہ لکھ رہے تھے کہ کسی جگہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے قول نقل کرنے کی ضرورت پڑی۔ آپ نے جب اُن کا کلام نقل فرمایا۔ تو غوث الاعظم سیّدنا عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ فی الواقع سامنے تشریف لے آئے۔ فرمانے لگے کہ کسی کا قول نقل کرتے وقت پورا پورا حوالہ بھی ساتھ دے دیا کریں یعنی کس کا قول ہے۔ کس کتاب میں ہے۔ اور کونسے صفحہ وغیرہ پر۔ قبلہ حضرت صاحبؒ فرماتے تھے کہ آپ کی تشریف آوری پر میں اُٹھ کھڑا ہُوا۔ اور ساتھ ہی ساتھ اللہ عزّوجل کا شکر گزار ہُوا کہ میری کتاب سیّدی غوث الثقلین کی نگرانی میں لکھی جا رہی ہے۔ اس طرح دُعائے معنیٰ میں جو حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے منسُوب ہے بہت سے اشعار کی تصحیح بنفسِ نفیس حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے فرمائی۔ اور کیوں نہ ہو۔ صورتِ امر صلی اللہ علیہ وسلّم کی طرف سے مرتبۂ قلندری جو ملنے والا تھا۔ اس کی پیش قدمی کے لیے اوّلیاء و اصفیا آپ کی ہر طرح سے اعانت فرماتے رہے۔ یہ دونوں تصانیف آپؒ کے زمانۂ اوّل سے متعلق ہیں۔ آپ کی تصانیف کی ترتیب ہی آپ کے بلندئ درجات کی آئینہ دار ہے۔ وادئ فقر کی پہنائیوں میں گم ہُوئے تو کتاب "الفقر فخری" لکھ دی۔ صورتِ امر صلی اللہ علیہ وسلّم کی خلعت زیبِ تن کی تو کتاب "جمال رسُول" صلی اللہ علیہ وسلّم ظہُور میں آئی۔ اس خلعت نے جو حقیقتِ امر سے شناسا کرایا تو "جمال الٰہی" عزّوجل کو کتابی رنگ دیدیا۔ جس مقام پر فائز اس کی بات کی۔ نہ پہلے آگے بڑھے اور نہ آگے بڑھ کر پیچھے آئے۔ ع

کوئی سمجھے تو کیا سمجھے کوئی جانے تو کیا جانے

فرمایا کرتے تھے کہ جس انداز سے کتاب لکھی جاتی ہے اگر اسے اسی انداز و ماحول میں پڑھا جائے تو سوُدمند ہے ورنہ نہیں۔ آپ کی پنسل سے

تحریر منشیانہ اور شکستہ تھی۔ جیسے عدالتی محرّروں کی ہوتی ہے مجھے اپنے والد ماجد کی طرف سے جو عدالت میں ناظر رہ چکے تھے۔ ایسی تحریر پڑھنے کا ملکہ حاصل تھا۔ عموماً نماز مغرب کے بعد قبلہ حضرت صاحبؒ بالا خانہ سے کسی کتاب کا مسوّدہ ساتھ لے آتے اور مجھے پڑھنے کے لیے فرماتے میں پڑھتا جاتا اور ساتھ ساتھ آپ کے چہرۂ انور کی کیفیات کا مشاہدہ بھی کرتا جاتا۔ اگر میں کہیں رُک جاتا یا تسلسل توڑتا تو یہ آپ کی طبع مُبارک پر گراں گزرتا۔ خاموشی سے مجھے آگے پڑھے جانے کا اشارہ فرماتے۔ میری غلطیوں پر تصیح فرماتے مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ میں نے بجائے نوّرَ اللہ مرقدہٗ کے نوُرُ اللہ مرقدہٗ یعنی لفظ نور کو بغیر تشدید کے پڑھا تو فرمانے لگے۔ "رو دین بی اے نوں یہ لفظ نوّر اللہ ہے نہ کہ نورُ اللہ" سالانہ جلسہ کے اشتہار کے نیچے میرا نام محمدؐ یوسف (چوہدری) لکھواتے۔ ایک دفعہ میں پوچھ بیٹھا کہ اس لفظ چوہدری کو نام کے بعد خطوط وحدانی میں ڈالنے کا کیا بھید ہے۔ فرمایا کہ نام کے بعد ایسے چوہدری لکھنے سے ظاہر ہوتا کہ آپ اپنے کو چوہدری نہیں کہتے۔ بلکہ آپ کو چوہدری کے لقب سے پکارا جاتا ہے۔ مجھے ایک دفعہ ایک سفید کاغذ دیا اور فرمایا کہ اسے آدھا پھاڑ دو۔ کچھ لکھنا مقصود تھا۔ ایک حصّہ سے دُوسرے حصّہ کو خوب چپٹا کر اور درمیانی حصّہ کے دونوں سروں کو انگوٹھے سے خوب دبا کر پھاڑنے کے لیے دوبارہ کاغذ کھولا۔ کاغذ کے اندر والے حصّہ کو دوہرا کرکے دونوں طرف سے جب کاغذ کھینچا تو دونوں ہاتھوں میں بجائے پورے آدھا کاغذ آنے کے ایک ہاتھ میں ¼ اور دوسرے میں ¾ آیا۔ آپ مُسکرائے میرے ہاتھ سے کاغذ کے ٹکڑے پکڑ لیے۔ ایک ٹکڑے کو نئے سرے سے کیا۔ درمیان کو انگشت مُبارک سے دبایا اور کاغذ کو اس طرح اُلٹا رکھ دیکر پھاڑا۔ اور ایسا انصاف بنتا کہ میں شرمندہ ہُوا۔ یہ آپ کی چھوٹی سی پیاری ادا مجھے ابھی تک سرور بخش رہی ہے۔ جب کبھی کاغذ پھاڑنے

موقعہ آتا ہے قبلہ حضرت صاحبؒ کی یہ ادا سامنے آجاتی ہے۔ دیکھنے میں یہ بات کوئی خاص حیثیت نہیں رکھتی۔ واضح یہ کرنا ہے کہ اس مردِ کامل کی شانِ امر کیسے تفریط و افراط کو گھیرے ہوئے تھی۔ چھوٹی سے چھوٹی چیز سے لے کر بڑے سے بڑے مقام تک کی تمام صلاحیتیں احباب میں ودیعت کرنے پر قدرت بھی رکھتے تھے۔

وابستگیٔ قرآن

سرزمین پنجاب میں آپ طریقت سہروردیہ کے مجدد ہیں۔ آپ ہی کے دم قدم سے اس سلسلہ کا از سرِ نو آغاز ہوا۔ مختلف سلسلوں کے طریق ذکر و عبادات میں امتیازات کا "تبلیغ اسلام اور صوفیائے کرام" کے تحت اپنی کتاب "الفقر فخری" میں تحریر فرماتے ہیں۔ اس طریقِ سہروردیہ میں سانس بند کر کے اللہ ھُو کا ورد کرنے کا بڑا رواج ہے۔ اس سلسلہ سے منسلک ذکر جلی اور ذکر خفی دونوں کے قائل ہیں۔ سماع سے اعتنا کم برتتے ہیں۔ اور تلاوتِ قرآن پر خاص طور پر زور دیتے ہیں۔ ایک اور جگہ اسی کتاب "الفقر فخری" میں "اسباق سلسلہ" کے تحت تلاوتِ قرآن کو ہی مقدم رکھا ہے۔ اور اسے اس طریقت کا امتیازی نشان بیان فرمایا ہے۔ اس سے پہلے کہ احباب کو قبلہ حضرت صاحبؒ اور قرآن سے وابستگی کے تحت اپنے مشاہدہ کی بنا پر آگاہ کروں۔ احباب کی خدمت میں مندرجہ ذیل دو احادیث شریفہ نقل کرتا ہوں تاکہ فضیلتِ کلام حقیقت امر واضح ہو جائے۔ حدیث نمبر ۱:- قَالَ رَسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول الرَّبُّ تبارک و تعالیٰ من شغلہُ القرآن عن ذکری و مسئلتی اعطیتہُ افضل ما اعطی السائلین۔ وَ فضل کلام اللہ علیٰ سائرِ الکلام کفضل اللہ علیٰ خلقہٖ۔ رواہ

ترمذی و دارمی و بیہقی فی شعب الایمان ۔ترجمہ" فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ فرماتا ہے پروردگار برکت والا اور بلند جس کو باز رکھے قرآن میری یاد سے اور مانگنے میرے سے تو دیتا ہوں اس کو بہتر اس چیز سے کہ دیتا ہوں مانگنے والوں کو۔ اور بزرگی کلام الہٰی کی تمام کلاموں پر ایسی ہے جیسے بزرگی اور برتری اللہ عزّوجل کی اس کی تمام مخلوق پر" اللہ اکبر ذرا لفظ "عن ذکری" میں گم ہو کر دیکھو۔

ترجمہ حدیث نمبر ۲:۔ روایت ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے۔کہا فرمایا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ" تلاوتِ قرآن فی الصلوٰۃ افضل ہے۔تلاوت غیر الصلوٰۃ کے اور پڑھنا اس کا غیر الصلوٰۃ افضل ہے۔ تسبیحات و تکبیرات سے اور پڑھنا تسبیحات کا بہتر ہے۔خیرات و صدقات سے اور خیرات و صدقات بہتر ہیں روزہ سے۔اور روزہ ڈھال ہے آگ دوزخ کی سے"۔اِن دونوں حدیثوں کی تشریح شرح مشکوٰۃ مظاہر الحق میں ملاحظہ فرمائیں حقیقتِ امر کا قرآن صورتِ آمر صلی اللہ علیہ وسلم اور صورتِ آمر صلی اللہ علیہ وسلم کا قرآن یہ مرد قلندر رحمتہ اللہ علیہ احباب کو معلوم ہوگا۔کہ آپ بلیٹھک میں جس تخت پوش پر تشریف فرما ہوتے تھے۔اس جگہ کے اوپر دیوار کے ساتھ کوئی دو فٹ مربع ایک بلوری سنہری چوکھٹا آویزاں تھا جس میں سارا قرآن الحمد سے والناس تک لکھا ہوا تھا۔یہ باریک عکسی خطِ مصری سبزی مائل کاغذ پر مجھے ایسا معلوم ہوا کرتا جیسے کہ ایک گہرے سمندر کا پانی۔فن کار کی شوخی نے ہر سورت کا شروع سرخ رنگ کی چھوٹی سے مستطیل سے کیا ہوا تھا اور ایسی ۱۱۴ سرخ مستطیلیں اس ہرے گہرے سمندر میں کشتیوں کی طرح دکھائی دیتی تھیں۔بہت ہی باریک ہونے کے باعث اس تحریر کو بغیر خوردبین کی مدد کے پڑھنا محال تھا۔خیر نظارہ سے ہی شوخیٔ تحریر ٹپکتی تھی۔سارے کمرہ میں سوائے اس چوکھٹے کے کوئی اور چوکھٹا نہ تھا۔اور اسی منقش قرآن کے نیچے

مجسم قرآن جلوہ فگن تھا۔ جو اس کاغذ پر نقش تھا۔ وہ اس ہستی میں عیاں۔ تجربہ شاہد ہے کہ صاحبِ خانہ کا مزاج، اس کے اطوار و اخلاق اور اس کی پسندیدگی اس کے ڈرائینگ روم سے ہی پہچان لی جاتی ہے جس قماش کا آدمی ہو اس انداز کا ظہور اس کے کمرہ میں پایا جائے گا۔ کمرے کا معیارِ آرائش صاحبِ خانہ کی طبیعت کے رجحان کا عموماً آئینہ دار ہوتا ہے۔ آپ کے کتب خانہ میں قرآن مجید کی تفاسیر کے علاوہ مختلف سائز کے بہت سے نسخہ جات موجود تھے میرے شوق کے پیشِ نظر آپ نے ایک بہت ہی عمدہ چھوٹے سائز کا نسخہ مجھے عطا فرمایا۔ جو ابھی تک میرے پاس محفوظ ہے۔ آپ کی نظر فیض اثر سے مجھے کلام پاک کا شوق ہُوا۔ آپ کے فرمان کے مطابق میں کوئی سُورۃ حفظ یاد کر لیتا۔ اور آپ کو سُنا دیتا۔ آپ مجھے کوئی دوسری سُورۃ حفظ یاد کرنے کا حُکم دیتے۔ کوئی ہفتہ عشرہ بعد وُہ بھی حفظ کر کے سُنا دیتا۔ کافی عرصہ ایسے ہی گزرتا رہا۔ ایک دن ایسا ہُوا کہ میں نے حفظ کردہ سُورۃ سنائی اور کسی دوسری سُورۃ کے لیے اجازت مانگی تو فرمانے لگے۔ کہ کیا اچھا ہو اگر تم شروع سے ہی حفظ کرنا شروع کر دو۔ اللہ عزّوجل کی رحمت بڑی وسیع ہے۔ اللہ آپ کی مدد فرمائے۔ یہ کوئی ۱۹۴۹ء کا واقعہ ہو گا۔ اس وقت سے حسبِ ارشاد حفظ کرنا شروع کیا ہُوا ہے۔ تقریباً ایک تہائی سمندر پار کر چکا ہوں۔ حافظ کہلانے کا شوق نہیں ہاں یوم الدّین میں زمرۂ حفاظ میں سے شمار ہونے کی تمنا ہے۔ جس کے پورے ہونے کی سند حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلّم کے فرمان سے مل چکی ہے۔ کہ جو کوئی قرآن حفظ یاد کرتا۔ انتقال کر جائے۔ تو اللہ عزّوجل اس کو قیامت کے روز گروہِ حفاظ میں سے اُٹھائے گا۔ آپ فرمایا کرتے تھے۔ کہ قرآنِ پاک کے پڑھتے یا سنتے وقت آدمی کو چاہیئے کہ اپنے آپ کو اس ماحول میں لے جائے۔ جس ماحول میں آیات کا نزول ہُوا ہو۔ احباب ذرا ان الفاظ پر غور فرمائیں کہ کونسی زبان ان الفاظ کو اپنے پر لانے کی جرأت کر سکتی ہے

سوائے اس کے جو صورت آمر صلی اللہ علیہ وسلم کے رنگ میں رنگی ہوئی ہو۔ میں نے اکثر یہ کیفیات آپ کے چہرۂ انور پر مشاہدہ کیں جب آپ کبھی کسی میلاد شریف میں یا کسی ختم شریف میں شرکت فرما ہوتے اور اپنے حصّہ کا ایک پارہ اپنے سامنے رکھکر آہستہ آہستہ پڑھنا شروع کرتے۔ آپ کے ساتھ ساتھ بیٹھنے والے دوست آپ کے چہرۂ اقدس سے پہچان جاتے کہ آیت وعدہ کی ہے یا وعید کی یا کوئی امر بالمعروف ہے یا نہی عن المنکر اسی مجلس میں اگر کسی آیت کے مفہوم کو کسی پاس والے دوست کو بتانا مقصود ہوتا تو بڑے اعلیٰ انداز سے اسے پڑھتے پڑھتے اپنے قریب آنے کا اشارہ فرماتے اور اس آیت پر انگشت مبارک رکھ اس کے معانی آہستگی سے اسے بتاتے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ کسی ختم شریف پر ہم چند دوست ایک دوست کے ہاں گئے۔ قبلہ حضرت صاحبؒ ساتھ تھے۔ پڑھنا شروع کیا۔ آپ کے ساتھ آپ کے بڑے صاحبزادے داہنی جانب بیٹھے پڑھ رہے تھے۔ اور آپکی بائیں جانب میں بھی تھا۔ آپ نے اپنے صاحبزادے کو اشارہ سے قریب کیا۔ اور سورۃ "المنافقونؔ" میں بیان آتا ہے "وھم لایفقھون" اس پر انگلی رکھ کر فرمانے لگے۔ کہ اس آیت سے فقہ کا ثبوت ملتا ہے۔ ایسے ہزاروں نکات ہیں جو آپ نے مجھے سکھائے اگر میں ایک ایک کر کے اُنکو تفصیلاً بیان کرنے لگوں۔ تو یہ ایک علیحدہ کتاب بن جائے۔ اس کتابچہ میں صرف آپ کا حال پیش نظر ہے۔ اس لیے صرف چند آیات کے معنی جیسے جیسے ماحول میں ظاہر کیے گئے۔ عرض کرتا ہوں۔ آپ ایک شام اپنی بیٹھک کے دروازہ سے باہر گلی میں کھڑے تھے۔ آپ کے ساتھ ایک دو اور دوست بھی تھے۔ دیکھا کہ گلی میں سے آپ کی بھینس دوسرے مکان سے جہاں وُہ بندھی ہوئی تھی۔ زنجیر توڑ کر بھاگی چلی آرہی ہے۔ اس کی تندی کے پیش نظر قبلہ حضرت صاحبؒ جھٹ گھبرا کہ اندر کمرہ میں داخل ہو گئے اور ہمیں بھی اندر آنے کو فرمایا۔ خیر بھینس کو تو کسی نے سنبھالا۔ لیکن میرے دل

میں فوراً وسوسہ پیدا ہوا کہ اس مرد کی گھبراہٹ اور اندر داخل ہونا خوف سے خالی نہیں۔ اُدھر کلام پاک میں اُن کے لیے "لاخوفٌ علیھم ولا ھم یحزنون" آیا ہے میں نیا نیا سلسلہ میں داخل ہوا تھا۔ اور کلام پاک کے مطالعہ سے بھی ابھی پوری طرح واقفیت نہ تھی۔ یہ بھی جرأت نہ تھی کہ قبلہ حضرت صاحب کے رُوبرو اس آیت کے معانی پوچھ سکوں۔ خیر یہی وسوسہ دل میں لئے کہ اگر یہ مرد ولی اللہ ہوتا تو اس طرح بھینس سے ڈر کر اندر داخل نہ ہوتا۔ گھر واپس آیا۔ رات کو مجھے خواب میں کلام پاک میں سے ایک آیت جلی حروف میں لکھی ہوئی کہ "الیوم لاخوفٌ علیکم ولا انتم تحزنون" دکھائی گئی۔ اور جس پارہ اور سُورت میں یہ آیت تھی۔ وُہ بھی ظاہر کیا گیا۔ صبح میں نے کلام پاک کھول کر یہ آیت نکالی اس کی تفسیر بھی پڑھی تو معلوم ہُوا کہ "لاخوفٌ علیھم ولاھم یحزنون" کا اطلاق اگلے جہان میں ہے نہ کہ یہاں اس طرح ایک تفسیر کی عبارت جو لاہور کے نکتہ وروں سے حل نہ ہو سکی۔ آپ نے مجھے خواب میں بتائی۔ آپ کی ظاہری حیاتِ طیّبہ کے بعد تفسیر روُحی میرے زیرِ مطالعہ تھی۔ اس تفسیر کا اُردو بڑا جامع اور دقیق ہے۔ ایک دن سورہ یٰسین شریف پر جب پہنچا تو صاحبِ تفسیر رحمۃ اللہ علیہ نے لفظ "یٰسین" کے تحت لکھا کہ "یا" حرفِ ندا ہے۔ اور "س" صورتِ آمر کا خطاب ہے یہ اس لئے کہ یہ حرف "س" اپنے میں سویتِ اعتدالیّت رکھتا ہے کہ درمیان زبُر اور بیّنات اس کے موافقت اور برابری ہے۔ جو کسی اور حرف میں نہیں پائی جاتی۔ لہٰذا مختص بحضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم ہے۔" معنوں پر غور کیا۔ لیکن کچھ حاصل نہ ہُوا دوستوں سے پوچھا لیکن کوئی نہ بتا سکا۔ آخر علمائے کرام کی طرف رجوع کیا بلکہ ہر عقیدہ کے بڑے عالم کو یہ عبارت لکھ لکھ کر بھیجی لیکن کسی طرف سے تسلی بخش جواب نہ ملا۔ کسی نے کہا عبارت ہی غلط ہے۔ کسی نے کہا کہ یہ حرف "س" جمالی ہے جلالی نہیں۔ کسی نے کچھ کسی نے کچھ۔ ایک بڑا عالم بولا کہ یہ زبر بیّنات سے مراد دو

کی اصطلاحات ہیں۔لیکن کچھ پلّے نہ پڑا۔نہ زبر و بیّنات کی تفسیر آئے نہ کوئی حل نکلے۔زبر و بیّنات کے نرے معنے کچھ کام نہ دیں۔اس چکّر میں کوئی چار چھ ماہ گزر گئے۔ایک اتوار روضہ اقدّس حسبِ معمول حاضری کے لیے گیا۔وہاں یہ معمّہ بھی پیش کر دیا۔رات خواب میں دیکھا کہ قبلہ حضرت صاحبؒ تشریف فرما ہیں اور ایک تختہ سیاہ پر مجھے حرف "ا" لکھنے کو فرمایا ایک چاک کا ٹکڑا بھی آپ نے خود ہی جیب مبارک سے نکال کر دیا۔فرمایا کہ اس حرف "ا" کے سامنے "زبر" لکھدو۔پھر فرمایا کہ "الف" ایسے لکھو اور اس کے سامنے بیّنات لکھدو یعنی

ا = زُبر

الف = بیّنات

میری آنکھ کھل گئی۔میں خوشی سے پھولا نہ سمایا مجھے معلوم ہو گیا کہ "س" ہی ایک ایسا حرف ہے جو زُبر و بیّنات میں موافقت اور برابری رکھتا ہے۔کسی اور حرف کو یہ شرف حاصل نہیں۔صورتِ امر صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ مختص اس لیے کہ آپ بھی ظاہری و باطنی ایک ہی حیثیّت رکھتے ہیں آپ کے اوامر و نواہی کی پابندی سب کے لیے یکساں ہے۔فرمایا کرتے تھے کہ اللہ عزّوجل نے اپنی کائنات میں سے کسی شئے کی حفاظت کا ذمہ نہیں اٹھایا۔سوائے اپنے کلام پاک کے۔اس کی طرف سے یہ ذکر اُترا اور وہی اس کا محافظ ہے۔پس یاد رکھو کہ جو چیز محافظت میں رکھی گئی ہو۔اسکی وابستگی سے بھی حفاظت لازم آئے گی "نحن نزلنا الذکر وانا لہٗ لحافظون" والی آیت مبارکہ کے تحت تفسیر کرتے آپ ایک بڑی مزیدار کہانی بیان فرمایا کرتے تھے۔جنگ عظیم کے ایّام تھے۔سیالکوٹ چھاؤنی سے دو پاکستانی آزاد قبائل کے پٹھان ایک ہندو میجر دگھل کو پکڑ کر اپنے علاقہ کی جانب اٹھا لے گئے۔سرحد پار کرنے کے بعد اس میجر صاحب کو ایک گدھے پر بٹھا

دیا اور دونوں پٹھان گدھے کے دونوں طرف ساتھ ساتھ چلے۔ ادھر اس میجر کی حراست کی خبر بذریعہ وائرلیس ہیڈکوارٹرز دہلی پہنچائی گئی۔ وہاں سے ایک مسلح ہوائی جہاز میجر صاحب کے لیے حسب نشاندہی روانہ ہوا جہاز کے کپتان نے دیکھا کہ ایک لق ودق میدان میں سے دو پٹھان میجر صاحب کو گدھے پر سوار لیے جارہے ہیں۔ پٹھانوں نے بھی جب ہوائی جہاز کو اپنے اوپر منڈلاتے دیکھا تو سمجھ گئے کہ دشمن ہمیں گولی کا نشانہ بنانے والا ہے۔ فوراً گدھے کے ساتھ دونوں طرف چمٹ گئے اور اس طرح چمٹے کہ گدھے کو بھی ہانکتے گئے۔ جہاز کا کپتان اگر گولی چلائے تو میجر دگھل بھی ساتھ جائے کیونکہ میجر صاحب کی حفاظت مقصود تھی۔ اس لیے اس کے ساتھ والے گدھے اور گدھے کے ساتھ والے پٹھانوں کی بھی جانیں محفوظ ہوگئیں۔ میجر صاحب کو لڑائی ختم ہونے کے بعد زر کثیر بطور جاں بہا دے کر واپس لیا گیا۔ اسی طرح آیتہ ولاتموتن والا انتم مسلمون کی تفسیر بیان فرماتے آپ اس مجذوب کا واقعہ ضرور دوہراتے جس نے آپ کے ساتھ ہی اعلیحضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے درس میں کچھ عرصہ گزارا تھا ایک دن طلبا نے اعلیحضرت رحمۃ اللہ علیہ کی عدم موجودگی میں اس مجذوب کو کہا کہ اس آیت مبارکہ ولاتموتن ۔ الخ کی تفسیر بیان فرمایئں۔ کہ یہ کیسے لازم ہے کہ ایک آدمی کو موت آئے اور وہ اس وقت ضروری طور پر مسلمان ہی ہو۔ مجذوب صاحب نے پہلے تو ٹالا لیکن لڑکوں کے اصرار پر وہ رضامند ہوگیا۔ کہنے لگا کہ دل چاہتا تھا۔ کہ کچھ دن اور جیئیں لیکن یہ چھوکرے زندگی کے دن پورے کرنے نہیں دیتے۔ اچھا میرے لیے پانی لاؤ۔ تاکہ وضو کرلوں وہ مجذوب صاحب وضو کرکے لیٹ گئے اور لڑکوں کو کہا کہ میرے اوپر ایک چادر اوڑھا دیں۔ بعد میں تفسیر بتاؤں گا۔ حسب ہدایت لڑکوں نے اس مجذوب صاحب پر کپڑا اوڑھا۔ اور اس انتظار میں تھے کہ اب

کچھ بیان فرمائیں گے۔ لیکن چند ساعت تک جب وُہ نہ بولے تو
آپ کے چہرہ سے چادر سرکائی۔ دیکھا کہ آپ کی رُوح قفسِ عنصری سے
پرواز کر چکی ہے۔ چہرہ پر مُسکراہٹ تھی۔ ہم سب کے سب حیران تھے۔
کسی نے قبلہ اعلیحضرت رحمۃ اللہ علیہ کو بھی خبر کر دی۔ جب آپ تشریف
لائے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا عَلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھا اور فرمایا کہ یہ مجذوب
آپ کو آیت ولا تموتن الا وانتم مُسلِمُوْن کی عملی تفسیر بتا گیا ہے
جو آپ کو کبھی نہیں بھُولے گی۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ موت وحیات
قبیلہ تخلیق سے ہیں اور ان میں سب سے افضل و اشرف حضرت انسان
اشرف المخلوقات ہونے کے باعث باقی تمام خلقت پر حاوی ہے اور
اس میں موت وحیات بھی شامل ہے۔ یہ جب چاہے مرجائے۔ اور جب
چاہے جی اُٹھے۔ سندھ کے علاقہ میں ایک مجذوب کا واقعہ بیان فرمایا
کہ جب وُہ مجذوب انتقال کر گیا۔ اسے ایک چارپائی پر لٹایا ہُوا تھا۔ اور
وہاں کے چند لوگ اس کے گرد بیٹھے کچھ دفن وتدفین کا بندوبست کر رہے
تھے۔ کہ ایک مائی (بڑھیا عورت) پاس سے گزری۔ پوچھا کہ کون مرگیا ہے
جواب ملا کہ فلاں مست۔ بولی کہ مست صاحب آدمی تو اچھے تھے لیکن
مرنے کا دن منگل لیا ہے اور یہ منگل کا دن کوئی اچھا شگون پیش نہیں کرتا
اس بڑھیا عورت کا یہ کہنا ہی تھا۔ کہ مست صاحب چارپائی سے اُٹھ بیٹھے
فرمانے لگے کہ مائی صاحبہ کونسا دن اچھا ہوتا ہے۔ اُن کے اُٹھ بیٹھنے سے
خوف تو لازمی تھا۔ ڈرتی ہُوئی بیچاری بوڑھیا بولی کہ جمعرات کا دن اچھا
ہوتا ہے۔ فرمانے لگے کہ اچھا اب جمعرات کو ہی مریں گے۔ چنانچہ ایسا ہی
ہُوا۔ بدھ کا دن اور جئے اور جمعرات کو چل بسے اور ولاتموتن وانتم
مُسلِمُوْن کی تصدیق کر گئے۔ آپ کی صحبتِ فیض یاب ہوتے ہُوئے
کسی تفسیر کے مطالعہ کی ضرورت تو نہ تھی۔ لیکن میری لاعلمی کے پیش نظر

آپ نے تفسیر "مواہب الرحمٰن" کی تمام جلدیں اپنے کتب خانہ سے نکالیں اور مجھے ایک ایک کر کے مطالعہ کرنے کا ارشاد فرمایا۔ میں نے یہ ساری ہی تفسیر تقریباً پانچ سال میں آپ کی ظاہری حیات طیّبہ میں ہی ختم کی جو حقائق مجھے اس تفسیر کے مطالعہ میں پیش آتے قبلہ حضرت صاحبؒ سے انکا حل حاصل کرتا۔ آپ ایسے ایسے نکات بیان فرماتے جو کسی تفسیر میں بھی نہ پائے جاتے۔ آپ کبھی کبھی فرمایا کرتے تھے کہ یُوسف صاحب اللہ تعالیٰ نے ذہن رسا بخشا ہے۔ زورِ قلم بھی عطاء کیا ہوا ہے۔ دل چاہتا ہے۔ کہ آپ دوستوں کی ملازمت وغیرہ چھڑائی جائے۔ اور کسی کھلی فضا میں علیحدہ ہو کر حقیقت امر کے کلام کا ترجمہ اور تفسیر لکھی جائے۔ اللہ عزّ وجل کے فضل و کرم سے ترجمہ اگر اعلیحضرتؒ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ سے افضل نہیں تو بفضلہٖ تعالیٰ کسی درجہ کم بھی نہیں ہوگا۔ صاحبِ امر بغیر دیکھے نہیں کہتا۔ آپ کو کھلی فضا مل چکی ہے۔ ذہن رسا اور زورِ قلم دیکھیں کس کو بخشا جاتا ہے۔ اور یہ تفسیر والا کام کس سے اور کب لیا جاتا ہے۔ آپ کے زیرِ سرپرستی انشاءاللہ یہ کام ہونا ہی ہوتا ہے۔ قید اوقات صرف ہمارے لیے ہے یہ اولی الامر حضرات ایسی پابندیوں سے آزاد ہوتے ہیں۔ آپ دوستوں کی درخواست پر ہر ایک کی طبیعت کے موافق کلام پاک سے کوئی آیت یا سُورۃ بطور ورد۔ وظیفہ یا چلّہ پڑھنے کو فرماتے اور ساتھ ساتھ ایسے وظائف کی تکمیل تک آپ اُس دوست کی خاص نگہبانی رکھتے مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ میں نے شوق ظاہر کیا کہ کوئی چلّہ کاٹوں آپ نے مجھے سُورۃ مزمّل شریف کچھ ایسے تکرار سے پڑھنے کو فرمایا کہ سبحہ کا ایک شمارہ کوئی آدھ پون گھنٹہ لے جاتا۔ مجھے ایسے شمارے گیارہ کرتے تھے۔ اور

مقرّر کردہ وقت نمازِ عشاء اور نمازِ فجر کے درمیان تھا۔ میعاد چلّہ کشی وہی اکتالیس روز تھے۔ آپ کا ارشاد ترکیب سن رہا تھا۔ کہ کیوں ایسی درخواست پیش کی۔ نہ کرتا نہ مشقت میں پڑتا آپ نے فرمایا گھبرائیے نہیں چند روز تک رمضان المبارک شروع ہونے والا ہے۔ فجر سے پہلے سحری کے لیے تو جاگنا ہی ہے۔ ذرا کچھ وقت اور پہلے بستر چھوڑ دینا۔ تیس دن یہ تو بڑی آسانی سے گزر جائیں گے۔ رہ گئے باقی۔ گیارہ دن اللہ عزّ و جل کی مدد سے وُہ بھی پورے ہو جائیں گے۔ فکر مت کریں۔ کمر باندھیں اور اس چلّہ کے لیے طیّار ہو جائیں۔ جب یہ چلّہ پورا کرلیں تو روزانہ ایسے ہی تکرار کے ساتھ کسی معیّنہ وقت پر اس سورۃ شریف کو پڑھ لیا کریں۔ دین و دُنیا کی بہتریاں پاؤ گے۔ چلّہ کشی کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ یہ صورتِ اسوہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک غارِ حرا والی ادا کی تقلید ہے۔ تہذیبِ نو کے دلدادے ہوئے جو ایسے طریقِ عبادت سے چڑتے ہیں۔ ان سے پوچھا جائے کہ آپ اپنی اولاد کو عمر کے ایک حصّہ تک اعلیٰ تعلیمی معیار دیتے ہیں۔ اور اس دوران تعلیم میں آپ* اُن سے کوئی ایسی توقع رکھتے ہیں۔ آپ کو یہ معلوم ہے کہ ان کا زمانۂ تعلیم کسی دُنیاوی اعلیٰ منصب پر فائز ہونے کے لیے ہے۔ جہاں پہنچ کر یہ ہمیں اور اپنے آپ کو بھی نفع پہنچا سکیں گے دنیاوی منصب کے لیے اگر ان کے بچّے بیس پچیس سال بغیر کمائے گزار دیں تو ٹھیک ہے۔ اگر کوئی راہرو اپنے پیدا کرنے والے خالق کی معرفت میں چند معدود ایّام تنہائی میں گزارے تو اس پر آوازے کسنے شروع کر دیں:۔

ع بہ بابل

بریں عقل و دانش بباید گریست

*: یعنی اپنی اولاد سے کوئی نفع حاصل کرنے کی توقع رکھتے اور امیدوار ہیں

آپ کلام پاک کی سیاہی اور اوراق کو لباسِ قرآن کا نام دیتے ۔ اوران اوراق وسیاہی میں جو حقیقتیں پوشیدہ ہیں۔ انہیں قرآن کہتے "۔ کلام حقیقتِ امر کے تحت میں نئے اسی کتاب" اجتماع ضدین" کے پہلے حصہ میں جو نکات بیان کئے ہیں۔ وہ سب کے سب قبلہ حضرت صاحبؒ کی ہی نظر فیض اثر کا صدقہ ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ افسوس ہے اس شخص کی دانش پر جو رقعہ کی تو تصدیق کرے اور رقعہ لانے والے پر شک رکھے۔ اس کے ذکر کو مکروہ جانے۔ اس کی فصل کاٹنے کے درپے رہے۔ اور اسی رقعہ میں سے اس کے عیوب ڈھونڈھنے میں لگا رہے۔ یہ عجب نہیں تو اور کیا کہ ایک محب اپنے محبوب کو پیغام دے۔ اور اس پیغام میں اپنے محبوب کی ہی تنقیص کرے۔ عیاذاً باللہ یہ اپنی عقل کے گز سے نبوت کی پنہائیوں کو ناپنے والے" فاوحیٰ الیٰ عبدہٖ ما اوحیٰ" کی شان رکھنے والے کو کیا سمجھ سکیں۔

مشغلہ تعویذات

صاحبِ امر حضرات صاحبِ جذب ہوتے ہیں اور یہ توفیقِ رفیق حقیقتِ امر کی طرف سے انہیں کو عطا ہوتی ہے جو اس امانت کو کما حقہٗ نبھا سکیں۔ احباب بخوبی واقف ہوں گے کہ یہ مردِ واحد رازِ حقیقتِ امر سنبھالے ہوئے ہزاروں دوستوں کے رازوں کو اپنے اندر لئے ہوئے تھا۔ کوئی دوست دعوے سے نہیں کہہ سکتا کہ اس کے علاوہ کسی دوسرے دوست کا تعلق قبلہ حضرت صاحبؒ سے کیسا تھا اسے کیا سبق دیا گیا۔ اسے کیسے اس راہ پر لایا گیا اور چلایا گیا۔ جیسے طبیعتوں میں اختلاف ایسے سے قبلہ حضرت صاحبؒ کے ساتھ تعلق میں اختلاف میں نے علیحدہ علیحدہ احباب کی کہانیاں سنیں۔ ہر ایک کو یہی کہتے پایا۔ کہ میری طبیعت کا فلاں فلاں رجحان قبلہ حضرت صاحب کی طبیعت سے موافقت و برابری رکھتا تھا۔ اس لئے قبلہ حضرت صاحبؒ مجھے زیادہ محبوب تھے اور اُن کو میں زیادہ پسند تھا۔ وہ یہ نہ سمجھے کہ قبلہ حضرت صاحبؒ سرتاج اولی الامر حضرت تھے۔ مخلوق کی طبائع کے جامع لیکن سب سے الگ۔ میں اس جذب والی صلاحیت سے بالکل کورا تھا۔ آپ اکثر اوقات مجھے اس کمزوری سے آگاہ کرتے۔ فرماتے خبر نہیں کہ تیرے پیٹ میں کوئی بات کیوں نہیں پچتی۔

آپ کا معمول تھا کہ جب صبح ناشتہ وغیرہ سے فارغ ہو کر نیچے تشریف لاتے۔ تو دوپہر تک آپ خلقِ خدا کی حاجت روائی فرماتے۔ مرد و زن اپنی اپنی غرض لئے حاضر ہوتے۔ آپ نے تعویذات کا شغل بھی رکھا ہوا تھا۔ کسی کو جب تعویذ عنایت فرماتے اگر وہ پوچھ لیتا کہ قبلہ

پرہیز وغیرہ تو نہیں ہے تو خوش طبعی کے ماتحت فرماتے کہ کھانا کھاتا نہیں اور لباس پہنتا نہیں ۔ اگر کوئی عورت تعویذ لے کر پوچھتی کہ کتنے پیسے دوں تو فرماتے کہ کبھی مانگ کر لیا نہیں یا کسی سے بے تکلفی کی بنا پر فرما دیتے کہ حج کے پیسے نکال دیجئے تاکہ یہ فریضہ ادا کر لیں ۔ عورتیں طرح طرح کے سوالات کرتیں آپ ہر ایک کو ان کے مزاج کے مطابق جواب دیتے ۔ اگر کوئی عورت کہتی یہ میرا بچہ بڑا شرارتی ہے نچلا نہیں رہ سکتا تو فرماتے کہ بندر اور بچہ دونو شرارتی ہوتے ہیں وہ عورت کچھ کھسیائی سی ہو جاتی ۔ اگر کوئی عورت تعویذ وغیرہ سنبھال کر مزید دعا کے لئے کہتی تو فرماتے کہ بس یہی دعا اور یہی بددعا ہے جیسے بتایا گیا ہے جاکر عمل کرو ۔ زیادہ وقت ضائع نہ کرو ۔ ایک دن ایک میاں بیوی اپنے ایک تین چار ماہ کے کمزور بچے کو لیکر حاضر خدمت ہوئے اور تعویذ کی درخواست کی آپ نے انہیں تعویذ دے کر فرمایا کہ بچہ کی حالت پر آپ خود بھی رحم کریں تاکہ اس کی صحت بحال رہے ۔ مجھے یاد ہے کہ موضع سمائی یا ہنجروال سے ایک بہت بوڑھی گوالن جو شہر میں اُپلے بیچنے کے لئے آیا کرتی تھی وہ اکثر اپنے کاروبار سے فارغ ہو کر خالی ٹوکرہ لیے قبلہ حضرت صاحبؒ کی خدمت میں آجایا کرتی ۔ ٹوکرہ ایک طرف رکھ دیتی اور تخت پوش کے سامنے وہ بڑھیا فرش پر ہی بیٹھ جاتی ۔ اور اپنے ازاربند سے نقدی کھولتے قبلہ حضرت صاحب سے "دسے مولوی" کا خطاب دیتی بہت سے تعویذات کی درخواست کرتی ۔ قبلہ حضرت صاحبؒ اسے اماں جی کہتے اور اس کی لڑکی ۔ اس کی بہو ۔ اس کے بیٹے اور اس کے خاوند کو علیحدہ علیحدہ تعویذ دیتے وہ بھی علیحدہ علیحدہ ان تعویذوں کو باندھ لیتی ۔ آپ فرمایا کرتے کہ اس اماں کا اخلاص سے دسے مولوی کہہ کر پکارنا آپکے ان خطابات سے جو تصنع و بناوٹ کی آمیزش لئے ہوئے ہیں کہیں بہتر ہے بارہ ایک بجے

دوپہر تک میز فروٹ وغیرہ کے نذرانوں سے لدی ہوتی۔ بشیر کو فرماتے کہ اوپر لے جاؤ۔ تخت پوش سے نقدی اکٹھی کر کے ٹوپی میں ڈال لیتے مسکراتے اور مجھے فرماتے کہ اب دوکان بند کر لیں۔ کھانے کا وقت ہوتا تو اوپر سے پیغام آجاتا۔ کھانا کھانے کے بعد قیلولہ فرماتے اور شام کو دوبارہ محفل ہوتی جو نماز عشاء تک رہتی۔ روزمرّہ کے معمول سے ایک عام انسان جو آپ کا اندازہ لگائے تو کیا حاصل کرے۔ تعویذات میں نہ کوئی درویشی پوشیدہ ہے۔ اور نہ ہی یہ درویش کے لئے لازم ہے کہ لوگوں کو تعویذ دے خود فرمایا کرتے تھے کہ تعویذات میں تعویذ دینے والے کی کیفیت کام کرتی ہے۔ نہ کہ سیاہی۔ حضرت بہاؤ الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ بیان فرمایا کرتے تھے۔ کہ ایک روز آپ اپنے خادم اور گدھے کے ساتھ کسی قریہ کی مسجد میں ٹھہرے۔ ساری رات نہ کوئی مسجد میں آیا اور نہ کسی نے کھانے کا پوچھا۔ علی الصباح خادم نے کسی چوہدری کے گھر صدا دی تو سخت جواب ملا اور معلوم ہوا کہ چوہدری صاحب کی عورت دردِ زہ میں مبتلا ہے۔ دو چار روز سے کراہ رہی ہے بچّہ پیدا نہیں ہوتا۔ خادم نے اپنے قبلہ پیر و مرشد کا بتایا کہ رات کے مسجد میں آئے ہوئے ہیں چوہدری صاحب حاضرِ خدمت ہوئے۔ ساتھ ہی پر تکلف کھانے حضرت صاحبؒ کے لئے اور ہرا بھرا چارہ گدھے کے لئے بھی لے گئے۔ آپ نے اور خادم نے کھانا کھایا۔ گدھے کو بھی چارہ ڈالا۔ اور خوشی میں یہ لکھا۔

مرا جا شد خرم را نیز جا شد
زنِ دھقاں بزائد یا نہ زاید

اور اس چوہدری کو دیا کہ اپنی عورت کی بائیں ران پر یہ کاغذ کا ٹکڑا کسی کپڑے میں لپیٹ کر باندھ دیں۔ چنانچہ حسب ارشاد عمل کیا بچّہ پیدا

ہوگیا اور آپ کی کیفیت کا وہ زور تھا کہ اب تک یہ شعر لکھ کر اگر کسی دردِ زہ والی عورت کو باندھا جائے انشاء اللہ تکلیف کم پائے۔ فرمایا کرتے تھے کہ بنفشہ دیہی دانہ میں تو اثر ہو اور کلام پاک میں اثر نہ ہو یہ کہاں کا فلسفہ ہے۔

مزاراتِ اولیاء کرام

مجھے آپ کی معیت میں مزاراتِ اولیائے کرام پر حاضری کا شرف بھی حاصل ہوا۔ قبلہ حضرت بہاؤ الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ ملتان شریف والوں کی حاضری کا ذکر کہیں پیچھے لکھ چکا ہوں۔ سالانہ عرس شریف کے موقعہ پر داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پُر انوار کی حاضری بھی آپ کی معیّت میں نصیب ہوتی۔ عرس کے دن شروع تھے۔ کسی دوست نے آکر کہا کہ قبلہ داتا صاحب کی حاضری کے لئے کس وقت جانا ہے تو فرمایا کہ جب پیغام آئے گا چلے جائیں گے۔ بن بلائے کسی کے پاس جانا اچھا نہیں ہوتا۔ فرمایا کرتے تھے کہ داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے چند خصوصی مہمان جن کی گنتی بمشکل چھ تک ہوتی ہے اس عرس شریف پر آئے ہوئے ہوتے ہیں حسب ارشاد داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان کی دیکھ بھال کرنی ہوتی ہے جس کے لئے جانا پڑتا ہے۔ باقی مخلوق سب طفیلی ہوتی ہے۔ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ داتا صاحبؒ کی حاضری پر اللہ عزوجل سے یہ کیوں نہیں مانگتے کہ جیسے یہ مرد کامل پیدا کیا ہے ایسا ہمیں بھی بنا دے۔ سبحان اللہ آپ کی علو مرتبت۔ ہم دوستوں کو تقریباً ہر مزار پر جہاں مراقبانہ حالت میں بٹھاتے تو یہی فرماتے کہ اگر کوئی کشف ہوا تو اللہ سے اللہ ہی مانگنا۔ دنیا کی طرف نہ آنا۔ دنیا

سب کی سب جھونگے میں ہی آجاتی ہے۔ داتا صاحبؒ سے آپ کے گہرے تعلق تھے۔ ایک روز ایک شخص حاضر خدمت ہوا۔ کہنے لگا کہ رات مجھے داتا صاحبؒ خواب میں ملے ہیں اور انہوں نے میری اصلاح کے لئے آپ کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ آپ قبول فرمائیں۔ آدمی کوئی چالاک شخص تھا اور بزرگوں کی آزمائش اپنا معمول بنائے ہوئے تھا قبلہ حضرت صاحبؒ نے جواب میں فرمایا۔ داتا صاحبؒ نے اگر آپ کو آگاہی دی تھی تو قلعہ گوجر سنگھ کوئی دور نہیں تھا مجھے بھی یہاں فرما سکتے تھے کہ فلاں شخص بھیج رہا ہوں اُسے نگاہ رکھیں۔ مجھے آپ کی بابت کچھ آگاہی نہیں لہذا تشریف واپس لے جائیں اور ایسی عادت سے باز آئیں۔ عرس شریف کے علاوہ دیگر اوقات میں بھی آپ داتا صاحبؒ کے مزار اقدس پر جاتے۔ عموماً آپ کا وقت عرس کے موقعہ پر مغرب و عصر کے درمیان ہوتا۔ سرہانے کی جانب چند منٹ کے لئے تشریف فرما رہتے اور واپس آجاتے۔ عرس کے دنوں میں اب بھی وُہ جگہ سہروردی احباب کے لئے مخصوص ہے اور اس کا اہتمام پہلے تو مرزا غلام محی الدین صاحب مرحوم کے سپرد تھا۔ اب ان کے چھوٹے بھائی مرزا غلام حسین صاحب یہ فرض انجام دے رہے ہیں دُعا ہے کہ اللہ عزوجل تا ابد اسے نبھانے کی توفیق اسی خاندان میں رکھے۔ آمین۔

ایک دفعہ یوم صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ کے موقع پر آپ مزنگ (لاہور) کی کسی مسجد میں واعظ فرما رہے تھے رات بارہ ایک بجے واعظ شریف ختم ہونے پر واپس قلعہ گوجر سنگھ آئے میرے ساتھ چوہدری محمد دین صاحب منیجر وہاڑی والے بھی تھے۔ آپ نے قلعہ پہنچنے پر فرمایا۔ کہ آپ دونو دھرمپورہ جاکر کچھ آرام کر لو اور علی الصباح کوئی ٹانگہ وغیرہ لے کر واپس یہاں آجانا یہاں سے تینوں اکٹھے حضرت میانمیر

صاحب رحمۃ اللہ علیہ جائیں گے۔ حسب ارشاد ہم دونو بھائی دھرمپورہ گھر پہنچے۔ نیند وغیرہ تو نہ آئی فیصلہ کیا کہ ساتھ والے ہمسایہ کو جس کے پاس ٹانگہ ہے جگا دیں اور قلعہ پہنچیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا۔ کوئی دو ڈھائی بجے قریب واپس قلعہ پہنچ گئے۔ ٹانگہ بازار میں کھڑا کیا اور خود دونو اونچی سیڑھیاں چڑھتے جب مکان کے قریب پہنچے۔ ہم نے دیکھا کہ بالاخانہ کی بتی جل رہی ہے۔ آپ نے ہماری آہٹ پاتے ہی چہرۂ انور کھڑکی سے باہر نکالا۔ فرمایا۔ اچھا ہم آرہے ہیں۔ ہم حیران تھے کہ آپ نے کب آرام کیا ہوگا۔ خیر ہم معیت حضرت صاحبؒ ٹانگہ پر سوار حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ کے مزار اقدس پر آگئے۔ حسب ارشاد روشنی بند کی اور مراقبانہ حالت میں بیٹھ گئے۔ صبح کی اذان ہونے پر آپ اُٹھے اور میں بھی اُن کے ساتھ باہر آگیا۔ آپ میاں میر صاحبؒ کے مزار شریف کے تخت والی دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑے ہو گئے۔ میں نے عرض کیا کہ کیا چوہدری صاحب کو بلا لاؤں تو فرمایا کہ اسے رہنے دو۔ وہ خوب مزے لے رہا ہے۔ ساتھ ہی فرمایا کہ وہ بڑے دروازہ سے جو آدمی باہر گزر رہا ہے۔ ہمارے ساتھ اندر بیٹھا تھا اس نے قبلہ حضرت میاں میرؒ کے حضور کوئی روٹی کا مسئلہ پیش کیا ہوا تھا۔ حضرت میاں میرؒ نے مجھے فرمایا تھا کہ اس کا آٹے والا کام کر دیا گیا ہے۔ اسے اطلاع دے دیں آپ اس شخص کو حضرت میاں میرؒ کی طرف سے یہ خوشخبری دے آؤ۔ ہمیں باہر آتے یہ یاد نہیں رہا۔ میں بھاگا بھاگا اس شخص کے پاس پہنچا۔ میرے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ واقعی وہ ایک آٹے کی چکی کی درخواست کر رہا تھا میں نے اسے خوش خبری دی کہ آپ کا کام بن گیا ہے۔ اُس نے وہیں خوشی میں اچھلنا شروع کر دیا۔ میں نے واپس آکر قبلہ حضرت صاحبؒ سے

چوہدری محمد دین صاحب کی بدنظری کی شکایت کی اور عرض کیا کہ قبلہ یہ باز نہیں آتا کوئی ایسا ہاتھ پھیرو کہ اس کی شہوانی طاقت سب جذب ہوجائے آپ نے ایک عجیب انداز سے سر مبارک پھیرا اور فرمایا کہ صورت اسر صلی اللہ علیہ وسلم کا ماحول سامنے لاؤ اور اس اصحابی ددکا ندار کی کجھوروں والی حدیث شریف یاد کرو۔ باوجودیکہ نور نبوت کی شعاعیں جلوہ ریز تھیں۔ لیکن ایک غیر ارادی لغزش پھر بھی سرزد ہوئی ۔ احساس زیاں کام آیا اور یہ شفقت نبوی قیامت تک کے لئے اس امت مرحومہ کے سارے غلاموں کو باعث استفادہ ہوئی ۔ جب آیہ مبارک نازل ہوئی ۔ اِنّ الحسنات یذھبن السّیات ۔ جان لو کہ احساس منزل کی سیڑھی ہوتی ہے چوہدری صاحب کا احساس کہ وُہ بُرے افعال کا مرتکب ہوتا ہے اور آپ کو اپنی اصلاح کے لئے سفارشی لاتا ہے ۔ اس امر کی دلیل ہے کہ کسی دن وُہ ایسے افعال سے باز آجائے گا ۔ ہم دونو تخت والی دیوار سے اوٹ لگائے آمنے سامنے یہ گفتگو کر رہے تھے کہ چوہدری صاحب بھی اندر سے باہر آگئے نماز فجر وہیں ادا کی اور دوپہر تک قبلہ حضرت صاحبؒ نے دھرمپورہ میں ہی میرے غریب خانہ پر آرام فرمایا ۔ یہ اتوار کا دن تھا سب سے پہلے مجھے آپ کی معیت میں جس مزار پاک کی حاضری کا شرف حاصل ہوا وُہ حضرت شاہ جمال سہروردی رحمتہ اللہ علیہ کا تھا ۔ یہ آرام گاہ اچھرہ کے قریب نہر اور فیروزپور روڈ کے درمیان ایک اونچے دمدمے پر واقع ہے ۔ قبلہ حضرت صاحبؒ مرزا صاحب مرحوم اور میں تینوں سرِ شام وہاں پہنچے ۔ آپ نے مجھے مراقبہ سکھایا ۔ واپسی پر ہمارا ٹانگہ حضرت شاہ عنایتؒ کے مزار اقدس سے گزرا ۔ آپ نے اشارہ کرتے فرمایا کہ یہ آپ کی برادری کا مرد ہے حضرت بلھے شاہ صاحبؒ کا پیر ۔ میں نے بلھے شاہ صاحبؒ کی طرز زندگی کوئی بات کہی ۔ فرمانے لگے کہ لاتقربو الصّلوۃ وانتم سکارا ۔

والی آیت کا ترجمہ یاد ہے۔ خود ہی فرمایا کہ جب وحمالیں ڈالی جائیں تو عبادات نہیں ہو سکتی۔ مرزا صاحبؒ خود ٹانگہ چلا رہے تھے یہ تفسیر سن کر بے خود ہو گئے اور سارا راستہ قلعہ گوجر سنگھ تک جھومتے ہی گئے۔

ایک دفعہ آپ کے ساتھ کسی کام کے لئے شاہدرہ جانا تھا۔ واپسی پہ فرمانے لگے کہ جہانگیر کے مقبرہ سے ہوتے جائیں۔ چند منٹ جہانگیر کی قبر پر مراقبہ کیا۔ فرمایا کہ میں نے جہانگیر کو دیکھا۔ ایک خوبصورت نوجوان مرد۔ موٹی موٹی سرمگیں آنکھیں جن میں آنسو ڈبڈبا رہے تھے۔ میں نے اُس سے ایک سوال کیا کہ مرنے کے بعد کیسا پایا ڈبڈباتی ہوئی آنکھوں سے میری طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ واللہ غالبٌ علیٰ أمرہٖ۔

ایک شام ابھی دفتر بند ہونے میں چند منٹ باقی تھے مجھے کسی نے پیغام دیا کہ باہر سڑک پر آپ کے قبلہ حضرت صاحبؒ ٹانگہ میں تشریف فرما ہیں اور آپ کو بلاتے ہیں۔ میں جب چند دفتری دوستوں کے ساتھ باہر نکلا تو آپ ٹانگہ سے اُتر کر فیکٹری کے بڑے دروازہ کی طرف آرہے تھے میں نے سلام عرض کیا۔ فرمانے لگے حضرت اسماعیل شاہ صاحب المعروف "وڈے میاں" کے مزار پر حاضری کا ارادہ تھا۔ خیال کیا جاتی دفعہ راستہ میں آپ کو بھی ساتھ لے جائیں آپ کے ساتھ کوئی صاحب یامین قریشی کراچی سے کسی اپنے مطلب کے لئے آئے ہوئے تھے۔ ابھی ہم سڑک پر ٹانگہ تک نہیں پہنچے تھے کہ ایک مجذوبہ مائی جو روزانہ ان ورکشاپوں کے ارد گرد چکر کاٹتی دیکھی جاتی تھی ایک آدھ سیر گرم جلیبیاں کاغذ میں لپیٹے ہوئی حاضر خدمت ہوئی۔ سلام عرض کیا اور وہ جلیبیاں پیش کیں۔ میں اور میرے ساتھ والے دفتر کے ساتھی حیران یہ نظارہ دیکھ رہے تھے۔ آپ نے نذرانہ قبول فرمایا اور ہمیں بانٹ دیا۔ اس دن کے

بعد ہم نے اس مجذوبہ مائی کو اس علاقہ میں نہ پایا مزار اقدس پر پہنچے آپ نے اہل مزار کی مختصر سی زندگی کے حالات بیان فرمائے ۔ پائین صاحب کا سوال بھی پیش کیا گیا جو حل ہوا اور اسے خوشخبری دی گئی۔ میں نے ایک ایک حاضری اختصار کے پیش نظر بیان کی ہے تاکہ قارئین کرام اپنے اپنے مرتبہ کے مطابق حظ اٹھا سکیں ۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ کسی اہل مزار کی حاضری سے پہلے موتوا قبل انت موتوا والی کیفیت وارد کریں ۔ جس کا مشاہدہ مطلوب ہو وہ مشہود کی صفات اپنے میں لائے ۔ دیکھا نہیں کہ دنگل وغیرہ دیکھنے کے لئے دور دور سے گاؤں کے نوجوان ٹولیاں بنا کر نکلتے ہیں اور سارا راستہ شانے ہلاتے اور چھلانگیں لگاتے اس دنگل تک پہنچتے ہیں ۔ اسی طرح عورتوں کو دیکھا ہوگا کہ جب انہیں کسی مرگ پر افسوس کے لئے کسی دوسرے گاؤں جانا ہوتا ہے تو گاؤں کی حد آنے پر بین کرنے شروع کر دیتی ہیں ۔ ان اہل اللہ نے بھی انقطاع اسباب کیا ہوتا ہے ۔ انکے ملنے کے لئے بھی تمام اسباب سے انقطاع لازمی آتا ہے ۔ فرمایا کرتے تھے کہ یہ اولی الامر حضرات اپنے انتقال کے بعد اپنی آرامگاہ خود پسند فرماتے ہیں اور اپنے مزار کی تعمیر وغیرہ بھی اپنی منشا کے مطابق کراتے ہیں ۔ ہم نے اس ارشاد کی تصدیق اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کی ۔ آپ کے ان ظاہری آنکھوں سے پردہ فرمانے کے بعد پورے چار سال بلکہ اس سے بھی کچھ اوپر دوستوں نے دیکھا ہوگا کہ آپ کا مزار پاک مسطح رہا ۔ نہ کوئی خاص نشان قبر نہ کوئی تعویذ قبر ۔ ختم شریف میں مناجات بدرگاہ قاضی الحاجات پڑھتے وقت جب یہ مصرع ۔

ے "بعد مردن قبر میری ہو وے کاخ"

سنتا تو میں دل ہی دل میں سوچتا کہ نہ آپ کے مندرجہ بالا ارشاد کی

بجا آوری اور نہ ہی اس مصرع کی کوئی تکمیل ہو رہی ہے جگہ کا پسند فرمانا تو اُس انتقال والے دن ہی ثابت ہو گیا تھا۔ جب قبرستان بی بی پاک دامناں میں قبر کو لحد تک پہنچایا گیا۔ بلکہ کچھ اینٹیں بھی درست کی گئیں لیکن آپ نے کسی دوست کی زبان سے اس جگہ کو منسوخ فرمایا کھلی فضا ہنجروال شریف کا اشارہ کر دیا۔ وہی اینٹیں ٹرک میں لادی گئیں اور رات کے پہلے حصہ میں ہی جگہ بالکل طیار کر لی گئی۔ یہ تعمیر والا مسئلہ دلوں میں چکر کاٹ رہا تھا اور ہر دوست اس کے انتظار میں تھا کہ "بعد مردن قبر میری ہووے کا رخ" کب پورا ہو گا۔ آخر ہم سب نے وہ بھی پورا ہوتے دیکھا اور انشاء اللہ قیامت تک یہ بے مثال روضہ اپنے حسن و کمال میں درجوں بلند ہو گا۔ اور بقول قبلہ حضرت صاحبؒ "گہوارۂ محاسن" بنے گا۔

مجھے آپ کی معیت میں آپ کے پیر و مرشد حضرت قبلہ باباجیؒ حیات گڑھی کے مزار انور پر حاضری دینے کا بھی شرف حاصل ہوا۔ باباجی رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ۱۲ ربیع الاول ۱۳۷۱ھ بمطابق ۱۲ دسمبر ۱۹۵۱ء بروز بدھ وار ہوا قبلہ باباجی رحمۃ اللہ علیہ کے پہلے سالانہ عرس مبارک پر ہم کافی دوست قبلہ حضرت صاحبؒ کی ہمراہ لاہور سے گجرات پہنچے وہاں سے ناشتہ وغیرہ کر کے کچھ پھل و مٹھائی خریدی اور دیہاتی ٹانگوں پر سوار موضع حیات گڑھ نزد جلال پور جٹاں قبل دوپہر پہنچ گئے۔ فروٹ و مٹھائی علیحدہ دو ٹوکروں میں رکھی گئی تھی تاکہ قبلہ باباجی رحمۃ اللہ علیہ کے دونو صاحبزادوں کو برابر کا حصہ ملے۔ دوپہر کا کھانا آپ کے چھوٹے صاحب زادے فضل الٰہی صاحب کے ہاں تھا۔ دیہات کے چند معزز حضرات بھی کھانے میں شامل تھے۔ ایک دلچسپ تعارف جو کھانا کھانے کے بعد اسی کمرے میں کرایا گیا وہ ہندوستان سے آئے ہوئے

ایک مہاجر سے تھا۔ یہ لکھنوی وضع کا ایک نوجوان موچھیں بڑھائے ہوئے۔ داڑھی منڈھائے ہوئے۔ شیروانی زیب تن کئے ہوئے اور لال ٹوپی سر پر رکھے ہوئے حاضر خدمت جو ہوا تو کسی نے دیہات والوں میں سے کہا کہ قبلہ یہ ہمارے بڑے عالم و فاضل شاعر لکھنؤ سے آئے ہیں آپ کی زیارت کا شوق رکھتے ہیں۔ وہاں قبلہ باباجیؒ کے مزار پر حاضری دیتے وقت یہ کچھ اپنا کلام بھی سنائیں گے بڑے فصیح و بلیغ شاعر ہیں۔ یہ صاحب کچھ ایسے نظر آ رہے تھے کہ اپنے خوشامدی الفاظ سن کر خوشی سے پھولے نہیں سما رہے۔ قبلہ حضرت صاحب نے آہستہ سے اپنے انداز میں فرمایا ہاں ٹھیک ہے۔ "فی کل وادی یہیمون" وہ صاحب پہلے ہی اپنے تعریفانہ الفاظ سُنکر آپے سے باہر تھا۔ جب قبلہ حضرت صاحبؒ کے یہ الفاظ سنے تو اس نے خیال کیا کہ شاید آپ نے بھی میری ہی تعریف میں یہ عربی الفاظ بولے ہیں۔ بہت جھوما اور شاعرانہ انداز میں واہ واہ قبلہ صاحب واہ واہ کی داد دینے لگا۔

قبلہ حضرت صاحبؒ میری طرف دیکھ کر مسکرائے۔ اور اس مسکراہٹ میں ہی بتا گئے کہ یہ کتنا جاہل شاعر ہے۔ خیر یہ لطیفہ ضمناً لکھ دیا ہے دیہات سے کوئی ایک آدھ فرلانگ مشرقی جانب قبلہ باباجیؒ کی آرام گاہ ہے۔ قبلہ حضرت صاحبؒ تعمیر روضہ اور گنبد وغیرہ مکمل کرا چکے تھے سب دوست اندر حاضر ہوئے۔ مراقبہ میں بیٹھے کوئی آدھ گھنٹہ بعد قبلہ حضرت صاحبؒ جب باہر تشریف لائے تو میں نے اس بیس سالہ صحبت میں پہلی اور آخری بار آپ کو آبدیدہ پایا۔ آپ کا چہرہ مبارک بالکل سرخ اور آنکھوں سے لگاتار آنسو ٹپک رہے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بے بسی کی کیفیت ہے۔ سب دوست بھی اسی کیفیت میں

تھے۔ آخر پیر و مرید کا تعلق تھا۔ سب نے سکوت برتا۔ مزار اقدس کے باہر درختوں کے سائے تلے ایک مختصر سی نورانی محفل جمی۔ قبلہ حضرت صاحبؒ نے کچھ ارشادات بیان فرمائے اور ایک دوست نے نعت شریف سنائی۔ اُس لکھنوی شاعر نے بھی اپنا کلام سنایا۔ تاحینِ حیاتِ طیبہ وظاہرہ قبلہ حضرت صاحبؒ ہر سال اپنے سالانہ جلسہ سے فارغ ہو کر ۱۳۔ ربیع الاول کو دوستوں کو ساتھ لئے باقاعدہ قبلہ باباجی رحمۃ اللہ علیہ کی حاضری دیتے رہے اور اُن کا عرس مناتے رہے۔ اور احباب کو بھی اپنی معیت کا شرف بخشتے رہے۔ باباجی رحمۃ اللہ علیہ کے عرس مبارک پر ہم دوست ہر سال ایک نہ ایک نئی چیز کا مشاہدہ کرتے۔ آپ کی اولاد کا تعلق قبلہ حضرت صاحبؒ سے کچھ ہمیشہ سے ہی ناخوشگوار تھا۔ وجہ صرف یہی کہ چشمِ حسود قبلہ حضرت صاحبؒ کے عالی مرتبہ ہونے سے خیرہ تھی۔ وہ یہ روحانی سعادت باوجود نااہلی کے ورثہ میں لینا چاہتے تھے اور یہ سنت اللہ کے منافی تھا۔ اولاد کی طرف سے قبلہ باباجی رحمۃ اللہ علیہ کا عرس پاک ۱۱، ۱۲، ربیع الاول کو ہوتا تھا۔ لاہور سے دوست قبلہ حضرت صاحبؒ کے ساتھ ۱۳، ربیع الاول کو حاضر ہوتے۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ جب ہم سب دوست قبلہ باباجی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار اقدس پر پہنچے تو ہم نے دیکھا اُن کے جلسے کے دو بڑے بڑے اشتہار روضہ کے دروازے کے دونوں جانب چسپاں ہیں۔ جن میں حسب معمول پروگرام درج ہے اور آخر میں جلی حروف سے ایک نوٹ دیا ہوا ہے جس میں قبلہ حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف بڑے مکروہ الفاظ لکھے ہوئے ہیں۔ کہ لاہور میں ایک فقیر نما امیر اس مزار پاک کے لئے لوگوں سے چندہ

ٹوٹتا ہے آپ ہر گز ہر گز اُس کو چندہ نہ دیں وغیرہ وغیرہ۔ یہ پڑھ کر ہم میں سے چند دوست برہم ہوئے لیکن قبلہ حضرت صاحبؒ نے فرمایا کہ فقیر کو ایسی باتوں سے کوئی واسطہ نہیں۔ یہ اشتہار کل علی الصباح کوئی شخص وہاں لاہور ہماری بیٹھک میں بھی دانستہ گرا گیا تھا۔ میں نے اسے پڑھ لیا ہے۔ ایسے ہوا ہی کرتا ہے کوئی بات نہیں۔ قبلہ باباجی رحمۃ اللہ علیہ کے دونو صاحبزادے ساتھ تھے۔ چھوٹا بولا کہ قبلہ یہ میرے صاحبزادے اسماعیل کے کسی مرید کی غلطی سے لکھا گیا ہے۔ ہم اس کی معذرت چاہتے ہیں۔ قبلہ حضرت صاحبؒ مسکرائے اور فرمایا آپ دونو ہماری بڑی سرکار ہیں۔ معذرت کی کیا بات ہے۔ آپکے دورِ قلندری کا آغاز قبلہ باباجی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال شریف کے بعد ہوا اور اس عالمِ خلق میں آپ اسی منصب پر پورے سات سال فائز رہے۔ یعنی ۲۵ صفر ۱۳۷۸ھ بمطابق ۹ ستمبر ۱۹۵۸ء آخری چہارشنبہ تک قبلہ باباجی رحمۃ اللہ علیہ کا عشق دیکھو کہ دن ہی صورت امر صلی اللہ علیہ وسلم کا لیا۔ ادھر قبلہ حضرت صاحبؒ کی انتہا یہ کہ صورت امر صلی اللہ علیہ وسلم کی علالت بھی گوارا نہ کر سکے اور چند ایام بستر ہی وصال پایا۔ اور اپنے محبوب سے جا ملے۔ صورتِ امر صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری غسلِ صحت کا دن ماہ صفر کا آخری چہارشنبہ تھا جس کے بعد وصال شریف تک آپ نے غسل صحت نہیں فرمایا۔ آپ تو اس دن صاحب فراش ہوئے لیکن قبلہ حضرت صاحبؒ نے چلنا ہی گوارا نہ کیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

علمِ غیب

آپ صورت امر صلّی اللہ علیہ وسلّم کے علمِ غیب کی بیّن دلیل تھے۔
اکثر فرمایا کرتے کہ اگر کوئی منکر حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے علمِ غیب میں
آپ سے مباحثہ کرے تو اُسے قلعہ گوجر سنگھ کا راستہ دکھا دیا کریں
ہم انشاء اللہ اس کی تسلّی کریں گے۔ پوشیدہ باتوں کو روزِ روشن کی طرح دیکھتے
اور کمال یہ کہ سنّت کا دامن نہ چھوڑتے۔ کئی دفعہ ہم جیسے کم ظرف
دوستوں نے اصرار کیا کہ عرس کے موقعہ پر اتنے بڑے بڑے سائبان بارش
کی روک تھام کے لئے ہر سال کرایہ پر منگواتے ہیں بارش وغیرہ تو ہوتی نہیں۔
حفظِ ماتقدم کی وہاں ضرورت ہے جہاں تقدم غیب میں ہو۔ آپ سے بھلا
کیا نہاں ہے۔ آپ پہلے سے ہی دیکھ لیا کریں تاکہ آنی رقم بچ جائے۔
آپ ہم لوگوں کے ایسے کہنے کو بُرا جانتے۔ فرمایا کرتے نادان نہ بنو۔ ہر
شئے کو اس کی ظاہریت پر چھوڑو۔ اچھی خاصی گرم دھوپ میں کسی دوست
کو ارشاد فرماتے کہ جاؤ دیکھ آؤ کہ دینِ محمّدی پریس کھلا ہے یا بند اگر کھلا
ہو تو ان کو فلاں فلاں مسودہ دے آنا۔ دوست کو ارشاد کی بجا آوری
تو کرنی ہوتی لیکن اسے تامّل اس بات پر ہوتا کہ یہ صاحبِ نظر یہاں سے
ہی دیکھ کر کیوں نہیں بتا دیتا کہ پریس بند ہے یا کھلا۔ میرے ساتھ خود
کئی بار ایسے مواقع پیش آئے۔ شروع شروع کے دن تھے۔ حکم بجا
لاتا۔ دل میں کُڑتا رہتا۔ ایک دفعہ تو ایسا ہوا کہ مغرب کے بعد سردیوں
کے دنوں میں جب بارش اور آندھی اپنے پورے زوروں پر تھی اور
میں اکیلا آپ کے پاس تھا۔ فرمایا کہ چمن سے خط آیا ہے۔ اُس دوست
کی والدہ کچھ بیمار رہتی ہے اس کے لئے دوائی منگوائی ہے۔ آپ لوہاری

سر پر اوڑھ لیں اور سائیکل لے کر آسٹریلیا دواخانہ سے جو ریلوے اسٹیشن
کے قریب ہے فلاں فلاں دویات لے آئیں۔ سائیکل کا ایسے طوفان
میں چلانا دشوار تھا۔ لیکن امر کے تحت سائیکل لیا بوری لپیٹی آپ نے
کچھ نقدی بھی دی۔ دواخانہ سے دو عدد شیشی لایا۔ واپس جب حاضر
ہوا تو دیکھ کر فرمانے لگے کہ غلط دوائی لے آئے ہو۔ وہ معجون جو تم لائے
ہو۔ درکار نہیں دوسری معجون لاؤ۔ اور یہ کام جلدی کرو صبح ان کو یہ
دوائی پارسل کرنی ہے۔ چنانچہ پھر اسی بارش اور آندھی میں دوبارہ دواخانہ
پہنچا۔ اپنا حال بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ اور فرمودہ دوائی لاکر دی
مسکرائے اور فرمایا کہ ایک دوائی اور رہ گئی ہے۔ ہمیں اُس کا خیال نہ
آیا۔ لگے ہاتھ تیسرا پھیرا بھی ڈال لیں اور یہ دوائی بھی خرید کر لائیں۔ میں
حیران تھا کہ آج رات مجھ سے کیا ہو رہا ہے۔ ان شرابور کپڑوں میں ابھی
گھر بھی جانا ہے۔ خیر حسب ارشاد تیسرا چکر کاٹا آپ ایک چھوٹی سی مٹی
کی انگیٹھی تخت پوش پر اپنے سامنے رکھے سیاہ کمبل اوڑھے شاہانہ
انداز میں جلوہ افروز تھے۔ مجھے بٹھا کر ایک پیر و مرید کا قصہ سنایا کہ ایک
مرید پیر کے لئے جنگل سے لکڑیاں لایا کرتا تھا۔ ایک روز لکڑی کاٹتے
اس کے پاؤں کا انگوٹھا کٹ گیا۔ تو انگوٹھے کو بھی ساتھ اٹھائے
جنگل سے واپس مکان پر آیا۔ لکڑیوں کا گٹھا وہیں ڈال کر انگوٹھا
بھی جو ہاتھ میں پکڑا ہوا تھا پیر کی طرف پھینکا اور ہمیشہ کے لئے رخصت
مانگنے کی ٹھان کر کہنے لگا کہ یہ لو انگوٹھا۔ میری ساری عمر کی خدمت کا
صلہ۔ پیر صاحب امر تھا۔ انگوٹھا پکڑا اسے واپس بلایا۔ انگوٹھے
کو لب لگا کر اس کی اصل جگہ جوڑ دیا اور فرمایا کہ اب آپ کو رخصت
ہے۔ اس منزل میں اگر جان دے کر سودا ہاتھ لگے تو بھی سستا ہے
آپ ایک انگوٹھے کے علیحدہ ہونے پر ہی برہم ہو گئے +

فرمایا کرتے کہ بہت سے دوست خواہش رکھتے ہیں کہ اُن کے کوٹ پتلون میں کوئی بل بھی نہ آئے اور انوارِ حقیقتِ صورتِ امر صلی اللہ علیہ وسلّم اور اسرارِ معرفت الٰہیہ اُن کی جیبوں میں ڈالے جائیں + وُہ میری اِس زندگی کو دیکھ رہے ہیں جو ان کے سامنے ہے اور جو گزار چکا ہوں اس سے ناواقف ہیں + آپ کا ظاہری شاہانہ ٹھاٹھ دیکھ کر دل تو ہر دوست کا چاہتا کہ ایسا بن جائے - لیکن اس شاہانہ ٹھاٹھ میں جو درویشی پنہاں تھی وُہ کہاں سے لائے + بہت خوب صورت بید سے بنا ہوا تخت پوشش سامنے بڑا میز اردگرد کرسیاں - ایک دن کسی امیر دوست نے خواہش ظاہر کی کہ قبلہ اگر اجازت دیں تو میں میز پر ٹیلی فون سٹ (set) کرا دوں - تاکہ مقدور رکھنے والے دوستوں کو ہم کلامی میں آسائش ہو جائے اور بوقت ضرورت آپ کے بھی کام آئے - فرمانے لگے شاہ صاحب جب ہمارا اندر والا فون کام نہ کرے گا تو لگوا دینا - ابھی اللہ عزوجل کے فضل وکرم سے اُس فون کے ہوتے کبھی کسی دوسرے فون کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی +

سالانہ عرس پر چمن والے دوست آئے ہوئے تھے - صبح کا وقت تھا - انہوں نے درخواست کی کہ سرکار اگر اجازت دیں تو چند منٹ کے لئے یہاں باہر لاہور ہوٹل سے چمن فون کر آئیں تاکہ بچوں کی خیریت وغیرہ معلوم ہو جائے - میں پاس ہی بیٹھا تھا فرمانے لگے کہ فون کرنے کی ضرورت نہیں - میں نے رات پتہ کر لیا تھا - بخار والی بچّی کو اب بخار نہیں - آپ کے چمن سے روانہ ہونے پر ہی ٹوٹ گیا تھا - چمن والے دونو دوستوں کو علیحدہ علیحدہ اُن کے گھروں کی خیریت کچھ ایسے بیان فرما رہے تھے کہ فون والے تصدّق ہو رہے تھے - وُہ حیران تھے کہ ہم لاہور میں ہیں یا اپنے اپنے گھر چمن میں -

نظم و ضبط

سارے عالم کا نظم و ضبط سنبھالنے والے کے لئے اپنے گھر کا کنٹرول ایک معمولی حیثیت رکھتا ہے ۔ اس گئے گذرے زمانہ میں پردہ ہی کو لے لیجئے کوئی شخص بھی اِلّا ماشاء اللہ دعوے سے نہیں کہہ سکتا کہ اس کے گھر پردہ کا پورا پورا اہتمام ہے ۔ بڑے بڑے عالم اور پیران طریقت کے گھروں کا حال جب سنتے ہیں تو سکوت اختیار کرنا پڑتا ہے اور سوائے اس کے کہ یہ اُن کی آزمائش کی ایک حجت ہو اور کچھ نہیں کہہ سکتے + یہ بات ہم نے قبلہ حضرت صاحبؒ کے گھر میں کبھی نہ دیکھی ۔ حرم سرائے اقدس اوپر والی منزل تھی ۔ کیا مجال کہ کوئی غیر محرم خواہ رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو اوپر جا سکے + اور موقعہ پر نہیں تو عموماً بیاہ شادیوں میں ضرور یہ مستورات بے پردگی کا شکار ہو ہی جاتی ہیں ۔ ہم نے دونو بڑے صاحبزادگان کی شادیاں بھی دیکھیں ۔ باجوں گاجوں والے میراثی ۔ ڈوم وغیرہ بھی گلی میں آئے ۔ لیکن اللہ اکبر اوپر والی منزل سے کبھی کسی دوست نے چلمن بھی سرکتی نہیں دیکھی ۔ کوئی دوست بتائے کہ آخر اس نے اپنی حاضری کے دوران کبھی ان عفت کی شہزادیوں کو دیکھا ۔ ہرگز ہرگز نہیں ۔ یہ سب کچھ اس مرد قلندر کا ہی تصرف تھا ۔ ویسے عام انسان کے بس کی یہ بات نہیں + آپ کے دولتکدہ کے بالمقابل اُسی گلی میں ایک ریٹائرڈ پوسٹ ماسٹر صاحب کا بالاخانہ تھا یہ صاحب عموماً اپنا زیادہ وقت قبلہ حضرت صاحبؒ کی بیٹھک میں ہی گذارتے تھے ۔ معمر ۔ شریف الطبع دنیادار وضع کے آدمی تھے ۔ اور دنیاوی تجربوں میں مہارت تامہ رکھتے تھے ۔ میں نے

ان کی زبانی سنا کہ قبلہ حضرت صاحبؒ کے گھر کی کوئی عورت ہم نے کبھی نہیں دیکھی اور حیرانگی کی بات یہ ہے کہ ہم نے اس گھر سے کبھی کسی بچہ کے رونے کی آواز آج تک نہیں سُنی ۔ آخر آپ کے پانچ صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں اس گھر میں صغیر سنی کے زمانے میں رہے اور یہیں پلے پوسے ۔ آپ کی ساری کی ساری گھریلو زندگی قابل رشک تھی۔ اختصار کے پیش نظر آپ کے ایک ادنےٰ گھریلو تصرف کی مثال پیش کئے دیتا ہوں ۔ ایک شام آپ کے پاس ایک مولوی صاحب بیٹھے تھے ۔ رشتہ میں آپ کی بھاوجہ کے بھائی تھے ۔ غیر محرم ہونے کے سبب اُن کی رات کی رہائش کا انتظام بیٹھک میں ہی کرنا تھا ۔ قبلہ حضرت صاحبؒ نے انہیں بڑے بے تکلفانہ انداز میں پوچھا کہ حضرت رات کو کیا کھائیں گے تاکہ وہی چیز پکوائی جائے ۔ اس نے بھی بے تکلف لہجے میں جواب دیا کہ ہماری مرضی کون کرے گا یہ تو گھر والی کی مرضی پر ہے جو کھلا دے آپ نے فرمایا آپ بولیں تو سہی ۔ گھر والوں سے بھی پوچھ لیں گے ۔ خیر اس مولانا صاحب نے کہا کہ مچھلی کھانے کو جی چاہتا ہے ۔ بات ختم ہوئی ۔ اتنے میں اوپر سے بشیر خادم کوئی چیز بازار سے خریدنے کے لئے اترا ۔ آپ نے اسے فرمایا کہ اوپر واپس جاؤ اور اپنی اماں جی سے پوچھ کر بتاؤ کہ آج کیا پکانا ہے ۔ بشیر صاحب اوپر چلے گئے اور واپس آکر کہنے لگے کہ اماں جی کہتے ہیں کہ مچھلی لادیں آپ مسکرائے اور ان مولانا صاحب کو کہا کہ دیکھا ہمارا تصرّف آپ خواہ مخواہ ڈر رہے تھے ۔ گھر والوں نے بھی وہی کہا جس کی آپ کو خواہش تھی ۔ مولانا صاحب کچھ اس معمہ سے حیران ہوئے ۔ میں اس وقت حاضر خدمت تھا ۔ جان گیا کہ یہ سب تصرفات کی برکات ہیں جو آپ کی معرفت اس گھر پر نازل ہو رہی ہیں ۔

ساری کی ساری اولاد اب ماشاءاللہ جوان ہے لبعد اپنی اپنی ذمہ داریاں اٹھائے ہوئے ہے۔ سب میں جوہر شرافت نمایاں اور ان کا انداز گفتگو کچھ کچھ حضرت صاحبؒ سے موافقت رکھتا ہے۔ آپ کی حیات ظاہرہ میں سوائے دو بڑے صاحبزادگان کے باقی اولاد کم سن ہی تھی۔ اماں جی رحمۃ اللہ علیہا کو بچوں کی دیکھ بھال کے علاوہ روزانہ آئے گئے دوستوں کی خاطر داری اُن کے لئے کھانا و چائے وغیرہ تیار کرنی شکوہ سنج عورتوں کی دلجوئی۔ اُن کے ساتھ حسن سلوک یہ سب کچھ کرنا پڑتا۔ اُس محلہ کی ایک خادمہ مائی گاماں آپ کا کبھی کبھی ہاتھ بٹاتی جس کا نان و نفقہ بھی قبلہ حضرت صاحبؒ کے ذمہ تھا۔ یہ دونوں عورتیں گھر کا انتظام کچھ اس طریقے سے سرانجام دیتیں کہ دیکھنے والا حیران رہ جاتا۔ پانچ دوستوں کے لئے چائے آگئی ہے۔ دس اور آگئے ہیں تو اُن کے لئے بھی تیار شدہ چائے اُوپر سے لائی جاتی ہے کھانا کھانے والے کو بروقت کھانا مل رہا ہے۔ مائی گاماں کو تو سعادت حج نصیب ہوئی اور اماں جی رحمۃ اللہ علیہا کو دن جمعۃ المبارک اور مہینہ رمضان المبارک میں اپنے پاس بلا لیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون اور قیامت تک کے لئے حساب و کتاب سے بے نیاز کر دیا۔ آپ کا مزار شریف بھی ہجروال قبلہ حضرت صاحبؒ کے جوار میں ہی ہے۔ جیسی مشقت ویسا اجر۔ اس اجر و مشقت کے تحت آپ سے ایک منقول واقعہ بھی لکھ دیتا ہوں۔ ایک دفعہ سالانہ میلاد شریف پر میں آپ کی معیت میں موضع سمساتی گیا۔ عصر کا وقت ہوگا۔ آپ ایک بڑے پلنگ پر رونق افروز تھے اور میں احاطہ میں ایک علیحدہ چارپائی پر بیٹھا تھا۔ آپ کے ارد گرد گاؤں کے لوگ اپنی اپنی حاجتیں پیش کر رہے تھے۔ میں نے دیکھا کہ ساتھ والے احاطہ میں ایک مائی بھینس کا دودھ دھو رہی ہے۔ اسے دودھ دھوتا دیکھ کر میرا خیال اپنے آبائی گاؤں

کی طرف جہاں سے پاکستان بننے پر ہم لوگ مہاجرین کر یہاں آئے تھے لوٹا۔ والدہ مرحومہ اپنی بھینس اور اُن کا دودھ دوہنا وغیرہ وغیرہ جو دل میں آیا تو آنکھیں بھی تر ہو گئیں۔ قبلہ حضرت صاحبؒ نے یہ دیکھ کر مجھے پاس بلایا اور حال دریافت کیا عرض کرنے پر آپ نے ایک بڑی عمدہ کہانی مجھے سنائی۔ فرمانے لگے کہ ایک عورت حضرت پیر مہر علی شاہ صاحبؒ گولڑہ شریف والے کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ عرض کرنے لگی کہ کیا یہ سچی حدیث ہے کہ ایک بچہ جلنی عورت نماز کا وقت پائے اور وہ اُس حالت میں ہو کہ بچہ کا کچھ حصّہ ابھی جسم سے باہر نکلا ہو تو اُسے چاہیے کہ گڑھا کھود کر یا ایسی جگہ جہاں بچہ کا حصّہ سما سکے بیٹھی بیٹھی ہی نماز ادا کرے آپ نے فرمایا کہ ہاں یہ حدیث شریف بالکل صحیح ہے۔ عورت بولی کیا یہ حدیث کسی مرد کی زبان سے ہے یا عورت کی۔ آپ نے فرمایا کہ یہ حدیث شریف سیّد البشر صورتِ امر صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ہے۔ عورت بولی تبھی تو۔ اگر کسی عورت سے ہوتی تو ایسا ہرگز نہ کہتی۔ یہ سنکر قبلہ مہر علی شاہ صاحبؒ کے چہرۂ انور کا رنگ غصّہ سے متغیّر ہو گیا۔ فرمانے لگے کہ اُس مرد کی حدیث ہے جو تمہارے اور سارے عالم کے نطفوں سے واقف ہے۔ جو کائنات کا بیج ہے۔ تمہیں کیا خبر کہ اس نماز کا اجر و ثواب کیا ہے۔ اگر جان جائے تو اس کے مقابلے میں مشقت کالعدم ہو۔ آپ فقط ایک بھینس کا خیال لا کر مغموم ہو رہے ہو۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہجرت جیسی سنت اللہ عزّ و جل نے آپ لوگوں کے نصیب میں دے دی۔ اور بغیر کوئی خاص محنت شاقہ اُٹھائے آپ اس ثواب کے حق دار ہو گئے۔ اگر وطن چھوڑا ہے تو اتباعِ سنّت میں ہجرت مل گئی ہے۔

دیارِ حبیب

جیسا کہ کہیں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ آپ سے والہانہ محبت کا فوری اجر حج بیت اللہ و زیارت گنبدِ خضرا تھا۔ عشق کے دعویدار کو اپنے وطن کی زیارت ضرور کراتے ۔ فرمایا کرتے کہ اگر کسی کے مکان پر صاحبِ خانہ سے ملنے کے لئے جائیں اور صاحبِ خانہ نہ ملے تو مایوسی ہوتی ہے ۔ اسی طرح بیت اللہ شریف کی زیارت بغیر دیدارِ حقیقت آمرنہ کی حاضری ہو گی اور روضہ اقدس کی زیارت اگرچہ موجب شفاعت صورت آمر صلی اللہ علیہ وسلم ہے لیکن اگر گنبدِ خضرا کے مکین کا دیدار ہو جائے تو آگ سے نجات کی سند ہے ۔ اور شفاعت اور سند کا فرق بیّن ۔ آپ کے حج کا زمانہ ہم دوستوں کی وابستگی سے بہت پہلے کا تھا ۔ آپ نے جوان عمر میں حج کا فریضہ ادا کیا یہ کوئی سنہ ۱۹۲۵ء کا ذکر ہو گا ۔ اس زمانہ میں حج کا سفر جدّہ کے آگے تمام کا تمام اونٹوں پر ہوتا تھا ۔ آپ کبھی کبھی اپنے حج کا سفر بیان فرمایا کرتے تھے جن میں سے ایک واقعہ مکّہ معظمہ اور ایک واقعہ مدینہ منوّرہ پر اکتفا کرتا ہوں ۔ مکّہ معظمہ میں آپ کے ہمراہ کوئی مولوی عبدالرحمٰن صاحب امرتسری بھی تھے ۔ ایک دن چلتے چلتے یہ مولوی صاحب مکّہ معظمہ کے بازار میں ایک دوکان پر تسبیح خریدنے ٹھہر گئے ۔ تسبیح کی خریداری میں تقاضا بڑھتا بڑھتا لڑائی تک پہنچ گیا ۔ مالک نے جو قیمت بتائی وہی لینی تھی کیونکہ وہ قیمت بتاتے وقت آخر میں کلام والی کے الفاظ بول دیا کرتے ہیں ادھر مولانا صاحب نے کوئی دس گناہ کم قیمت بتائی جس سے وہ عرب صاحب بگڑ بیٹھے اور لگے عربی میں گالیاں دینے ۔ مولانا صاحب کو اور گالیوں کی تو سمجھ نہ آئی لیکن جب عرب صاحب

نے کہا کہ انت لاحابی ۔ انت کافر تو مولانا صاحب نے غصہ میں اسے ایک مکّا مارا۔ قبلہ حضرت صاحب فرمانے لگے کہ جب ہم نے پیچھے مڑ کر دیکھا کہ ابھی تک مولانا صاحب آئے نہیں تو معلوم ہوا کہ دوکان پر ہی گتھم گتھا ہو رہے ہیں ۔ ہم واپس آئے ان کو چھڑایا مولانا صاحب اور پھر وُہ بھی پنجابی بھلا کہاں رُکے ہیں نے اسے آہستہ سے علیحدہ کر کے کہا کہ دیکھو بھئی اس زمانہ کی طرف خیال کرو جس زمانہ میں اسی شہر میں رحمتہ اللعالمین جلوہ افروز تھے ۔ اِن لوگوں کی طبیعت اُس وقت کتنی سخت ہو گی اور آپ نے اُن میں کیسے گذاری ہو گی۔ اور نہ سہی یہ ہی خیال کر لو کہ آخر یہ لوگ بیت اللہ شریف کی ہمسائگی کا حق رکھتے ہیں ۔ مولانا صاحب کی سمجھ میں بات آگئی فوراً اس عربی دوکان دار سے معافی مانگی ۔ تسبیح کے منہ مانگے دام دیئے اور رخصت ہوئے ۔

فرمایا کرتے تھے کہ حسن محبوب کا اپنا ہوتا ہے اس کی مرضی پہ ہے چاہے نقاب ڈال لے یا اٹھا ڈالے ۔ مواجہ شریف کے سامنے حاضری کے لیئے دست بستہ کھڑا تھا ۔ رحمتِ عالم جوش میں آئی ۔ درونِ خانہ کے پردے اٹھائے گئے اور مجھے اندر آنے کی اجازت بخشی گئی ۔ میرا جسم بے حس ہو کر دھڑام سے گر گیا ۔ ساتھ والے احباب اس فکر میں کہ یہ کہیں جان سے نہ جائے اور میں

زِ درونِ خانہ گفتم

کی کیفیت لیئے ہوئے شریکِ محفل ۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ اپنے ہاتھ میں تلوار سنبھالے ہوئے پاسبانی کے منصب پر فائز تھے ۔ مجھے ابھی تک اُن کے رعُب دار الفاظ "چلو اندر" کی صدا سنائی دیتی ہے ۔ میری حاضری کی مدت کوئی تقریباً آدھ گھنٹہ رہی اس عرصہ

تک دوست میرے جسم کو طرح طرح سے ادلتے بدلتے رہے حتیٰ کہ میں اُس نورانی محفل سے سرشار واپس آیا۔ وہاں جو باتیں ہوئیں قبلہ حضرت صاحبؒ نے میری نااہلی کے سبب بیان نہیں فرمائیں۔ اور میں انہیں فاوحیٰ علی عبدہٖ ما اوحیٰ کا درجہ دیتا ہوں۔ اور یہ انتہائی درجہ کی بلندی ہے۔ ذرا احباب قبلہ حضرت صاحبؒ کے اس قول کو ذہن میں رکھیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ السلام کا کوئی فعل نہ اپنی نجات اور نہ اپنی مناجات کے لئے ہوتا ہے بلکہ ہر فعل تعلیم اُمت کے لئے ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہر شئی سے بے نیاز ہیں اگر معراج کی بلندیوں پر گئے تو ہمیں تعلیم دینے کے لئے کہ میری اتباع میں سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ اب بھی جاری و ساری ہے اسی طرح ما اوحیٰ علی عبدہٖ ما اوحیٰ کی کیفیت میری اتباع میں اب بھی پوشیدہ ہے۔ قبلہ حضرت صاحبؒ پر یہ دونوں مقام علیحدہ علیحدہ اپنی اپنی جگہ آئے جو مختصراً بیان کر دئے گئے ہیں۔

؎ وہ میرا رونق محفل کہاں ہے
میری بجلی میرا حاصل کہاں ہے
مقام اس کا ہے دل کی خلوتوں میں
خدا جانے مقام دل کہاں ہے

یہ تھا اُن کا وہ زمانہ جب انہوں نے حج کیا اور جس زمانہ میں مجھے وابستگی کی سعادت حاصل ہوئی آپ حج کرایا کرتے تھے۔ معراج شریف کی رات تھی۔ نماز عشاء کے بعد کافی رات گئی اپنے والدین اور بیوی بچوں میں بیٹھا انہیں اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی منظوم نعت شریف "شب اسرا کے دولہا" وضاحت سے سنا رہا تھا جب آخری مصرع ؎

سے ہمیں بھی ان خلعتوں سے حصّہ جو خاص رحمت کے دل بٹے تھے
پہنچا تو سینہ میں اک ہوک سی اٹھی ضبط کیا اور گھر والوں کو سرہونے
نہ دیا۔ عین اسی وقت چمن میں میرے ایک دوست کے دل میں خیال
آیا کہ حج کی درخواستیں مطلوب ہیں کیوں نہ ہو قبلہ حضرت صاحب۔
اماں جی اور آپ کے صاحبزادے تاج میاں بحیثیت خادم اور اِدھر
چمن والے دوست اس کی والدہ اور میں بحیثیت خادم سب کے سب
حج کے لئے تیار ہوں۔ چنانچہ فوراً اسی رات اسی مضمون کا ایک تار چمن
سے قبلہ حضرت صاحبؒ کے نام روانہ کر دیا۔ دوسرے دن دفتر میں
چھٹی تھی علی الصباح میں قلعہ گوجر سنگھ حاضر خدمت ہوا۔ آپ ابھی
اوپر سے تشریف نہیں لائے تھے۔ جب اترے مسکراتے اور
تخت پوش پر رونق افروز ہوئے۔ ابھی ایک منٹ بھی نہ گزرا ہو گا
کہ ایک ڈاکیہ اندر داخل ہوا سلام کے بعد اس نے تار والا لفافہ قبلہ
حضرت صاحبؒ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے اسی مسکراہٹ
میں لفافہ بغیر کھولے میری طرف کر دیا اور فرمایا کہ پڑھو اس میں کیا
ہے۔ مندرجہ بالا مضمون انگریزی زبان میں لکھا ہوا تھا۔ میں پڑھتا
جاتا تھا اور خوشی میں پھولا نہ سما رہا تھا۔ آپ بار بار ایک تجاہل عارفانہ
سے پوچھ رہے تھے کہ آخر شاہ محمد صاحب چمن والے کا کیا ارادہ
ہے۔ درخواستوں کی آخری تاریخ قریب آگئی ہے۔ آپ نے مجھے
ایک پانچ روپے کا نوٹ دیا اور فرمایا کہ اسے فون پر وضاحت
پوچھ لیں کہ اس تار کا کیا مطلب ہے۔ ہم یہاں پنجاب میں بیٹھے درخواستیں
دیں اور پھر اس کو چمن بھیجیں۔ وقت گزر جائے گا۔ خیر شام کو چمن
فون کیا جواب میں بتایا گیا کہ بالوضاحت خط لکھ دیا ہے انتظار کریں۔
قصّہ مختصر مجھے حکم ہوا کہ درخواست مکمل کر کے چمن بھیج دیں ہمارا ارادہ

اس سال حج کا نہیں ہے ۔ میری درخواست تمام مراحل طے کرتی حج بکنگ آفس میں ایک ماہ دیر سے پہنچی اور بوجہ دیری کے دفتر داخل کی گئی ۔ قرعہ وغیرہ میں نام نہ نکلا کراچی سے کسی تاجر نے چمن والوں کے لئے بذریعہ ہوائی جہاز نشستوں کا بندوبست کرا دیا اور انہیں اطلاع کر دی ۔ چمن والے دوست نے مجھے بھی خط لکھ دیا کہ ہوائی جہاز میں انتظام ہو گیا ہے لہذا آپ بھی تیار ہو جائیں ۔ لاہور سے ہی اکٹھے ہو کر جانا تھا ۔ شاہ محمد صاحب اس کی والدہ اور میں تینوں لاہور ریلوے اسٹیشن پر کراچی جانے کے لئے گئے قبلہ حضرت صاحبؒ بھی ہمیں رخصت کرنے اسٹیشن پر تشریف لے آئے ۔ میرا تذبذب دور ہوا ۔ کہ اب ضرور ارض مقدس پہنچ جاؤں گا ۔ کراچی جانے پر معلوم ہوا کہ ہوائی جہاز میں کوئی جگہ نوکر کے لئے علیحدہ نہیں ہوتی اور مجھے بتایا گیا کہ میری درخواست تو ویسے ہی کسی کاروائی کے بغیر فائیل ہو چکی ہے کیونکہ بر وقت نہ تھی ۔ کراچی میں پورے چودہ دن مقام حیرت میں گزار لے قبلہ حضرت صاحبؒ کی خدمت میں خط لکھ دیا کرتا ۔ معراج کی رات والی کیفیت اور قبلہ حضرت صاحبؒ کا ریلوے اسٹیشن لاہور پر تشریف لانا تسلی بلکہ یقین کا باعث بنتے پندرویں دن خدا خدا کر کے میرا نام بھی آ گیا اور میں چمن والوں سے ایک روز پہلے ارض مقدس میں پہنچ گیا ۔ وہاں جو ہوا اس کی ڈائری ایک علیحدہ کتابچہ کی شکل میں لکھ دی ہے ۔ شاید طبع ہو جائے ۔ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں ہم دونو بھائی اکثر قبلہ حضرت صاحبؒ کا ذکر چھیڑ دیتے اور کہتے کہ سنا کرتے تھے کہ پیر مرید سے پہلے حج وزیارت کے لئے پہنچا ہوا ہوتا ہے ہمیں قبلہ حضرت صاحبؒ یہاں کہیں نہیں ملے ۔ دور سے کوئی شخص قبلہ حضرت صاحبؒ کی شباہت کا نظر آتا تو ارادۃً اس تک پہنچتے تاکہ تصدیق ہو جائے اور

کوئی مغالطہ باقی نہ رہے۔ ڈیڑھ ماہ گزرنے کے بعد واپس پاکستان آئے لاہور ریلوے اسٹیشن پر ہجوم سے ایک طرف قبلہ حضرت صاحبؒ کھڑے تھے۔ میں گاڑی سے اترا قدم بوسی لی اور انتہائی مسرّت میں رقّت طاری ہوگئی۔ یہ میری زندگی کا پہلا اور آخری سعادت مند روز تھا۔ اسٹیشن سے سیدھے بجائے گھر جانے کے قلعہ گوجر سنگھ در اقدس پر پہنچے۔ چمن والے دوستوں کے کھانے کی دعوت قبلہ حضرت صاحبؒ کے ہاں تھی میں بھی بحیثیت خادم شریکِ دعوت تھا۔ میں نے دیکھا کہ قبلہ حضرت صاحبؒ نے ہر دوست سے جو اس سال حج کرنے گیا تھا اس کی کہانی سُنی۔ لیکن جب میں کوئی وہاں کی بات کہنے کی اجازت مانگتا تو آپ مجھے خاموش کر دیتے۔ وجہ نامعلوم۔ آخر میں نے ایک روز بھائی شاہ محمّد صاحب چمن والے سے کہا کہ آپ ہی پوچھ دیں کہ دیارِ حبیب صلّی اللہ علیہ وسلّم میں کیا آپ نے ہمارا ساتھ دیا۔ جب بھائی شاہ محمّد صاحب نے یہ بات دریافت کی تو اُسے فرمایا۔ کہ کیوں نہیں ہم آپ کے ہر وقت ساتھ تھے۔ تصدیق کے پیشِ نظر فرمایا کہ مدینہ منورہ جاتے وقت راستہ میں مقام بدر پر جب آپ کی لاری بعد دوپہر آرام کرنے کے لئے ٹھہری تو آپ دونو بدر کی پانی والی کاریز پر نہانے کے لئے گئے نہانے کے بعد آپ دونو ساتھ والی کچی مسجد میں نمازِ ظہر کے لئے داخل ہوئے۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ دونوں نے تلاوت شروع کر دی۔ کیا آپ نے وہاں نہیں دیکھا کہ دو آدمی آپس میں کچھ عربی زبان میں باتیں کرتے تھے۔ شاہ محمّد نے کہا کہ حضور یہ سب کچھ کیا اور دیکھا۔ فرمایا کہ وُہ دو شخصیتیں صورت امر صلّی اللہ علیہ وسلّم۔ اور صاحب امر ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ تھے شاہ محمّد صاحب نے یہ بات قبلہ حضرت صاحب سے سن کر مجھے بتائی۔ دوسرا واقعہ جو آپ نے اپنی معیّت کا فرمایا وُہ یہ تھا

کہ مدینہ منورہ میں ہر شام ہم سارے پیر بھائی حضور علیہ السلام کے قدوم میمنت لزوم کی جانب جالی سے ہٹ کر مسجد کی دیوار کے ساتھ کھڑکی کے نیچے بیٹھا کرتے اور روضۂ اقدس کو روبرو رکھتے ہم دیکھا کرتے کہ دو شخص روزانہ عین جالی کے قریب بیٹھے تسبیح پھیرا کرتے ہیں اور ہماری طرف دیکھ کر کبھی کبھی مسکرا بھی دیا کرتے ہیں۔ قبلہ حضرت صاحبؒ نے یہ واقعہ بھی شاہ محمد صاحب کو بیان فرمایا۔ آپ نے فرمایا کہ تم سب دوست ان دو شخصیتوں کو دیکھ کر حیران بھی ہوتے تھے کہ یہ کیسے جالی کا قرب حاصل کئے ہوئے ہیں۔ اور شرطی وغیرہ اُن کو یہاں سے کیوں نہ اُٹھاتے۔ اُن میں سے ایک صدیق اکبر اور دوسرے فاروق اعظم رضوان اللہ تعالےٰ علیہما تھے اُن کا وجود با وجود صرف آپ کو نظر آرہا تھا۔ شرطی وغیرہ یا دوسرے لوگوں کی نظروں سے وہ شخصیتیں اوجھل تھیں۔ سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

صورتِ امر صلی اللہ علیہ وسلم کی لاڈلی تصویر یہ صاحب امر اپنے ودیعت شدہ اختیارات سے اپنے دوستوں کو حج کے پاسپورٹ عطا فرماتا۔ میں نے ایک دوست کو جو ایک دیہات کا رہنے والا تھا اور میرے ہی آبائی گاؤں کا باشندہ تھا قبلہ حضرت صاحبؒ کے سامنے حج کے لئے تڑپتا دیکھا۔ یہ صاحب میری معرفت داخل سلسلہ ہوا تھا۔ مجھے بھائی شاہ محمد صاحب سے خط آچکا تھا کہ ہوائی جہاز میں کام بن جائے گا۔ اور اسے اس کا علم ہو چکا تھا کہ یوسف حج کو جا رہا ہے اور میں قرعہ میں نام نہ نکلنے کی وجہ سے رہ جا رہا ہوں۔ ایک صبح قبلہ حضرت صاحبؒ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ یہ صاحب بھی آگئے۔ اندر داخل ہوتے ہی زار و قطار چیخیں مار مار کر رونا شروع کر دیا۔ اور بیچارے

کرسی کے تخت پوش کے ساتھ قبلہ حضرت صاحبؒ کی جوتیوں میں ہی بیٹھ گئے۔ قبلہ حضرت صاحبؒ اپنے انداز میں اُسے تسلی فرماتے رہے لیکن اُس کا سیلاب تھمتا نظر نہ آیا۔ فرمانے لگے کہ اگلے سال کے لئے منظوری لے لی ہے۔ صبر کرو۔ لیکن یہ ہمارا بھائی اپنے نالوں کو اور رسا کرتا گیا آخر اس کے نالے کنگرا استغنا سے جا ٹکرائے۔ رحمتِ عالم جوش میں آگئی آنکھیں بند کئے ہوئے ہی فرمایا کہ چپ ہو جاؤ کام چھپ گیا ہے۔ کراچی چلے جاؤ تب جا کر یہ صاحب کہیں خاموش ہوئے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ کوئی ایک ہفتہ عشرہ ہمارے مکہ معظمہ پہنچنے کے بعد ایک دن باب عمر کے قریب میں نے دیکھا کہ یہ صاحب اکیلے کھڑے ہیں۔ مجھے دیکھ کر بغلگیر ہوئے اور خوب روئے اپنی ساری داستان سنائی کہ کیسے کیسے قبلہ حضرت صاحبؒ کے تصرّف نے کراچی میں اسے بحری جہاز میں جگہ دلائی۔ اور یہاں تک پہنچایا۔ اپنی عمر شریفہ کے آخری سال یعنی ۱۹۵۷ء میں آپ نے ارادہ فرمایا کہ اس سال حج بیت اللہ شریف کے لئے درخواست دینی ہے۔ حج کے فارم بھی لائے گئے اور ہم سے پُر بھی کرائے گئے۔ مجھے فرمانے لگے کہ کوئی ایسے فارم نہیں ہیں کہ ہمیشہ کے لئے وہاں سکونت اختیار کی جائے۔ یہاں پاکستان میں اب دل نہیں لگتا۔ میں نے عرض کیا کہ سرکار وہاں جا کر یہ بندوبست ہو سکتا ہے۔ لیکن بات کوئی میری سمجھ میں آتی نظر نہ آئے کہ آپ نے جانا بھی ہے یا کہ نہیں۔ کبھی آپ وہاں کی کھلی فضا کا ذکر کر دیں۔ کبھی فرمانے لگیں کہ کہ وہاں کا جو صدر معلّم ہے وُہ ہمارا دوست ہے۔ میں پھر بھی نہ سمجھ سکا۔ میری تحویل میری عقل کے مطابق۔ اس سال میں کسی دوست کو ایک بڑی کوٹھی خریدنے کے چکر میں لگا دیا۔ کہ ارادہ ہے کہ اس سال کوئی بڑی کوٹھی خرید کر لیں تاکہ کھلی فضا مل سکے۔ اور یہ جگہ چھوڑ دیں۔

یہاں تنگی محسوس کر رہے ہیں۔

سالانہ جلسہ قریب آ رہا تھا۔ دعوت ناموں میں کئی ایک احباب کو مجھ سے لکھوایا کہ آپ کی حاضری جلسہ میں ضروری ہے ہم دوبارہ آپ کو آنے کی تکلیف نہ دیں گے۔ اس سال ضرور آنا۔ شاید ہم جلسہ کے بعد ارض مقدسہ میں ہمیشہ کے لئے رہائش کا انتظام کر لیں اور وہاں چلے جائیں۔

بلا و مسرّت

عید الضحیٰ کا دن تھا۔ میں قربانی وغیرہ سے تقریباً ۱۲ بجے ہی فارغ ہو چکا تھا۔ قبلہ حضرت صاحبؒ کے حصّہ کی ران لپیٹی اور اپنے ایک دوست بھائی فضل الرحمٰن صاحب کے ساتھ قلعہ پہنچا۔ ہم نے دیکھا کہ قبلہ حضرت صاحبؒ خاموش سر جھکائے بجائے تخت پوش کے پنکھے کے نیچے چارپائی پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ چند ایک اور شہری دوست بھی نیچے اور کرسیوں پر بیٹھے ہیں اور وہ بھی خاموش ہیں ہم کچھ حیران ہو کر سلام و مصافحہ کے بعد ان دوستوں کے ساتھ ہی بیٹھ گئے۔ معلوم ہوا کہ صبح سے آپ کا صاحب زادہ (بڑے سے چھوٹے) کسی خانگی ناراضگی کے باعث گھر سے غائب ہے اور ابھی تک نہیں آیا۔ ابھی ابھی چند ماہ پہلے اس کی شادی بھی ہو چکی تھی۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کی بیوی اور ہمشیرگان کو اسی وجہ سے بے ہوشی کے دورے پڑ رہے ہیں۔ اماں جی کا حال بھی بھی بچہ کو عید کے دن گھر نہ پاتے سے خراب ہے۔ قبلہ حضرت صاحبؒ بڑی آہستگی سے تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد ایک دوست کو فرما دیں کہ آپ دریائے راوی کے کنارے جا کر دیکھیں۔ پھر دوسرے

دوست کو نہر کے کنارے دیکھنے کا کہیں۔ اسی طرح چند دوستوں کو شہر کے علیحدہ علیحدہ مقامات پر بچے کی تلاش کے لیے بھیج دیا۔ آخر ہم دونو کو فرمایا کہ آپ ریلوے اسٹیشن اور یارڈ وغیرہ میں جا کر تلاش کریں۔ ان مقامات سے ہی ہم دونوں نے اندازہ لگایا کہ بچہ ضرور مگر یہ اپنی خودکشی کا ارشاد کر گیا ہوگا۔ تبھی تو راوی۔ نہر اور یارڈ وغیرہ کی طرف دوستوں کو بھیجا جا رہا ہے۔ کوئی دوست بولے کہ قبلہ آپ باباجی سے پوچھ لیں۔ فرمانے لگے کہ ہم نے تو بڑی سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی عرض کر دیا ہے کوئی جواب نہیں ملتا۔ عجیب ماحول تھا اس دن کا۔ طرح طرح کے خیالات دل میں گزرتے۔ کبھی حضرت امی صلی اللہ علیہ وسلم کا واقع افک دماغ میں آتا۔ کبھی حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کی ابتلائیں دل میں گزرتیں کبھی سورہ یوسف علیہ السلام کی تفسیر میں نظر دوڑاتا۔ لوگوں کے گم شدہ بچوں کی نشاندہی کرنے والا بلکہ ان بچوں کو ان کے گھروں تک پہنچانے والا ایسی ابتلا میں آتا دیکھا کہ شعور کوئی نتیجہ نکالنے سے معذور ہو گئے۔ حسب ارشاد ہم دونو بھائی ریلوے اسٹیشن کی طرف روانہ ہو گئے۔ پبلک پُل کے درمیان جا کر سارے یارڈ کا اندازہ لگایا۔ قلیوں وغیرہ سے بھی پوچھا کہ آج کے دن یہاں کوئی خاص سانحہ تو رونما پذیر نہیں ہوا۔ پوری تسلی کر کے بیک وقت دونو کے دماغ میں خیال آیا کہ یہاں بس پر سوار ہو کر سیدھے شالامار باغ پہنچیں شاید صاحبزادہ ادھر چلا گیا ہو۔ کوئی دو تین بجے دوپہر کا وقت ہوگا۔ سخت گرمی تھی باغ کے بڑے دروازے سے سیدھے ابھی پہلی منزل والا راستہ آدھا طے کیا ہوگا کہ بائیں جانب ایک درخت کے سائے تلے صاحبزادہ صاحب اکیلے بیٹھے پائے گئے۔ دانستہ ان کے پاس سے گزر گئے تاکہ ان کو یہ معلوم نہ ہو سکے کہ میری ہی تلاش میں

آئے ہیں۔ کچھ آگے جاکر مڑے اور اُن سے کچھ ایسے گویا ہوئے کہ انہیں یقین آگیا کہ ہم دونو ویسے تفریح طبع کے لئے ہی باغ میں آئے ہیں۔ اُن کی بھوک کا احساس کرتے ہوئے ہم نے خود ہی بھوک کا ذکر شروع کر دیا اور آخر یہ ٹھہرا کہ یہاں مغل پورہ میں ہی بھائی فضل الرحمن کے گھر کھانے کا انتظام کریں۔ بھوک تو انہیں کافی لگ چکی تھی وُہ بھی رضامند ہو گئے۔ یہ شرم وحیا کا پُتلا نہ ہم سے اپنی گھریلو ناراضگی ظاہر کر سکے اور نہ ہی ہم انہیں اِس جانب آنے دیں۔ لیس پر سوار ہو گئے اور آہستہ سے کنڈکٹر کو کہہ دیا کہ تین ٹکٹیں قلعہ گوجر سنگھ کی کاٹ دیں۔ صاحبزادہ صاحب کچھ قلعہ گوجر سنگھ کا نام سن کر حیران سے تو ہوئے لیکن حیا آڑے آئی کیا کہیں کہ ہم گھر سے ناراض ہو کر آئے ہیں۔ دل ہی دل میں سب کچھ سئے لئے خاموش بیٹھے رہے قلعہ گوجر سنگھ جب بس سٹاپ پر اُترے تو آپ بھی ہمارے ساتھ ظاہری طمانیت لئے ہوئے ہو لئے۔ ہم دونو دوست بیٹھک میں داخل ہوتے۔ بچے کی خوش خبری دی۔ چہرۂ انور چمکا۔ کوئی شام کے پانچ چھ بج چکے تھے۔ گھر جانے کی اجازت مانگی۔ فرمانے لگے کہ صبح کا آٹا گوندھا پڑا ہے۔ آپ پکنا شروع ہوا ہے۔ کھانا کھا کر ہی جائیں۔ لیکن ہم دونو دوستوں نے پہلے ہی سے تہیہ کر لیا تھا کہ اِن اجری اِلّا علیٰ اللہ رب العالمین کو مضبوطی سے تھامے رکھنا ہے۔ اور کھانے وغیرہ کی طرف نہیں آنا۔ دعائیں لیتے گھر پہنچا۔ والدین کو بگڑا پایا۔ کہ عید کے دن گھر سے غائب۔ اِدھر اُدھر کا بہانہ بنا کر ان کی تسلّی کی مجھے مرزا صاحب مرحوم کے الفاظ یاد ہیں۔ ایک دفعہ کسی سفر میں آپ نے کہا کہ مجھے قبلہ حضرت صاحبؒ کی خدمت میں کوئی پچیس سال ہو گئے ہیں یہی تمنا رہی یہ کسی وقت ایک لمحہ کے لئے

بھی یہ ہستی مجھ سے خوش ہو جائے ۔ لیکن میں اس طویل مدت میں
کوئی ایسی گھڑی نہ پا سکا ۔ قبلہ حضرت صاحبؒ کی تصانیف میں
کہیں کہیں پیر و مرید کی خصوصیات لکھیں ہوئی ہیں ۔ ایک جگہ فرماتے
ہیں کہ مرید وُہ جو پیر کو ایک پل کے لئے اپنے سے جدا نہ سمجھے اور
پیر وُہ جو ہر آن مرید کے ساتھ رہے ۔ الفاظ تو نہایت سادہ ہیں لیکن
ساری شیخی کا نچوڑ ہیں ۔ پاکستان ابھی معرض وجود میں نہ آیا تھا ۔
دو ایک ماہ پہلے کی بات ہے کہ مجھے اپنی بیوی کی بیماری کے سلسلہ
میں اُسے معائنہ کے لئے میو ہسپتال لے جانا پڑا ۔ ہندو مسلم فساد
کی گڑبڑ زوروں پر تھی ہم گڑھی شاہو سے ٹانگہ پر سوار شملہ پہاڑی سے
ہوتے ہوئے ہسپتال پہنچے ۔ لیڈی ڈاکٹر سے معائنہ وغیرہ کے
بعد جب فارغ ہوئے تو خیال کیا کہ یہاں سے ٹانگہ وغیرہ تو ملا نہیں
چلو سیدھے ریلوے روڈ سے ہوتے جائیں ۔ اسلامیہ کالج کے
پاس ہمارے ایک رشتہ دار ڈاکٹر صاحب رہتے ہیں اسے ملتے
جائیں اور وہاں سے قلعہ گوجر سنگھ قبلہ حضرت صاحبؒ کی خدمت
میں بھی حاضری دیں ۔ دونو پیدل ریلوے روڈ والے بازار سے
گزرنے لگے ۔ میرے سر پر لال رومی ٹوپی تھی اور بیوی برقعہ میں ۔
وُہ سارے کا سارا بازار ہسپتال سے لے کر امرت دھارا بلڈنگ
بلکہ اسلامیہ کالج تک ہندو دوکان داروں کا تھا ۔ بعد میں یہ
بھی معلوم ہوا کہ اُسی صبح امرت دھارا بلڈنگ کے قریب والے
گوردوارے میں کوئی سکھ کسی مسلمان کے ہاتھوں قتل ہوا تھا جس
کی وجہ سے وہاں کافی سکھ بھی موجود تھے ۔ ہم دونو کو اس بات
کی کوئی خبر نہ تھی ۔ بازار سے گزرتے وقت میں نے دیکھا کہ سب
کے سب دوکان دار ہماری طرف عجیب نظروں سے دیکھ رہے

ہیں ۔ میں نے سمجھا کہ میں اس بازار میں اکیلا رومی ٹوپی پہنے ہوئے جا رہا ہوں یہ ہندوؤں کا بازار ہے شاید مجھے اس خیال سے دیکھ رہے ہوں کہ یہ مسلمان ہے ۔ ابھی امرت دھارا بلڈنگ تک ہی پہنچے تھے کہ بازار کی دوسری طرف سے ایک سکھوں کا گروہ ہاتھوں میں کرپانیں پکڑی ہوئی اُس گوردوارہ سے نکل کر بازار میں آیا ۔ ہمیں دیکھ کر وُہ سب کے سب ٹھہر گئے ۔ ہم دونو بازار کے ایک طرف جا رہے تھے اور وُہ دوسری طرف ہمیں دیکھ کر کھڑے ہو گئے ایک سکھ نے ایک ہاتھ تلوار کے دستہ پر اور دوسرا ہاتھ تلوار کی نوک پر رکھ کر پوزیشن لی اس کی آنکھیں سُرخ ہو چکی تھیں اس نے مجھے اپنے سر کو ہلاتے ہوئے ٹھہرنے کا اشارہ کیا ۔ میں سمجھ گیا کہ وقت نازک ہے ۔ ہندو دوکاندار تھڑوں پر کھڑے یہ منظر حیرانی سے دیکھ رہے تھے میں نے اس کے اشارہ کا کوئی جواب نہ دیا بلکہ اپنی رفتار کو جاری رکھا۔ اُن سکھوں کو بھی بازار پار کر کے ہم تک آنے کی جرأت نہ ہو سکی ۔ مسلمانوں کی دوکانیں شروع ہونے لگیں ۔ وُہ بھی یہ واقعہ دیکھ رہے تھے ۔ بلکہ چند ایک مسلمان دوکانداروں نے مجھے کہا کہ بابو صاحب ہوش ہیں ہو کہاں سے گذر کر آئے ہو ۔ ہم دونو ڈاکٹر صاحب کے مکان پہ پہنچ گئے۔ ٹانگیں پھولی ہوئیں ۔ جسم کانپ رہا تھا ۔ ڈاکٹر صاحب کی زبانی معلوم ہوا کہ آج صبح گوردوارہ میں سکھ کے قتل کا واقع ہوا ہے جس سے تمام سکھ بپھرے پڑے ہیں ۔ آپ کیسے اُن سے بچ کر آ گئے ۔ دوپہر ہو چکی تھی وہاں سے قلعہ گوجر سنگھ ٹانگے پہ پہنچے ۔ بیٹھک کا دروازہ بند تھا ۔ کھلنے پر معلوم ہوا کہ قبلہ حضرت صاحبؒ بیٹھک میں ہی چارپائی پر آرام فرما رہے ہیں ۔ ہم نے سلام عرض کیا اس دن آپ کی طبیعت کچھ ناساز سی معلوم ہوتی تھی پوچھا کہاں سے آئے ہو ۔ اور ساتھ ہی فرمایا کہ آئندہ ایسے گھر

سے کبھی نہ نکلنا۔ ہمیں بہت تکلیف ہوتی ہے اللہ کا شکر ہے دونوں کی جانیں بچ گئیں۔ ہم سمجھ گئے کہ ضرور اُس حال میں آپ کی غائبانہ مدد ہمارے کام آئی۔ ہم نے آپ کے قدموں کی بلائیں لیں اور رخصت مانگی۔ اور بحفاظت گھر واپس آ گئے۔

حقیقت امر عز وجل نے آپ کو جملہ امراض کا شافع بنایا۔ لاعلاج مریض شفا پاتے دیکھے۔ فرمایا کرتے دوا کا استعمال سنت سمجھ کر کیا کرو شفا من جانب اللہ ہے۔ اگر کوئی مریض آپکی بتائی ہوئی دوا میں تھوڑا سا ردّ و بدل کر لیتا تو آپ اسے ناراض ہوتے۔ فرماتے کہ ایسا کیوں کیا۔ کیا میں کوئی حکیم یا ڈاکٹر ہوں۔ مجھے تو جس چیز کی آگاہی ہوتی ہے وہی نسخہ تجویز کرتا ہوں۔ خواہ مخواہ ردّ و بدل کی ضرورت نہیں عموماً اس ضمن میں ایک روائت بھی بیان فرمایا کرتے کہ ایک روز حضرت موسیٰ علیہ السلام طور پر اپنے رب سے ہم کلام تھے کہ آپ کے پیٹ میں درد شروع ہو گیا جس کا ذکر اللہ عز وجل کے حضور کر دیا۔ جواب ملا کہ آپ کے پاؤں کے نیچے جو بوٹی ہے اسے توڑ کر کھا لیں۔ حسب ارشاد عمل کرنے پر درد جاتا رہا کسی اور روز جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے گھر میں ہی تھے اُسی درد میں دوبارہ مبتلا ہو گئے۔ باہر جنگل میں جا کر وہی بوٹی اکھاڑی اور کھا لی لیکن درد کا افاقہ نہ ہوا۔ ہم کلامی کے لئے طور پر پہنچے۔ درد کا شکوہ کیا۔ جواب ملا کہ پہلی دفعہ درد کا بند ہونا ہمارے فرمانے کی وجہ سے تھا بوٹی وغیرہ کی تاثیر نہ تھی۔ موثرِ حقیقی میں ہوں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ پھر یہ حکیم وغیرہ کس حیثیت میں ہیں۔ فرمایا کہ ان کی روزی کا باعث اور مریض کی تسلی کا باعث یہ دوائیں پیدا کی گئی ہیں۔

رحمتِ حق بہانہ می جوید

انتقال

صاحب امر حضرات کی مقدس زندگیاں "جاودان ۔ پیہم دواں ہر دم جوان" کے مصداق ہوتی ہیں ۔ ان کا جینا مرنا یکساں ہوتا ہے ۔ بلکہ ظاہری زندگی کے بعد یہ پہلے کی نسبت زیادہ روحانی آزادی پاتے ہیں ۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ ظاہری زندگی میں صاحبِ امر کی مثال تلوار کی سی ہے ۔ جو میان میں ہو اور آنکھیں بند کرنے کے بعد اس تلوار کی ہے جو میان سے باہر ہو ۔ مجھے یاد ہے کہ آپ کے وصال شریف سے چند روز پہلے ایک دوست نے ڈرتے ڈرتے اپنا خواب بیان کیا ۔ اس نے کہا کہ میں نے آپ کو اس دنیا سے انتقال فرماتے دیکھا آپ نے فرمایا کہ فکر کرنے کی ضرورت نہیں یہ درازی عمر کی دلیل ہے ۔ اور ساتھ ہی کنائیۃً ایک مثال بیان فرمائی کہ لمپ کی بتی اگر بغیر چمنی کے ہو تو روشنی کم ہوتی ہے اگر اس پر چمنی کا خول چڑھا دیں تو روشنی تیز ہو جاتی ہے ۔ ہم سمجھ گئے کہ یہ سہروردی چراغ تیز تر روشنی پانے کے لئے آمادہ ہے ۔ منگل کی شام تھی حسب معمول دفتر سے قلعہ گوجر سنگھ در اقدس پر حاضری دی ۔ ستمبر کا مہینہ تھا ابھی گرمی پوری طرح سے دور نہ ہوئی تھی ۔ فرمانے لگے کہ کرسیاں ذرا گلی میں کر لیں تاکہ باہر کی ہوا آئے ۔ چنانچہ حسب ارشاد چار پانچ کرسیاں باہر گلی کی دیوار کے ساتھ دونو طرف لگا دیں ۔ آپ رونق افروز ہوئے تو میں نے کوئی دفتر کے شکوے شکایات شروع کر دئے اور افسرانِ بالا کی دین سے بے توجگی کا بھی ذکر کیا آپ نے آہستہ آہستہ اپنے انداز میں ہمیں ایک ایک افسر کا بتایا ۔ فرمایا کہ پاکستان بننے سے ان کو پیٹ بھر کر روٹی مل گئی ہے اور یادِ خدا بھلائے بیٹھے ہیں سب مجھے آپ کے

آخری الفاظ جو رخصت ہونے سے پہلے آپ نے فرمائے۔ نقش سکا بجھر
ہو گئے آپ نے فرمایا "یوسف صاحب راستہ بھی سید ہا سے
یہ اور بات ہے کہ کسی کو کم یا کسی کو زیادہ مل جائے۔ اس سے نہ
پھرنا" سالانہ عرس میں نو دس دن رہتے تھے۔ اسی آخری محفل
میں عرس کے متعلق بھی تھوڑی سی گفتگو فرمائی۔ مغرب کا وقت ہونے
والا تھا۔ رخصت طلب کی تاکہ نماز مغرب گھر میں ہی جا کر ادا کر سکوں
نماز کے بعد کھانا کھایا۔ ابھی نماز عشاء سے فارغ ہوا ہی تھا کہ باہر
سے ہمارے ایک دوست نے آواز دی۔ میں باہر گیا۔ اس نے
آپ کے وصال کی غیر متوقع خبر دی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون
رات قلعہ گوجر سنگھ گزار دی۔ صبح اخبارات میں دوستوں نے
خبر پڑھ لی۔ سارا دن دفن و تدفین کے مشوروں میں گزرا۔ ایک
صندوق بھی تیار کرایا گیا۔ اس میں روئی رکھی گئی۔ نماز عصر سے پہلے
سول پولیس لائنز قلعہ گوجر سنگھ کی بڑی گراونڈ میں نماز جنازہ ادا
کی گئی۔ مفتی اعظم پاکستان قبلہ سید صاحب مدظلہٗ امام بنے۔ چہرِ انور
دکھایا گیا۔ رخسار سرخ۔ آنکھیں بند۔ اور لبوں پہ تھوڑی سی مسکراہٹ
مجھے آپ کا ایک قول یاد آگیا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ کوئی میت
ایسی ہوتی ہے کہ جنازہ پڑھنے والوں کی دعاؤں سے بخشی جاتی ہے
اور کوئی میت ایسی ہوتی ہے کہ اس کی طفیل تمام کے تمام جنازہ
پڑھنے والے بخشے جاتے ہیں۔ یہ الفاظ آپ نے قبلہ باباجیؒ کی
نماز جنازہ کے بعد اپنی مختصر سی وعظ شریف میں بیان فرمائے تھے
تمام شہر میں بذریعہ لاؤڈ سپیکر بھی نمازِ جنازہ کا اعلان کیا جا چکا تھا۔
اس لیے سارے کا سارا گراؤنڈ مشتاقانِ دیدار سے بھرا پڑا تھا۔ جسدِ
مبارک کو صندوق میں رکھا گیا۔ اور بذریعہ ٹرک ہنجروال لایا گیا۔ قبر

کے ساتھ ساتھ چار دیواری کھینچی گئی - صندوق رکھا گیا اور اوپر سے لنٹر کر دیا گیا - سائیں رحیم بخش صاحب نے اسی رات سے منصب مجاوری سنبھالا - میں بلا ناغہ کوئی تقریباً دو سال تک ہر اتوار اسی مسطح مزار پاک پہ حاضری دیتا رہا - حتیٰ کہ میرے دل نے تسلی کے آثار پائے - اتوار کی صبح آدھی رات کے بعد ہی سائیکل پر روانہ ہو جاتا - فجر کی آذانوں سے پہلے ہی صحبت کا شرف حاصل کرتا - سڑک پر سے ہی مزار اقدس پر ٹمٹماتا چراغ دیکھ کر دل ڈھارس پکڑتا - نماز وغیرہ سے فارغ ہو کر سائیں صاحب سے بھی ملتا - سائیں صاحب نے اپنا ڈیرہ ایک قریب والے بن کے درخت کے نیچے لگا رکھا تھا - صحبتِ یار کے علاوہ کوئی اور ساز و سامان نہ رکھتا تھا - ہم دوست اس کی اس زندگی سے حیران ہوتے لیکن اسے پورا مطمئن پاتے - حکومت کی طرف سے تیس چالیس روپیہ ماہوار پنشن سے گذر اوقات کرتا - سالانہ عرس جو آپ کے وصال شریف کے نو⁹ دن بعد ہوتا تھا - وہ بجائے قلعہ گوجر سنگھ کے اب ٹھیکر والی ہوا - تمام احباب حاضر تھے - تعمیر مزار اقدس وغیرہ کے مشورے ہوئے - رقم اکٹھی سی کی گئی - دعا سے لئے گئے جوں جوں کوشش کی گئی تعمیر والا مسئلہ التوا میں ہی پڑتا گیا - آخر ۲۹ جون ۱۹۶۱ء بروز اتوار مزار اقدس کی عمارت کا سنگ بنیاد رکھا گیا - چھ فٹ چوڑی بنیادوں پر ہشت پہلو تعمیر اٹھائی گئی - ایسے ہی باہر والا برآمدہ - گنبدِ خضرا کی پیمائش پر اس مزار اقدس کا گنبد بنایا گیا - عرصہ چھ ماہ میں تعمیر کا ڈھانچہ طیار ہو گیا - معماروں نے دوران تعمیر میں ہی اپنی حاجتیں پوری پائیں - مستری صاحب نے جن کی نگرانی میں یہ کام ہو رہا تھا مجھے بتایا کہ اتنی قلیل مدت میں اتنی بڑی عمارت کی تعمیر ایک کرامت ہے - بڑی بات یہ کہ گنبد معلی کی گولائی کو بغیر کسی آسرے سے اٹھایا اور مکمل کیا گیا - گنبد کی تقریباً ہر اینٹ جھکاؤ میں ہوتی ہے جس کے لئے

1961

گو وغیرہ کا بڑا اہتمام کرنا پڑتا ہے۔ لیکن ہم نے جو اینٹ بھی سیمنٹ سے چمٹا کر لگائی اور جس حالت پہ رکھی گئی وہ ہلی نہیں وہیں جم گئی۔ کسی آسرا وغیرہ کے لگانے کی زحمت نہ پڑی۔ حتیٰ کہ تمام اینٹیں جھکتی جھکتی ٹھہرتی گنبد کی چوٹی سے جا ملیں۔ اور ایک مثالی گنبد طیار ہو گیا۔ تعمیر کی وجاہت صاحب امر کی وجاہت کی آئینہ دار بنی۔ اس ظاہری وجاہت نے احباب کے علاوہ دوسرے لوگوں کی توجہ بھی اپنی طرف کھینچی۔ حسب معمول سالانہ عرس شروع ہو گئے۔ بعدہٗ ماہانہ مجالس کا آغاز بھی ہو گیا۔ میرے ساتھ چند دوستوں نے مشورہ کیا کہ عرس شریف کی رات کے علاوہ سال کی باقی مخصوص راتیں بھی اسی آستانہ پاک پر گذاریں چنانچہ شبہائے قدر۔ برات۔ معراج اور آخری چہار شنبہ میں بھی حاضری شروع کر دی۔ وجہ یہ عمارت بن چکی تھی۔ سائیں صاحب کی کٹیا بھی اب پکی اینٹوں سے طیار کر لی گئی تھی اس لئے رات کی رہائش میں کسی قسم کی تکلیف نہ تھی۔ باقاعدگی سے حاضری دیتے ساری رات قبلہ حضرت صاحبؒ کی معیت میں گزارتے لطف اٹھاتے۔ ہر حاضری پر ایک نیا انداز اور ایک نئی کیفیت ہوتی۔ پُرلطف شفقتیں پاتے پُرسرور نظارے مشاہدہ کرتے۔ ایک ایک کو روشناس کا رنگ دینے لگوں تو شاید نہ دے سکوں ایک شب قدر پر ہی اکتفا کرتا ہوں ملاحظہ فرمائیں۔

شبِ قدر

آپ کی تصنیف رسالہ رمضان المبارک میں آپ نے ایک شیڈول دیا ہوا ہے جس میں لیلۃ القدر کا اندازہ کسی بزرگ کے اسی سالہ تجربہ کی بنا پر درج ہے۔ کہ اگر رمضان المبارک کی پہلی تاریخ کو فلاں دن ہو تو

لیلۃ القدر فلاں تاریخ کو واقع ہوگی۔ ہم چند دوست اس شڈول کے مطابق ایک یوم کی رخصت لے کر سرِ شام ہی ہنجروال پہنچ جاتے افطاری وسحری کا سامان ساتھ لے جاتے ساری رات قبلہ حضرت صاحبؒ کے قدموں میں گزارتے سخت سردیوں کے دن تھے حسب معمول ہم چھ دوست ہنجروال شریف پہنچے۔ شڈول کے مطابق اس سال لیلۃ القدر ستائیسویں کی رات آتی تھی۔ افطاری کے بعد سائیں صاحب کو سحری کے اہتمام کا کہہ دیا خود سب دوست روضہ کے اندر داخل ہوئے سردی سے بچاؤ کی خاطر روضہ کے دروں میں مصلے تان دیئے بات چیت ونعت خوانی کے بعد نماز عشاء کے لئے کھڑے ہوئے شہر سے دور ایک سنسان وادی میں ایک فلک بوس عمارت کے نیچے رات کی تنہائی میں یہ چھ افراد پر مشتمل ایک چھوٹی سی جماعت اپنے شیخ کے قدموں میں اپنے رب کے حضور نماز تراویح کے لئے کمر باندھتی ہے۔ اُس زمانہ میں مجھے کچھ اوپر پانچ پارے حفظ ہو چکے تھے۔ دوستوں کی تمنا تھی کہ انہیں بیس رکعتوں میں دوہرایا جائے اس لئے مجھے امام بننا پڑا۔ سحری تک کا وقت اپنے میں تھا۔ فضا بھی پرسکون اور سازگار تھی دو دو رکعت کی نیت کر لیتے اور سلام کے بعد بات چیت میں قبلہ حضرت صاحبؒ کے محاسن کا ذکر چھیڑ دیتے "واذا طمننتم فاقیموا الصلوٰۃ" کے تحت پھر دو رکعت پڑھ لیتے اسی طرح کرتے کرتے رات کے تقریباً ۱½ بجے تک ہم نے سولہ تراویح ختم کر لیں۔ اس کے بعد پھر ذکر یار چھڑ گیا۔ میں باہر نکلا۔ میرے ساتھ باقی دوست بھی۔ گھٹا ٹوپ اندھیری رات میں تاروں کا منظر کچھ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے کہ مبارک باد دے رہا ہے۔ ہر دوست شاد شاد نظر آتا تھا۔ میں علامہ ڈاکٹر اقبالؒ کے "ساقی نامہ"

سے جو اشعار مجھے یاد تھے روضہ کے باہر کھلی فضا میں گنگنا رہا تھا۔

؎ تیرے آسمانوں کے تاروں کی خیر
زمینوں کے شب زندہ داروں کی خیر
تڑپنے پھڑکنے کی توفیق دے
دلِ مرتضےٰ سوزِ صدیق دے

سب دوستوں نے وضو پر وضو کیے اور تازہ دم ہو کر باقی ماندہ چار رکعتیں سحری سے پہلے ختم کرنے کے عزم پر کھڑے ہوئے یہ کوئی ۲½ بجے رات کا عمل ہوگا۔ تکبیر تحریمہ کے بعد تسبیحات سری پڑھیں۔ سورہ فاتحہ کا پہلا لفظ الحمد ہی ابھی کہا ہوگا کہ رقت شروع ہو گئی۔ برداشت کی سعی کی ساتھ ہی پانچوں کے پانچوں مقتدی احباب کی سسکیاں بھی شروع ہو گئیں۔ رونے اور پڑھنے سے جو قرائت وجود میں آئی وہ سنائی۔ سورہ فاتحہ ایک متشکل تفسیر میں نظر آ رہی تھی۔ سب کے سب بے بس تھے۔ حقیقتِ امر کے حضور صاحب امر کے جوار میں قدموں کی جانب ہاتھ باندھے زار و قطار رو رہے ہیں۔ اور سببِ گریہ سے سب بے خبر۔ کبھی خیال آئے کہ یہ تمام قبلہ حضرت صاحبؒ کے تصرّف کا اثر ہے۔ پھر خیال آئے کہ اگر تصرف کا اثر ہوتا تو پہلے سولہ تراویح میں کیوں نہ ہوا۔ وغیرہ۔ لیکن شب قدر کی کیف اور ساعت کا ہم میں سے کسی کو بھی خیال نہ آیا۔ اور یہ بہتر رہا اگر آ جاتا تو شاید نماز سے فارغ ہونا پڑتا اور اغراضی التجاؤں میں مشغول ہو جاتے۔ کرم کرنے والے نے بہتر جانا کہ اس جماعت کو فی الصلوٰۃ ہی رکھا جائے تاکہ اجر زیادہ پائے۔ نہ یہ حضوری سے علیحدہ ہوں اور نہ ماسوا کا دھیان آئے۔ فاتحہ کے بعد پانچواں پارہ جہاں

سے چھوڑا تھا پڑھنا شروع کر دیا ۔ رو لیتا اور بھر آئی ہوئی آواز سے پڑھ لیتا ۔ نہ جہت قبلہ کا خیال رہا (یہ بات مجھے دوستوں نے بعد میں بتائی) اور نہ پوری طرح سے اپنی ہوش ۔ مقتدی دوست اور میں خود حیران تھا کہ کون پڑھ رہا ہے اور کس کی آواز ہے ۔ قیام سے زیادہ رکوع میں اور رکوع سے زیادہ سجود میں زاری بڑھتی گئی ۔ دونوں رکعتوں میں چھٹا پارہ تا حدِ حفظ ختم کیا ۔ تشہد ۔ صلوٰۃ وسلام اور ماثورہ دعاؤں نے قیام و رکوع و سجود سے بڑھ کر رنگ دکھایا معلوم ہوتا تھا کہ سلام کے بعد یہ سیلاب تھمتا تو نظر نہیں آتا سلام پھیرتے ہی سب کے سب دوست قبلہ حضرت صاحبؒ کے مزار اقدس سے لپٹ جائیں گے کہ یہ آج رات کونسی منزل طے کرائی جا رہی ہے جو اس قدر گریہ سے وابستہ ہے ۔ لیکن آپ یہ پڑھ کر حیران ہوں گے کہ جونہی سلام کے بعد ہم نماز سے فارغ ہوئے ۔ یک لخت وہ گریہ وزاری وغیرہ کالعدم ہو گئی اور اس کی جگہ فوراً مسرت و انبساط نے لی ۔ ہم ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر ہنس رہے تھے اور کسی کو کچھ کہنے کی جراٴت نہ کرتے ۔ آخر سکوت ٹوٹا ۔ خوب خوش ہوئے ۔ اب خیال آیا کہ یہ دو رکعتوں والی گھڑیاں لیلۃ القدر کی ساعتیں تھیں خیال نے یقین کی جگہ لی ۔ خوشی سے پھولے نہ سما رہے تھے ہم سب نے بیداری میں اور لطف یہ کہ سنت موکدہ میں یہ وقت پایا ۔ باقی دو رکعتیں تراویح اور وتر وغیرہ سے فارغ ہو کر سحری کے لئے مصلےٰ چھوڑے نمازِ فجر ادا کرنے کے بعد باہر کھلے میدان میں سورج کے طلوع کا انتظار کیا ۔ جب اس کی بھی کوئی کرن نہ پائی تو یقین اور پختہ ہو گیا ۔ گھر آنے پر میں نے تفسیر روفی" اٹھائی ۔ سورہ لیلۃ القدر کی تفسیر میں دیکھا کہ لیلۃ القدر

کے تمام کے تمام نشانات اس رات پورے اُترے ۔ صاحب تفسیر نے یہ بھی لکھا کہ رات کی اس گھڑی میں اگر کوئی ایک آیت پڑھ لے تو اسے ایک قرآن کا ثواب ملتا ہے ۔ میں نے پانچویں اور چھٹے پاروں کی گنتی شروع کی تو معلوم ہوا کہ اُن دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے علاوہ ایک سو باون آیات پڑھی گئی ہیں ۔ یہ سعادت آخر کس کے قدموں کے صدقے میں ملی ۔

یہ فیض کون سے ابو فیض کا مرہونِ منت ہوا ۔ شبہائے قدر آتی رہیں اور آتی رہیں گی ۔ اہل نصیب اسے پاتے رہے ہیں اور پاتے رہیں گے ۔ لیکن جس انداز میں قبلہ حضرت صاحبؒ نے ہمیں اپنے پاس بلا کر مہربانی فرمائی اس کی مثال الا ماشاء اللہ ملنی محال ہے ۔ آپ نے اپنی حیات ظاہرہ طیبہ میں بھی کسی سائل کو ردّ نہ فرمایا ۔ بلکہ سائل کا دامنِ عقیدت پوری طرح بھر کر واپس کیا ۔ اسی طرح اپنی اس زندگی میں بھی ایک ساعت میں "خیرٌ من الف شہر" کے نشے چڑھا دیے ۔ کیوں نہ ہو سلطان لاثانی صلی اللہ علیہ وسلم کے لاڈلے مظہر اور قلندرِ زمان جو ٹھہرے ۔ وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم ۔

رویائے صادقہ

وصال شریف سے چار پانچ سال قبل اور چار پانچ سال بعد آپ بلا ناغہ ہر رات مجھے خواب میں دیدار سے مشرف فرماتے رہے ۔ ظاہری حیات طیبہ میں میں نے ایک دو بار کوشش کی کہ اس کیفیت کو آپ سے بیان کر دوں ۔ ہر بار مجھے خاموش رہنے کا حکم ہوا ۔ میں حیران

تھا کہ آپ سب کے خواب سماعت فرماتے ہیں اور اُن کی تعبیر بھی بیان کرتے ہیں - لیکن آخر یہ التفات مجھ پر کیوں نہیں ہوتا۔ جوں جوں اس راز کا انکشاف ہوتا گیا آپ کی تشریف آوری بلا ناغہ نہ رہی - سب سے پہلی بار مجھے اس بات سے آگاہی اپنے ایک دوست کے کسی دوست کی معرفت ہوئی - واقعہ یوں ہوا - کہ ایک شام میرے دوست منیجر صاحب میرے غریب خانہ پر تشریف لائے - کہنے لگے کہ چلیں رات ہنجروال گزاریں - اس زمانہ میں وصال شریف کو ابھی تھوڑا عرصہ ہوا تھا - مزار اقدس مسطح ہی تھا - ہم دونو بھائی قبلہ حضرت صاحبؒ کے جوار میں اینٹوں کے سرہانے بنا کر لیٹ گئے - نماز عشاء کے بعد ہم نے دیکھا کہ مزار اقدس پر دو صاحب حاضری کے لئے آئے ہیں - اور مراقبہ میں بیٹھ گئے ہیں - کچھ دیر بعد وہ دونو صاحب ہماری جانب آئے اُن میں سے ایک ہمارا پیر بھائی تھا اور دوسرے صاحب کوئی اُن کے دوست تھے جو کشف میں مہارت تامہ رکھتے تھے وہ کشمیر کے رہنے والے تھے - اور مزارات کی حاضری کا شغل رکھتے تھے - دونو سلام و دُعا کے بعد ہمارے پاس بیٹھ گئے - رات کی تاریکی کی وجہ سے دوسرے صاحب کا چہرہ نمایاں طور پر دکھائی نہیں دیتا تھا - اُس نے بیٹھتے ہی کہنا شروع کر دیا کہ اس وقت قبلہ حضرت صاحبؒ اپنی اس جگہ پر نہیں ہیں بلکہ کہیں دوسری جگہ تشریف لے گئے ہوئے ہیں - ہم دونو بھائیوں نے اُس کے ان الفاظ کو ہیچ جانا منیجر صاحب بولے کہ آپ یہ کیوں نہیں کہتے کہ قبلہ حضرت صاحبؒ آپ سے ملنے کو طیار نہیں - ابھی ہم دونو بھائی حاضری دے کر آئے ہیں۔ اور آپ ہم سے ملاقی ہوئے ہیں - خیر کشمیری صاحب نے بجائے کچھ جواب دینے کے ہمارا مکاشفہ شروع کر دیا - اپنے ساتھی سے کہنے لگا کہ کئی لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ سالوں سے اپنے پیر کی شکل بلا ناغہ

خواب میں دیکھتے ہیں اور اُن کی سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ صاحب حضور ہوتے ہیں۔ میں نے اپنے دل میں کچھ کھٹکا سا محسوس کیا کہ اس کا اشارہ میری طرف ہے۔ لیکن تصدیق کے لیئے ابھی وقت درکار تھا۔ جلوہ رُخ بدستور آتا رہا۔ لیکن نیلذ بن کر۔ خوابوں میں آپ کی تشریف آوری رہی لیکن بغیر کسی کلام کے۔ شرفِ دیدار سے مجھ پر رقّت طاری ہو جاتی۔ اس حالت میں قدموں سے لپٹ جاتا عرضِ حال سناتا۔ لیکن جواب میں سوائے کبھی کبھی مسکراہٹ کے کچھ نہ پایا۔ سارا دن پُر سرور گزرتا۔ آخر ایک رات یہ صاحب امر اور حضرت امر صلّی اللہ علیہ وسلّم دونو اکٹھے اسی صاحب امر کی شکل میں جملہ اصحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کے ساتھ مسجد نبوی صلّی اللہ علیہ وسلّم میں دیکھے گئے۔ دونو میں کوئی فرق نہ پایا۔ علم الیقین نے عین الیقین کی جگہ لی۔ دیکھ لیا کہ یہی صاحب امر کانوں میں "میم" کی مُندریاں ڈالے رانوں کو شرف دیدار سے مشرف فرماتا ہے۔

پری پیکر نگارے۔ سرو قدے۔ لالہ رخسارے
سراپا آفتِ دل بود شب جائے کہ من بودم (خسروؒ)

صرف میں ہی نہیں اس حلقہ کے تمام احباب اچھی طرح سمجھ چکے ہیں کہ اپنے مرتبۂ قلندری کی بدولت اس صاحب امر نے اپنے غلاموں کے لیئے درمیانی تمام واسطے منقطع کر دیئے ہوئے ہیں۔ جس کو پکڑا سیدھا حضرت امر صلّی اللہ علیہ وسلّم کے حضور پیش کر دیا۔ اور درمیانی واسطوں کے لیئے جو جو ریاضتیں اور مجاہدے درکار ہوتے ہیں اُن سب سے بے نیاز کر چھوڑا۔ اللہ عزوجل ہر قسم کی ریا سے محفوظ رکھے۔ صرف اپنے احباب کی روحانی تقویت کے لیئے یہ سنہاسئے ناگفتنی تحریریں لا رہا ہوں۔ ورنہ میں اور میری بساط کیا۔ دوستوں کی مزید قلبی طمانیت

واستقامت کے پیشِ نظر ایک اور خواب تحریر کئے دیتا ہوں ۔ میں نے دیکھا کہ ایک سبز شیشہ کی بنی ہوئی عالیشان عمارت ہے ۔ جس کے بڑے دروازے کے اوپر سبز جلی حروف میں "محمد رسول اللہ" لکھا ہوا ہے ۔ اور اس کے اردگرد دور دور تک بھی سبز شیشوں کا ڈھلوان دار نہایت خوبصورت فرش ہے ۔ پاؤں پھسلے جاتے ہیں آخر بیٹھے بیٹھے ہی خود بخود ڈھلوان کی وجہ سے اس عمارت میں داخل ہو گیا اندر ایک مزار اقدس دیکھا جس میں سے نورانی شعاعیں نکلتی نظر آئیں ۔ میرے ساتھ ایک میرا دوست بھی تھا ۔ جسے میں نے کہا کہ آپ واپس چلے جائیں ۔ میں تو حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا دیدار کر کے ہی آؤں گا وہ واپس ہو گیا* کہ ابھی شق ہونے والا ہے ۔ جتنی دعائیں یاد آئیں مانگیں لشان قبر الگ ہوا ۔ ایک ہستی کو لیٹے پایا ۔ جس نے لیٹے لیٹے ہی اپنا سر مبارک پھیر کر میری طرف دیکھا ۔ میں حیران ہو گیا جب میں نے دیکھا کہ یہ چہرہ مبارک قبلہ حضرت صاحبؒ کا ہے ۔ آپ نے رہ رہ کر تین بار میری طرف چہرہ مبارک کیا اور فرمایا کہ اب واپس جاؤ ہم نے تین بار اپنا آپ آپ کو دکھا دیا ہے ۔ وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہٖ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وبارک وسلّم ۔

راہ طریقت میں آپ کی عطائیں اپنے دوستوں پر بغیر مانگے ہوتیں ۔ میں نے ایک سلفی نلتھی فقیر کا فارسی قلمی منظوم کلام پڑھا ۔ اُن کا ایک مصرع مجھے یاد آگیا ۔

پیر در کار تو لو در خواب

میں نے یہ وصف قبلہ حضرت صاحبؒ میں پایا ۔ آپ ہزاروں گتھیاں دوست کے ایک خواب میں ہی سلجھا دیتے ۔ آپ کے حریم پاک میں عرضِ حاجت نہ ہوتی ۔ کسی معراج کی رات میں نے خواب میں دیکھا

* مرقد جلال وجمال ظہور ہے ۔ منظر سے آنکھ ۔ میں ہی جھپک گیا

کہ قبلہ حضرت صاحبؒ کی معیت میں مختلف دیہاتوں اور شہروں کا سفر کر رہا ہوں ۔ اور حسب ارشاد ہر دن کی ڈائری لکھے جا رہا ہوں جو کہ رات کو سونے سے پہلے قبلہ حضرت صاحبؒ کو سنائی جاتی ہے ۔ اس طرح سفر میں آٹھ دن رات گزر رہے ہیں ۔ کہ میری آنکھ کھل گئی معراج کا مسئلہ مشاہدہ میں آگیا ۔ اور کسی دلیل کا محتاج نہ رہا ۔ وعلی ہذا القیاس ۔ واضح یہ ہوا کہ ایک صاحبِ امر کے ظاہری آنکھوں سے روپوش ہو جانے سے نسبت رکھنے والے کے لیے راہ طریقت میں کوئی خاص فرق نہیں پڑتا ۔ نسبت درست رہے یہ کٹھن راستے طے ہو ہی جاتے ہیں ۔ وباللہ التوفیق ۔

مقولاتِ حسنہ

جن حضرات کو قبلہ حضرت صاحبؒ کی صحبت کا شرف حاصل ہوا وہ بخوبی واقف ہیں کہ کس طرح آپ کے الفاظ دل کی گہرائیوں میں اترتے جاتے تھے ۔ میں نے اس کتاب کے ہر دو حصوں یعنی نکات و واقعات میں کوشش کی ہے کہ قارئین کرام تک آپ کے ارشادات زیادہ سے زیادہ پہنچ جائیں ۔ علاوہ ازیں مندرجہ ذیل مقولات بھی جو آپ اکثر اپنی زبان مبارک پر لایا کرتے تھے تحریر کئے دیتا ہوں ۔ چھوٹے چھوٹے سادہ سادہ فقروں میں کیسی جامعیت بھری ہوئی ہے ۔ میں نے یہ مقولات اپنی ساری زندگی میں نہ کہیں پڑھے اور نہ سوائے قبلہ حضرت صاحبؒ کے کسی اور سے پہلے سنے گئے ۔

۱ :۔ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا باپ نہیں اسی لئے محبت نیچے کو آتی ہے ۔ اوپر نہیں جاتی ۔

۲:۔ فرمایا کرتے ۔ ایک باپ دس بیٹوں کی کفالت کر سکتا ہے لیکن دس بیٹے ایک باپ کے کفیل نہیں بن سکتے ۔

۳:۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور کوہ طور کے تذکرے کے تحت فرمایا کرتے ۔ کہ انوارِ الٰہی اگر ایک درخت پر آ سکتے ہیں تو انسان جو اشرف المخلوقات ہے اس کا زیادہ حقدار ہے ۔

۴:۔ اسی ضمن میں فرمایا کرتے کہ متلاشی کی خواہش کے رنگ میں جھلک مار کر مقامِ قرب سے نوازنا سنتِ اللہ ہے اور اکثر اولی الامر حضرات اہل سلوک کی منازل ایسے ہی طے کراتے ہیں ۔

۵:۔ فرمایا کرتے کہ مہنگائی کی اگر یہی رفتار رہی تو دیسی گھی صرف نسخوں میں ہی استعمال ہوا کرے گا ۔

۶:۔ فرمایا کرتے کہ اپنے جوارح قابو پانے سے تمام کائنات بس میں آجاتی ہے ۔

۷:۔ فرمایا کرتے کہ شہر کا سیب اور گاؤں کا شلجم ایک جیسی خاصیت رکھتے ہیں ۔

۸:۔ فرمایا کرتے کہ باسی روٹی مکھن کے ساتھ اور ایک نمکین گاڑھی لسی کا پیالہ پُر تکلف شہری ناشتہ کا مقابلہ کرتا ہے ۔

۹:۔ فرمایا کرتے کہ تنہا ڈاڑھی میں اسلام نہیں بلکہ اسلام میں ڈاڑھی ضرور ہے اسی طرح صرف نماز میں اسلام نہیں بلکہ اسلام میں نماز ضرور ہے وعلی ہذا القیاس ۔

۱۰:۔ فرمایا کرتے کہ بنی آدم کسی حالت میں بھی روٹی سے مہنگا نہیں پڑتا ۔

۱۱:۔ فرماتے کہ اللہ عزوجل کی مہربانی سے جملہ انبیا علیہم السلام کو جو حوار ملے انہوں نے اپنے پیغمبروں کا صدقِ دل سے پورا پورا ساتھ دیا ۔ اور

اللہ عزوجل اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلّم کو جو ساتھی عطا فرمائے وُہ خائن وغاصب (نعوذ باللہ من ذالک) ٹھہریں کیسی نامعقول اور بے بنیاد بات ہے۔

۱۲:۔ فرمایا کرتے کہ جس کا انتظار کرنا پڑے اُس کو بہتر ہے کہ ساتھ لے کر چلے۔

۱۳:۔ فرمایا کرتے کہ کفّار نے کونسی طاقت پر قابو نہیں پایا اور کون سی معرفت حاصل نہیں کی۔ انہیں نہیں ملی تو اپنے رب کی معرفت نہیں ملی۔ اور اس محرومی سے وُہ آخرت میں موجبِ غضبِ جبّار رہوں گے۔

۱۴:۔ فرمایا کرتے کہ خوش قسمت مزدور ہے وہ جو سارے دن محنت مزدوری کے بعد شام کو اپنے گھر میں اپنے اہل وعیال کے ساتھ کھانا کھائے اور رات بسر کرے۔

۱۵:۔ فرمایا کرتے کہ ہندو مہاشے ساہوکار کو مارنے کے لئے صرف ایک ماچس (دیا سلائی) کی ضرورت ہے جس سے اس کے کارخانہ کو آگ لگائی جائے۔ اور اُسے پنکھے کی ہوا دیتے اطلاع کردی جائے وُہ خود بخود دم بخود ہو جائے گا۔

۱۶:۔ فرمایا کرتے کہ دنیا کا استعمال فقیر سے زیادہ کون جان سکتا ہے۔

۱۷:۔ فرمایا کرتے کہ کسی مزار پر حاضری کے وقت اگر رقّت طاری ہو۔ تو یہ اہل مزار کی توجّہ کی دلیل ہوتی ہے۔

۱۸:۔ فرمایا کرتے کہ مہمان کے آنے پر دل میں کسی قسم کی تنگی نہ ہو۔ وُہ آکر تم پر احسان کرتا ہے اور تمہاری میل کچیل اتارتا ہے۔

۱۹:۔ فرمایا کرتے کہ سوائے ماں اور باپ کے۔ یہ دو ایسے راستے ہیں کہ اگر منقطع ہو جائیں تو دوبارہ وابستہ نہیں ہو سکتے۔ برخلاف

باقی تمام رشتوں کے کہ ان کا ظہور ممکن ہے۔
۲۰:۔ فرمایا کرتے کہ کلام الٰہی کی ایک آیت کا انکار و شک سارے قرآن کا انکار ہوگا۔
۲۱:۔ آپ کی طبیعت کچھ ناساز تھی اور آپ بالاخانہ میں ہی تشریف فرما تھے۔ ہم دو دوستوں کو اوپر بلوایا۔ کچھ دیر بعد دونو دوست واپس نیچے اترے اور گلی میں کھڑے کسی گفتگو میں مشغول ہو گئے۔ آوازیں بلند ہوئیں۔ قبلہ حضرت صاحبؒ نے اوپر ہی سے سن لیں۔ سب سے چھوٹے صاحبزادہ کے ہاتھ ایک کاغذ کا پرزہ پنسلی خط میں لکھا ہوا بھیجا۔ ہم دونو دوستوں نے جب وہ فقرا پڑھا تو لبوں پر مہر سکوت لگ گئی۔ نہایت شرمندہ ہوئے۔ وہ کاغذ اب بھی میرے بٹوے میں بطور تعویذ موجود ہے۔ اس پر تحریر ہے۔ ۔ ۔ ۔
"اپنی راز کی بات منظرِ عام پر نہیں کیا کرتے"۔
۲۲:۔ فرمایا کرتے کہ انقطاعِ اسباب قربِ معرفت کی دلیل ہے۔
۲۳:۔ فرمایا کرتے کہ اہلِ شہود کے لئے "یومنون بالغیب" کفر ہے۔
۲۴:۔ فرمایا کرتے کہ حق و ناحق دونو سے ڈرو۔
۲۵:۔ فرمایا کرتے کہ اور تو اور فقیر ساری دنیا چھوڑ سکتا ہے۔
۲۶:۔ فرمایا کرتے کہ لباس شریعت قیامت تک کے لئے قابل اعتماد ٹھہریگا۔
۲۷:۔ فرمایا کرتے کہ شکاری کو چاہیے کہ شکاری کے لباس میں شکار کھیلے۔
۲۸:۔ فرمایا کرتے کہ دنیا کی کھیتی ناحصی نہیں۔ ہر شے کی باگ ڈور دستِ قدرت میں ہے۔ جیسے چاہے چلائے۔
۲۹:۔ فرمایا کرتے کہ ساری دنیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا صدقہ کھا

رہی ہے۔

۳۰:۔ فرمایا کرتے پتنگ (گڈی) اگر اوپر چڑھانی مقصود ہو تو ضروری نہیں کہ منت کش ہوا ہو۔ اور جب اتارنی مقصود ہو اور چرخی الٹی پھرنے لگے تو کتنی ہی تند و تیز ہوا ہو پتنگ نیچے آتی ہی آتی ہے۔

۳۱:۔ اسی طرح گندم کے پودے کی مثال بیان فرمایا کرتے کہ جب گندم کا خوشہ پکنے پر آئے اور رنگ تبدیل کرے تو اس کی جڑوں میں چاہے کتنا ہی پانی دو اور کھاد ڈالو وہ ہرا نہیں ہو سکتا اس نے گرنا ہی گرنا ہے۔

۳۲:۔ فرمایا کرتے کہ بوڑھا آدمی اگر اپنے آپ کھا پی سکتا ہے اور بغیر کسی کی مدد کے رفع حاجت سے فراغت پا سکتا ہے تو سمجھو کہ وہ تندرست ہے۔ بڑھاپے میں دیگر بیماریوں کا اعتماد نہیں۔

۳۳:۔ فرمایا کرتے کہ کروڑوں ٹن پانی آبشاروں سے اچھلتا اور دریاؤں سے بہتا سمندر میں کچھ اس طرح جذب ہوتا ہے کہ قلت و کثرت کا اندازہ نہیں لگ سکتا۔ اسی طرح بحرِ توحید میں ساری کی ساری کائنات جذب ہو رہی ہے۔

۳۴:۔ فرمایا کرتے کہ سید وہ جو حسین و فیاض ہو اور اپنا سر قوم کے لئے پیش کرے۔

۳۵:۔ فرمایا کرتے کہ ایک صاف ستھرا بلوری گلاس دودھ سے بھرا ہوا میز پر رکھا جائے۔ اور اس دودھ میں ایک پیشاب کا قطرہ ڈالا جائے۔ کوئی بھی اسے پینے کے لئے طیار نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر خالص دودھ بغیر کسی آمیزش کے اس گلاس میں ڈالا جائے جس کے اردگرد غلاظت لگی ہو تو اسے بھی کوئی پینے کے لئے اٹھانے کو طیار نہیں۔ بعینہٖ دین کا ظاہر و باطن ہے۔ اگر ظاہری شریعت کا تابع نہیں چاہیے وہ

کتنا ہی عالم و فاضل اور خوش اخلاق و کردار ہو قابل قبول نہیں ۔ اور نہ وُہ جو ظاہری طرح داری رکھتا ہے لیکن عقائد کے لحاظ سے گندہ ہے۔ بطور سند پیش کیا جا سکتا ہے ۔ دودھ بھی پاک ہو اور گلاس بھی صاف ہو ۔ پھر حجت قائم ہوتی ہے ۔

۳۶ : ۔ اہل مشاہدہ اور عوام الناس کا فرق بیان کرتے فرماتے کہ میز پر ایک شیشے کے گلاس میں پانی ڈالا جائے دیکھنے میں یہ پانی صاف و شفاف معلوم ہوتا ہے ۔ لیکن ساتھ ہی ایک شخص اپنی آنکھوں پر خوردبین کے شیشے چڑھائے ہوئے کہہ رہا ہے کہ اس پانی میں تو بیشمار جراثیم نظر آ رہے ہیں ۔ اپنی اپنی جگہ دونو راستی کا دعویٰ کرتے ہیں ۔ صاف و شفاف پانی دیکھنے والے کی آنکھوں پر جب تک وُہ خوردبین شیشے نہ لگیں وُہ جراثیم کا کبھی اعتبار نہیں کرے گا ۔ اور خوردبین نظریں جب تک وُہ شیشے آنکھوں سے علیحدہ نہ کریں جراثیم کے وجود سے انکار نہیں کر سکتیں ۔

۳۷ : ۔ زاہد خشک اور صوفی میں فرق بیان کرتے کئی طرح کی مثالیں دیتے فرمایا کرتے کہ ایک بزرگ اپنے دو صاحبوں سے کہتا ہے کہ خربوزہ کو دل چاہتا ہے ۔ دونو صاحب اُٹھتے ہیں ۔ بازار جاتے ہیں ایک فوراً خربوزہ خرید کر واپس آجاتا ہے اور اس بزرگ کی خدمت میں پیش کر دیتا ہے ۔ دوسرے صاحب خربوزہ خرید کر اسے کاٹتے ہیں ۔ کاشوں سے چھلکا علیحدہ کرتا ہے اور نہایت قرینہ سے طشتری میں رکھ کر باادب پیش خدمت کرتا ہے ۔ تعمیل ارشاد دونو نے کیا ۔ پہلے کی تعجیل اُس کے کام نہ آئی اور دوسرے کی تاخیر بزرگ کا منشا پا گئی اور اس کا کام بنا گئی مجھے سمجھانے کے لیے ایک دفتری مثال فرمایا کرتے تھے ۔ کہ کسی مزدور کی پیش کردہ عرضی پر کارخانہ کا بڑا افسر لفظ

مثل" (case) لکھ دیتا ہے۔ جب آپ کے دفتر میں وہ عرضی آتی ہے تو آپ اچھی طرح اُس عرضی کو فائیل میں لگا کر پوری وضاحت سے اس عرضی پر نوٹ لکھتے ہیں اور افسر بالا کی توجہ ہر اس حوالہ کی طرف جو عرضی سے متعلق ہیں مبذول کراتے ہیں تا کہ اُسے انصاف کرنے میں کوئی دقّت پیش نہ آئے۔ لیکن اگر آپ اسی عرضی کو ویسے ہی فائیل متعلقہ پر باندھ کر افسر کی میز پر رکھ آئیں اور کہیں کہ صاحب یہ ہے اس کا کیس جو آپ نے طلب فرمایا ہے۔ تو خود ہی کہو کہ کیا وہ افسر آپ کے اس عمل سے مطمئن ہو جائے گا۔

۳۸:۔ اس دور کے مسلمانوں کی بے راہ روی اور احکام شریعت سے بے اعتنائی کے ضمن میں اکثر فرمایا کرتے کہ اگر اس زمانہ میں حضرت بلال رضی اللہ تعالےٰ عنہ، یا کوئی اور صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، تشریف فرما ہوں تو اپنے رب کی قسم کھا کر کہہ دیں کہ یہ لوگ جو میں دیکھ رہا ہوں میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی اُمت سے ہرگز ہرگز نہیں یہ کسی اور کے پیرو معلوم ہوتے ہیں۔

۳۹:۔ فرمایا کرتے کہ بجلی کے انڈے میں جب تک روشنی ہے پروانے فدا ہو رہے ہیں۔ اگر روشنی نہ ہو تو پروانے اس پر تھوکنے کو بھی طیار نہیں۔

۴۰:۔ فرمایا کرتے کہ پاکستان میں اسلامی حکومت نہیں بلکہ مسلمانوں کی حکومت ہے۔

معمولاتِ حسنہ

عقل و گمان مخلوق ہونے کی حیثیت سے امر پر قابو نہیں پا سکتے۔

حقیقتِ امر ہو۔ صورتِ امر ہو یا صاحبِ امر ہو ان کا ادراک محال۔
جو کچھ اِن کے متعلق تحریر کیا جا چکا ہے یا قیامت تک تحریر کیا جائے گا۔
سب عقل کے تحت ہوگا جو مخلوق ہے۔ اور اپنے غیر جنسِ امر سے
الگ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی جو بچپن
سے ہی شرفِ صحبت سے مشرّف تھے فرماتے ہیں کہ میں راتوں کو
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں اس گمان سے حاضر ہوتا کہ
آپ عبادت میں مشغول ہوں گے لیکن میں اُن کو آرام فرماتے پاتا اور
اگر میں اس گمان سے جاتا کہ آپ آرام فرماتے ہوں گے تو میں آپ کو نوافل
میں مشغول دیکھتا۔ یعنی ہر دفعہ میرے گمان کے برعکس ہوتا (مشکوٰۃ شریف)
صورتِ امر صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین اولی الامر حضرات کا بھی یہی
حال ہے۔ اِن کے عمل کی دنیا ہماری تمہاری دنیا سے جدا ہوتی ہے۔
ہماری نیکیاں ان کی بدیاں اور اُن کی بدیاں ہماری نیکیاں۔ کتنی حدِ فاصل
ہے۔ جو ان کے لئے جائز ہمارے لئے ناجائز اور جو ہمارے لئے مباح
اُن کے نزدیک مکروہ۔ ہاں وُہ دائرہ نزولی میں تشریف فرما ہو کر
عوام الناس کے لئے حجّت بنتے ہیں۔ اور اپنے اعمال کے پرتو سے
اُنہیں بلندیاں عطا فرماتے ہیں۔

قبلہ حضرت صاحبؒ خود مثال بیان فرمایا کرتے تھے کہ بی۔ اے
اور ایم۔ اے کی تعلیمی اسناد رکھنے والے استاد اپنے شاگردوں
کی تعلیم کے لئے اپنے معیار سے نیچے اُتر کر اُن کے ساتھ ملتے اور انہیں
اوپر لے جاتے ہیں۔ اِس طرح عرش پر مصلے ڈال کر نماز پڑھنے والے
اور یہاں سے وضو کر کے حرم پاک میں نماز ادا کرنے والے ہماری دستگیری
کے لئے ہم جیسے اعمال بھی کرتے ہیں جو ظاہری شریعت پر پورے اُترتے ہیں
میرا روئے قلم قبلہ حضرت صاحبؒ کے انہیں اعمالِ حسنہ کی طرف ہوگا۔

شب زندہ داری :۔ حضر میں تو اتنے مواقع میسّر نہ ہو سکے لیکن آپ کی معیت میں جب بھی سفر کیا۔ میں نے ان راتوں میں قبلہ حضرت صاحبؒ کو اپنی خواب گاہ سے علیحدہ پایا۔ کافی رات گئی آپ نماز عشاء ادا فرماتے حضر میں ہوں یا سفر میں۔ کبھی کبھی نماز عشاء کے بعد مسائل بھی بیان فرماتے ۔ سونے سے پہلے کوئی دوست اپنی سعادت حاصل کرنے کے لئے آپ کے جسد اقدس کو بھی دباتا ۔ دوست دبا رہا ہے اور آپ لیٹے لیٹے خرّاٹے بھر رہے ہیں ۔ آخر فرماتے کہ آرام کرو۔ دوست اپنی اپنی جگہ آرام کے لئے جاتے اور یہ صاحبِ امر وضو فرما کر اپنے رب کے حضور کھڑے ہو جاتے ۔ وہاڑی کی فیکٹری کے کھلے کھلے میدانوں میں جو فرش کئے ہوئے تھے ۔ میں نے کسی گرمیوں کی رات میں دیکھا کہ آپ اپنی آرام گاہ سے علیحدہ مصلے پر کھڑے ہیں۔ میں دُور سے اپنی چارپائی پر لیٹا آپ کو دیکھ رہا تھا دل نے کہا کہ جب تک رکوع نہ جائیں سونا نہیں آخر نیند نے غلبہ کیا اور آپ کو قیام میں ہی چھوڑے مجھے نیند آ گئی ۔ خبر نہیں کتنی دیر نیند رہی۔ پھر جب کروٹ بدلی تو آپ کو سجدہ میں پایا۔ پھر دل نے مشورہ دیا کہ سجدہ کی مدت تو دیکھ لو۔ کچھ دیر انتظار کیا میں پھر سو گیا اور آپ ابھی سجدہ میں ہی ہیں۔ صبح کی آذانوں پر جاگا تو قبلہ حضرت صاحبؒ کو تشہّد کی حالت میں پایا۔ اللہ کا شیر اپنی روحانی وجاہت سے تمام عالم پر چھایا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ آپ کو اس کیفیت میں دیکھکر کبھی کثرتِ نوافل والی حدیث شریف یاد آ رہی تھی کبھی توفیق من جانب اللہ کا باب کھُل رہا تھا۔ سب کچھ رکھتے ہوئے اپنے رب کا شکر گزار بندہ ہمیں تعلیم دے رہا تھا کہ میری پیروی کرو صورتِ امر صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہو جائیگی جس کے نتیجہ میں حقیقت امر آپ سے محبت کریگی ۔

کتابوں کی تصنیف کے بارے میں خود فرمایا کرتے کہ اُن کا مسودہ طیار

کرنے کے لئے میرے پاس صرف ایک آدھ گھنٹہ فجر سے پہلے کا ہوتا ہے۔ چار پانچ پنسلیں گھڑ کر رکھ لیتا ہوں ایک کے ختم ہونے پر دوسری شروع کر دیتا ہوں تاکہ تسلسل قائم رہے نمازِ فجر کے بعد آپ کا معمول تھا کہ بستر پر تھوڑا سا آرام فرماتے۔ بہت سے دوستوں کو شاید یہ معلوم نہ ہوگا کہ آپ نمازِ فجر کے بعد آرام فرماتے وقت اپنے اوپر موسم کے مطابق کپڑا اوڑھ لیتے اور ایک بہت باریک دانوں والی تسبیح جو عموماً سفر میں بھی ساتھ رکھتے پھیرا کرتے۔ مجھے یہ کب معلوم ہونا تھا۔ ایک دفعہ سفر میں آپ نے مجھ سے پوچھا کہ کیا تیرے پاس کوئی تسبیح ہے ہمیں آتے وقت تھیلا میں تسبیح رکھنی یاد نہیں رہی۔ میں نے عرض کیا کہ قبلہ یہ سنت تو میں نے کبھی بھی ادا نہیں کی آپ مسکرائے اور فرمایا کہ نہیں صبح کے وقت مجھے اس کی ضرورت پڑتی ہے۔ صبح ناشتہ وغیرہ سے فارغ ہو کر آپ وہی سفید عمامہ زیبِ سر کئے جس کا ذکر کہیں پہلے آچکا ہے ایک نرالی سج دھج سے بالاخانہ کی سیڑھیوں سے آہستہ آہستہ ایک عجیب آہٹ سے نیچے اُتر رہے ہیں مشتاقانِ جمال پہلے ہی سے بیٹھک میں موجود ہیں۔ کانوں نے آہٹ کا انداز پہچان لیا خدائی مسکراتی نمودار ہوئی۔ سب کے سب استقبال کے لئے کھڑے ہیں۔ حاضرین میں سے ہر ایک شرف مصافحہ لیتا ہے۔ آپ بڑی طمانیت سے لبوں میں ہی مسکراتے تخت پوش پر تشریف فرما ہیں۔ دربار لگ گیا اور خلقِ خدا کی بگڑیاں بلنی شروع ہو گئیں۔

ہر طرح کے لوگ آتے جاتے ہیں۔ یہ ایک طویل مضمون ہے۔ اجمالاً کہیں پہلے تحریر کر چکا ہوں۔ رجوع فرمائیں۔ یہ دربار کوئی بارہ ایک بجے دوپہر تک رہتا۔ دوپہر کے کھانے کے بعد قیلولہ فرماتے مجھے ایک واقعہ یاد آگیا۔ ایک روز گرمیوں میں آپ دوپہر کے وقت

بلیٹھک میں ہی آرام فرما رہے تھے - دروازے بند تھے تاکہ روشنی کم آئے - میں پاؤں دبا رہا تھا - عین آپ کے آرام کے وقت ایک سائل نے دروازہ کھٹکھٹایا - اسے اندر آنے کی اجازت ملی - اس نے جو بات کہنی تھی کہی اور چلا گیا - میں نے عرض کیا کہ سرکار - کیا ہی اچھا ہو اگر آپ بھی مولانا مودودی کی طرح بیٹھک کے باہر اوقاتِ ملاقات کا ایک بورڈ لگا رکھیں تاکہ آرام کے وقت کوئی مخل نہ ہو - فرمانے لگے کہ یوسف صاحب بات تو ٹھیک ہے - اللہ عزوجل نے بھی پردے کے اوقات کا ذکر فرمایا ہے - لیکن کیا کریں فقیر کا درجو ہوا - یہ کسی وقت بھی بند نہیں رہنا چاہیے - درویش معمور ہوتا ہے - ہمارے ذریعہ سے کسی سائل کی طلب حاصل ہو جائے تو کیا حرج - سبحان اللہ - یہ تھی آپ کی بلندئ خاطر داری -

نمازِ ظہر آپ عموماً بالاخانہ میں ہی ادا فرماتے - دوسری مجلس کا آغاز نمازِ ظہر کے بعد ہوتا اور عشاء تک رہتا - اس مجلس میں زیادہ تر دفتری لوگ ہوتے جو اپنے اپنے کاموں سے فارغ ہو کر صحبت کا شرف حاصل کرتے - اس مجلس میں بھی وہی قال اللہ و قال الرسول کا سودا بکتا - ساتھ ساتھ دنیوی امور کا بھی حل فرماتے جاتے -

فہرست احباب

چند دوستوں نے مشورہ دیا ہے کہ اس کتاب کے اختتام پر میں ہر اُس دوست کا نام و مختصر پتہ بھی لکھ دوں جس کو قبلہ حضرت صاحبؒ سے عقیدت تھی - مریدی کا دعویٰ تو ایک بڑا دعویٰ ہے - اس لئے لفظ "عقیدت" استعمال کیا گیا ہے - دیکھا گیا ہے کہ زمانہ سلف کے

بزرگوں کے حالات میں اس پہلو کی کمی ہے۔ آج کون بتائے کہ حضرت داتا گنج بخش ہجویری ثم لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے کتنے مرید تھے۔ اُن کا نام کیا تھا اور وُہ کہاں کے رہنے والے تھے۔ حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ قادری لاہوری کے کون کون سے عقیدت مند تھے۔ مجھے بتایا گیا کہ اس طرح ناموں کی تحریر سے ممکن ہے کہ اس گئے گزرے زمانہ میں جو دن بدن پستی کی طرف جا رہا ہے کوئی شخص اپنے آبا و اجداد کا نام ان عقیدت مندوں کی فہرست میں پڑھ لے۔ اللہ عزوجل کی رحمت اس کے شامل حال ہو جائے اور وُہ راست و صحیح العقیدگی کی طرف مائل ہو۔ اور اپنی آبائی نسبت کا ہی دھیان کر کے اپنے عقیدہ کی دُرستگی کر لے۔ اجتماع ضدین کے پیش نظر فہرست کو کوئی خاص ترتیب نہیں دی گئی جیسے جیسے مجھے میرے مختصر سے کتب خانہ سے یہ نام میسر ہوئے میں نے لکھ دئیے۔ اُن حضرات سے اور تمام کی تمام عورتوں سے جن کے نام فہرست میں درج نہیں ہیں معذرت خواہ ہوں مجھے یاد آ گیا ایک دفعہ قبلہ حضرت صاحبؒ نے اپنے کسی سالانہ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریب پر رات کو وعظ شریف میں فرمایا تھا کہ میری یہ دلی تمنا ہے کہ میرا ہر دوست علیحدہ ایک قوم کا سردار ہو۔ جس میں وُہ تبلیغ و اشاعت کا کام برضائے الٰہی سرانجام دے سکے خط کشیدہ نام منصب خلافت بھی رکھتے ہیں۔ جن کا ذکر کہیں پہلے آ چکا ہے۔

نام و مختصر پتہ	نام و مختصر پتہ
۱:۔ شاہ محمدؐ صاحب مغلپورہ کانونی لاہور۔	۲:۔ دین محمدؐ صاحب دھرمپورہ لاہور
۳:۔ علاؤالدین صاحب سمن آباد لاہور۔	۴:۔ محمد انور صاحب بلال گنج لاہور۔
۵:۔ ملک ظہور دین صاحب اچھرہ لاہور۔	۶:۔ خواجہ قمر دین صاحب سید مٹھا لاہور

نام و مختصر پتہ

۷:۔ میاں جلال دین صاحب سید مٹھا لاہور۔ ۸:۔ غلام مصطفےٰ صاحب سید مٹھا لاہور۔ ۹:۔ غلام حسین صاحب سید مٹھا لاہور ۱۰:۔ نثار احمد صاحب سید مٹھا لاہور۔ ۱۱:۔ عزیز خاں صاحب سید مٹھا لاہور۔ ۱۲:۔ مرزا غلام محی الدین صاحب سید مٹھا لاہور ۱۳:۔ معراج دین صاحب۔ ریٹائرڈ پولیس آفیسر۔ ۱۴: محمد حنیف صاحب۔ اردو اکیڈیمی لاہور۔ ۱۵:۔ محمد اشرف صاحب عطا زمیندار اخبار لاہور۔ ۱۶:۔ صوفی قمر دین صاحب انارکلی لاہور ۱۷:۔ ملک محمد مظفر صاحب۔ کوچہ ککے زیاں لاہور۔ ۱۸:۔ حاجی مراتب علی صاحب۔ اندرون دہلی دروازہ لاہور۔ ۱۹:۔ مولوی محمد نذیر صاحب اندرون دہلی دروازہ لاہور۔ ۲۰:۔ شیخ محمد سلیم صاحب اندرون دہلی دروازہ لاہور۔ ۲۱:۔ چوہدری امام دین صاحب مسجد وزیر خاں لاہور۔ ۲۲:۔ چوہدری محمد نذیر صاحب (B.A.L.L.B) ماڈل ٹاؤن لاہور۔ ۲۳۔ سید عبدالسلام شاہ صاحب۔ نبی پور لاہور۔ ۲۴:۔ میاں رشید الدین صاحب سپرنٹنڈنٹ کواپریٹو یونین لاہور۔ ۲۵:۔ محمد بوٹا سمسانی لاہور ۲۶:۔ چوہدری غلام رسول سمسانی لاہور۔ ۲۷:۔ چوہدری محمد یوسف سمسانی لاہور۔ ۲۸:۔ حاجی معراج دین صاحب۔ سمسانی لاہور ۲۹:۔ مستری غلام محی الدین صاحب ریلوے لاہور۔ ۳۰:۔ سید جمیل احمد صاحب ریلوے لاہور۔ ۳۱:۔ سید ریاض الدین صاحب مزنگ لاہور ۳۲:۔ صوفی احمد دین صاحب مزنگ لاہور۔ ۳۳:۔ میاں علین دین صاحب مزنگ لاہور۔ ۳۴:۔ محمد شریف صاحب مزنگ لاہور ۳۵:۔ ملک عبدالرشید صاحب۔ ایس۔ ڈی۔ او لاہور۔ ۳۶۔ سید شریف حسین شاہ صاحب مزنگ لاہور۔ ۳۷:۔ حکیم مودود صاحب مزنگ لاہور

نام و مختصر پتہ

۳۸ :۔ صوفی فیروز دین صاحب مزنگ لاہور۔ ۳۹ :۔ چوہدری محمد بشیر صاحب چوبرجی کوارٹرز لاہور۔ ۴۰ :۔ چوہدری عبدالحق ماڈل ٹاؤن لاہور ۴۱ :۔ ڈاکٹر نذیر احمد صاحب مزنگ لاہور۔ ۴۲ :۔ ملک محمد اکبر سلطان ہائی کورٹ لاہور۔ ۴۳ :۔ حکیم فصیح دین صاحب۔ الحکیم لاہور ۴۴ :۔ میاں محمد رمضان صاحب زمزم۔ لاہور۔ ۴۵ : گل محمد صاحب مزنگ لاہور۔ ۴۶ :۔ شیخ عبدالرحیم صاحب۔ رٹیائرڈ اوورسیر لاہور ۴۷ :۔ قاضی عبدالرشید صاحب قلعہ گوجر سنگھ لاہور۔ ۴۸ :۔ بابو عبدالرحیم صاحب قلعہ گوجر سنگھ لاہور۔ ۴۹ :۔ چوہدری شاہ علی۔ کرشن نگر لاہور ۵۰ :۔ مستری گلزار محمد۔ ریلوے لاہور۔ ۵۱ :۔ میاں عبداللطیف صاحب جج۔ بالمقابل گوردوارہ مزنگ۔ ۵۲ :۔ مستری رحمت اللہ کوٹلوی۔ ریلوے ۵۳ :۔ عبدالعزیز صاحب کمہار پورہ لاہور۔ ۵۴ :۔ محمد اکرم صاحب کمہار پورہ لاہور۔ ۵۵ :۔ عبدالمجید چارج مین کمہار پورہ لاہور ۵۶ عطا الٰہی۔ گلی نمبر ۴۴۔ لاہور چھاؤنی۔ ۵۷ :۔ فضل الرحمٰن صاحب سب ہیڈ۔ ریلوے ورکشاپ۔ ۵۸ :۔ شیخ عبدالمجید صاحب انجنیئر لاہور ۵۹ :۔ چوہدری محمد حسین صاحب باجوہ۔ ایس۔ ڈی۔ او۔ نہر۔ میانوالی ۶۰ :۔ سید شریف دین صاحب نسبت روڈ لاہور۔ ۶۱ :۔ سید عبدالخالق صاحب نسبت روڈ لاہور۔ ۶۲ :۔ عبدالغنی چارج مین لوکو شاپ۔ ۶۳ :۔ چوہدری شاہ محمد وکیل سمسانی لاہور۔ ۶۴۔ سید نذیر عالم۔ پولیس ٹمپل روڈ لاہور۔ ۶۵ :۔ ملک عبدالحمید۔ ایس ڈی۔ او۔ لاہور۔ ۶۶ :۔ میاں سراج دین جراح۔ حویلی میاں خان لاہور ۶۷ :۔ خواجہ محمد سعید۔ پاک جنرل سٹور ٹمپل روڈ لاہور۔ ۶۸ :۔ مستری عبدالرحمٰن رنگ ساز۔ مزنگ لاہور۔ ۶۹ :۔ میاں عبدالستار۔ مال افسر راولپنڈی

نام و مختصر پتہ

۷۰ :۔ مستری محمد اسماعیل ۔ پریم گلی ۔ لاہور ۔ ۷۱ :۔ بابا غلام محمد پریم گلی ۔ لاہور ۔ ۷۲ : ۔چوہدری غلام حیدر ۔ ڈپٹی رجسٹرار کوآپریٹیوز لاہور ۷۳ :۔ پروفیسر علم الدین سالک ۔ اسلامیہ کالج لاہور ۔ ۷۴ :۔ مولوی احمد سعید صاحب ۔ کوٹ بھٹیاں ضلع گوجرانوالہ ۔ ۷۵ :۔ نثار احمد صاحب ۔ محکمہ آثار قدیمہ لاہور ۔ ۷۶ :۔ شیخ نجم الدین صاحب اکوئنس آفیسر اے ۔ جی ۔ لاہور ۔ ۷۷ :۔ ریاض احمد صاحب ۔ پی ۔ ڈبلیو ۔ ڈی کلرک لاہور ۔ ۷۸ :۔ محمد ابراہیم صاحب ۔ لوکو شاپ مغلپورہ لاہور ۷۹ :۔ محمد سرور ڈرافٹس مین ۔ گڑھی شاہو لاہور ۔ ۸۰ :۔ اکرام السلام کلرک کیرج شاپ مغلپورہ ۔ ۸۱ :۔ مستری عطا محمد ۔ نزد ل بازار مزنگ ۸۲ :۔ محمد عالم ۔ انسپکٹر لوکو شاپ مغلپورہ ۔ ۸۳ :۔ مولوی محمد عبد اللہ قریشی ۔ کوچہ کماں گراں لاہور ۔ ۸۴ :۔ محمد اسمٰعیل صاحب کلرک کیرج شاپ مغلپورہ ۔ ۸۵ :۔ یٰس خان دھرمپورہ لاہور ۔ ۸۶ :۔ فیض محمد خان کلرک لوکو ملٹرائٹ شاپ ۔ ۸۷ :۔ سردار محمد ٹرنر ۔ لوکو شاپ مغلپورہ ۸۸ :۔ عبد الحمید کیرج شاپ مغلپورہ ۔ ۸۹ :۔ عزیز دین صراف بزاز ہٹہ لاہور ۔ ۹۰ :۔ محمد اشرف ۔ ہوائی اڈہ ۔ لاہور ۔ ۹۱ :۔ میاں عبد الصمد ۔ ماڈل ٹاؤن ۔ لاہور ۔ ۹۲ :۔ علین دین مزنگ لاہور ۔ ۹۳ ۔ سائیں رحیم بخش ۔ حال مجاور ہنجروال شریف ۔ ۹۴ :۔ فضل الرحمٰن ٹھیکیدار ہوائی اڈہ لاہور ۔ ۹۵ :۔ فیض احمد دوکان دار ۔ باغبانپورہ لاہور ۹۶ :۔ صوفی عبد الکریم ۔ سمن آباد ۔ لاہور ۔ ۹۷ :۔ قاضی عبد الرشید قلعہ گوجر سنگھ لاہور ۔ ۹۸ :۔ محمد اشرف ۔ چاہ چھوانڑہ مزنگ لاہور ۹۹ :۔ چوہدری ولی محمد ۔ ماڈل ٹاؤن لاہور ۔ ۱۰۰ ۔ چوہدری نیاز احمد ماڈل ٹاؤن لاہور ۔ ۱۰۱ :۔ حبیب خان ۔ آر ۔ ایم ۔ ایس لاہور

نام و مختصر پتہ

۱۰۲:۔ محمد شریف فٹر ۔ لوکو شاپ مغلپورہ ۔۱۰۳:۔ محمد سرور خان روہیلہ ۔ ڈرائنگ آفس ریلوے لاہور ۔۱۰۴:۔ مبارک علی پھرالہ ۔ ضلع لائل پور ۔۱۰۵:۔ سیّد ممتاز حسین ۔ آر ۔ سی ۔ اے خانیوال ۔۱۰۶ محمد جمیل فیکٹری انچارج ۔ وہاڑی ۔۱۰۷:۔ غازی سید سراج احمد کلرک مغلپورہ ورکشاپ ۔۱۰۸:۔ عبد الغنی ۔ کلرک ۔ کیرج شاپ مغلپورہ ۱۰۹:۔ حسین علی ۔ اے ۔ ٹی ۔ سکے ۔ کیرج شاپ ۔۱۱۰:۔ چوہدری محمد صادق پٹواری ۔ دفتر لاٹ صاحب لاہور ۔ ۱۱۱:۔ چوہدری غلام رسول ۔ چمن ۱۱۲:۔ شیخ ناصر لطیف گیٹ سارجنٹ کیرج ۔۱۱۳:۔ غلام سرور فادر سٹریٹ سبزی منڈی ۔ لاہور ۔۱۱۴:۔ عبد الحمید قریشی ۔ محلہ جوگیاں ۔ جہلم ۱۱۵:۔ شیخ عزیز احمد قریشی ایم ۔ اے مزنگ لاہور ۔۱۱۶:۔ چوہدری عبد الحمید خان اے ڈبلیو آئی سندھ ۔۱۱۷:۔ ماسٹر باغ علی مدرس ۔ کوٹر بلا ۔ ضلع راولپنڈی ۱۱۸:۔ ڈاکٹر مفتی امانت علی صاحب ڈسپنسر قلعہ گوجر سنگھ ۔۱۱۹ صوفی عبد الرحمٰن ہرنام سنگھ بلڈنگ قلعہ گوجر سنگھ ۔۱۲۰:۔ شیخ سجاد حیدر وسن پورہ لاہور ۔ ۱۲۱:۔ چوہدری نواب دین ننکانہ صاحب ضلع شیخوپورہ ۱۲۲:۔ حاجی شاہ محمد صاحب چمن بلوچستان ۔۱۲۳:۔ منشی محمد اسماعیل صاحب ۔ ملٹری فارم اوکاڑہ ۔۱۲۴:۔ محمد ابراہیم ٹھیکیدار ڈوکر ۔ لاڑکانہ ۱۲۵:۔ عبد الرحمٰن خان ۔ حیدر آباد سندھ ۔۱۲۶:۔ نذیر احمد خان حیدر آباد سندھ ۱۲۷:۔ عبد الرحمٰن II ۔ حیدر آباد سندھ ۔۱۲۸:۔ خادم محی الدین جوئنٹ بورڈ ڈھاکہ ۔ ۱۲۹:۔ مرزا محمد رفیق ۔ کامران ٹرانسپورٹ قادرہ آباد ۱۳۰:۔ شیخ محمد عمر صاحب ۔ بہاولپور ۔۱۳۱:۔ شیخ محمد صادق بہاولپور ۔۱۳۲ شیخ حافظ محمد رفیق بہاول پور ۔۱۳۳:۔ بابو غلام جیلانی ثریا منزل بہاولپور ۔۱۳۴:۔ حکیم محمد یوسف صاحب خطیب جامع مسجد نور طارق آباد لائلپور

نام و مختصر پتہ

۱۳۵:۔ چوہدری عبدالحلیم ۔ پی ۔ ڈبلیو ۔ آئی اوکاڑہ ۔ ۱۳۶:۔ ڈاکٹر یعقوب علی خان ۔ سکھر ۔ ۱۳۷:۔ ملک احمد خان ۔ ڈپٹی ڈائرکٹر ۔ ملتان ۱۳۸:۔ عنائت اللہ نیا چوک دادو ۔ ۱۳۹:۔ چوہدری محمد شفیع ۔ پی ۔ ڈبلیو آئی کوٹری سندھ ۔ ۱۴۰:۔ چوہدری محمد نذیر حیدرآباد سندھ ۔ ۱۴۱ ایس اے ۔ رؤف ۔ گوردن مارکیٹ کراچی ۔ ۱۴۲:۔ چوہدری حاتم علی مہتہ روڈ کراچی ۔ ۱۴۳:۔ ڈاکٹر سرور محمود سول ہسپتال پاکپتن ۔ ۱۴۴ شیخ محمد اقبال صاحب محلہ کوٹ رکن دین قصور ۔ ۱۴۵ ۔ شیخ حبیب الرحمٰن اوورسیر ۔ پنج نند ۔ ڈیرہ نواب صاحب ۔ ۱۴۶ ۔ ماسٹر جلال دین ۔ منڈی بوریوالہ ۔ ۱۴۷:۔ مسٹر حفیظ احمد ڈھاکہ ۔ ۱۴۸ چوہدری محمد اقبال حمید کراچی ۔ ۱۴۹:۔ چوہدری محمد صدیق رئیس بٹہ سلطانپور ۱۵۰:۔ ماسٹر غلام رسول دوکاندار سلطان پور ۔ ۱۵۱:۔ چوہدری علی احمد گوجرہ سلطان پور ۔ ۱۵۲:۔ میاں روشن دین ۔ لاسکھوٹیہ سلطانپور ۔ ۱۵۳ چوہدری عبدالرحمٰن منشی دادو سندھ ۔ ۱۵۴:۔ چوہدری خیر دین رئیس دادو سندھ ۔ ۱۵۵:۔ چوہدری بشیر الدین دادو سندھ ۔ ۱۵۶ شیخ عبدالغفور سپرنٹنڈنٹ ڈسٹرکٹ جیل لاہور ۔ ۱۵۷:۔ بابو محمد اشرف اے ۔ ایس ۔ ایم سمہ سٹہ ۔ ۱۵۸:۔ فضل محمد ۔ کوٹری سندھ ۔ ۱۵۹ حاجی محمد دین اظہر ۔ منیجر لائل پور ۔ ۱۶۰:۔ چوہدری محمد حنیف ۔ ایس ۔ ڈی ۔ او مظفر گڑھ ۔ ۱۶۱:۔ عبدالقدیر خان ۔ خزانچی ۔ وہاڑی ۔ ۱۶۲:۔ چوہدری محمد صادق فورمین واہ فیکٹری ۔ ۱۶۳:۔ چوہدری علی احمد سیب پلیڈر بنوں ۔ ۱۶۴ ۔ عبدالحفیظ چوہدری ۔ اندر سنگھ بلڈنگ گوالمنڈی راولپنڈی ۔ ۱۶۵ ۔ میاں رحیم بخش ۔ ای ۔ او ۔ ڈبلیو کنڈیاں ۔ ۱۶۶:۔ ڈاکٹر محمد اسماعیل ایم ۔ بی ۔ بی ۔ ایس ۔ ڈیرہ غازی خان ۔ ۱۶۷:۔ شیخ احمد دین ۔ سپرنٹنڈنٹ جیل جہلم ۔

نام و مختصر پتہ

۱۶۸:۔ ڈاکٹر عبد الرحمن کوٹلی لوہاراں ۔ ۱۶۹:۔ وجیہہ اللہ عرفانی ۔ مدیر نوائے وقت ۔ ۱۷۰:۔ مرزا اکبر علی ۔ ملٹری اکاؤنٹس راولپنڈی ۔ ۱۷۱ شیخ محمد آمین ۔ پی ۔ ڈبلیو ۔ آئی ۔ وزیر آباد ۔ ۱۷۲:۔ چوہدری علی احمد ایچ ۔ ڈی ۔ سی ۔ گوجرانوالہ ۔ ۱۷۳:۔ شیخ عبد الواحد شامی ۔ رام بازار فضل سینما راولپنڈی ۔ ۱۷۴:۔ ایم اللہ بخش فوجی ۔ ۱۷۵:۔ قاضی محمد سرور کورٹ انسپکٹر پولیس لائن سرگودھا ۔ ۱۷۶:۔ مولوی محمد مظفر صاحب سٹور کیپر جہلم ۔ ۱۷۷:۔ محمد رمضان تھرڈ بال فیکٹری جھنگ ۔ ۱۷۸:۔ ڈاکٹر مشتاق صاحب ۔ ایم ۔ بی ۔ بی ۔ ایس ۔ سول ڈسپنسری لاہور ۔ ۱۷۹ خاور صاحب ۔ گیمز انسپکٹر جہلم ۔ ۱۸۰:۔ راجہ عدالت خان ، تحصیلدار بھکر ۔ ۱۸۱:۔ معراج الدین ۔ گوجرانوالہ ۔ ۱۸۲: علم دین صاحب جہانیاں ۱۸۳:۔ مولوی محمد علی ۔ چک نمبر ۱۶۸ ۔ ضلع منٹگمری ۔ ۱۸۴:۔ ماسٹر فتح علی صاحب ۔ پکّا انّا ۔ ۱۸۵:۔ حاجی نظام دین چک ۳۲۵ ۔ بوریوالہ ۱۸۶:۔ چوہدری امتیاز علی ۔ ڈپٹی کمشنر محکمہ ٹیکسیشن ۔ ۱۸۷:۔ مولوی غلام نبی صاحب امام مسجد گوجرہ منڈی ۔ ۱۸۸:۔ چوہدری محمد علی چک نمبر ۲۶ ٹوبہ ٹیک سنگھ ۔ ۱۸۹:۔ مولوی وارث علی ۔ پورہ ہیراں سیالکوٹ ۱۹۰:۔ چوہدری عبد العزیز صاحب اگریکلچر کالج لائل پور ۔ ۱۹۱:۔ میر اکرم محمود کورٹ انسپکٹر راولپنڈی ۔ ۱۹۲:۔ سید خورشید احمد محلہ طارق آباد لائل پور ۔ ۱۹۳:۔ سید عبد المجید محلہ طارق آباد لائل پور ۱۹۴:۔ منیر الٰہی کاتب محلہ طارق آباد لائل پور ۔ ۱۹۵: شیخ ایم محمود ٹرین کلرک لائل پور ۔ ۱۹۶:۔ شیخ سراج الحق ۔ ڈپٹی کسٹوڈین سیالکوٹ ۱۹۷:۔ خواجہ منظور حسین حلوائی سانگلہ ہل ۔ ۱۹۸ ۔ میاں محمد شفیع ۔ پی ۔ سی ۔ ایس ڈسٹرکٹ کورٹ شیخوپورہ ۔ ۱۹۹:۔ چوہدری محمد صدیق ۔ ڈگلس پورہ لائل پور ۔

نام و مختصر پتہ

۲۰۰:۔ چوہدری شاہ محمد ڈگلس پورہ لائل پور۔ ۲۰۱:۔ مولوی عبد الاحد امام مسجد مائی لاڈو لاہور۔ ۲۰۲:۔ شیر محمد۔ چک نمبر ۱۳۲ ۔ منڈی بوریوالہ ۲۰۳:۔ خوشی محمد چک نمبر ۱۱۸ منڈی بوریوالہ۔ ۲۰۴:۔ چوہدری غلام احمد خان نائب تحصیلدار ظفروال۔ ۲۰۵:۔ صوفی محمد رمضان خان اکاونٹس انسپکٹر خانیوال ۲۰۶:۔ چوہدری طالب حسین جنرل مرچینٹ جہانیاں۔ ۲۰۷:۔ میر عبد المجید ای۔ پی۔ ریلوے چھانگا مانگا۔ ۲۰۸:۔ محمد اسماعیل پھرالہ ضلع لائلپور ۲۰۹:۔ چوہدری محمد یعقوب نائب تحصیلدار گوجرانوالہ۔ ۲۱۰:۔ چوہدری محمد حسین کانسٹیبل گوجرانوالہ۔ ۲۱۱:۔ محمد سعید منیجر ٹرانسپورٹ کمپنی میانوالی۔ ۲۱۲:۔ صوفی اکمل الرحمن۔ ملک وال۔ ۲۱۳:۔ مسٹر فیاض احمد۔ ای۔ او۔ ڈبلیو کوہاٹ ۲۱۴:۔ سردار محمد چک نمبر ۱۱۸ منڈی بوریوالہ۔ ۲۱۵:۔ محمد دین چک نمبر ۱۱۸ منڈی بوریوالہ۔ ۲۱۶:۔ جمال دین چک نمبر ۱۱۸ منڈی بوریوالہ۔ ۲۱۷ غلام رسول چک نمبر ۱۱۸ منڈی بوریوالہ۔ ۲۱۸:۔ ماسٹر اللہ دتا چک نمبر ۱۱۸ منڈی بوریوالہ۔ ۲۱۹:۔ فتح محمد چک نمبر ۱۳۲ منڈی بوریوالہ۔ ۲۲۰۔ غلام محمد چک نمبر ۱۳۲ منڈی بوریوالہ۔ ۲۲۱:۔ محمد دین چک نمبر ۳۲۵ منڈی بوریوالہ۔ ۲۲۲:۔ فضل دین چک نمبر ۳۲۵ منڈی بوریوالہ ۲۲۳:۔ چوہدری رحمت اللہ۔ طارق آباد لائل پور۔ ۲۲۴:۔ ماسٹر احمد مسعود ہائی سکول چونیاں۔ ۲۲۵:۔ فرزند علی ترنڈہ سوائے خاں ضلع رحیم یار خان۔ ۲۲۶:۔ عبد الرحمن صاحب۔ کراچی۔ ۲۲۷:۔ چوہدری کرم علی صاحب منیجر خانیوال ۲۲۸:۔ ڈاکٹر بشیر احمد صاحب مانگا منڈی ضلع لاہور۔ ۲۲۹:۔ عبد الغنی سٹور مین۔ ہیڈ کوارٹر لاہور۔ ۲۳۰:۔ چوہدری محمد رفیق ڈھابان سنگھ۔ ۲۳۱:۔ چوہدری حاجی یوسف علی گڑھی شاہو لاہور۔ ۲۳۲:۔ نذیر احمد قریشی۔ ای۔ او۔ ڈبلیو جہلم۔ ۲۳۳:۔ عبد الخالق قریشی فوجی جمعدار

۲۳۴ :۔ مولوی عبدالکریم صاحب امام مسجد چک نمبر ۲۰۹ ٹوبہ ٹیک سنگھ
۲۳۵ :۔ ملک نجم دین صاحب چمن بلوچستان ۔ ۲۳۶ :۔ ملک محمد اسماعیل
صاحب ۔ چمن بلوچستان ۔ ۲۳۷ :۔ فخر دین اینڈ سنز ہیٹ میکر کراچی
۲۳۸ :۔ بابو اللہ رکھا سنز اکاؤنٹنٹ خانیوال ۔ ۲۳۹ :۔ سید عباس علی شاہ
خانیوال ۔ ۲۴۰ :۔ محبوب علی دفتری سپنسر کمپنی لاہور ۔ ۲۴۱ :۔ محمد شفیع
چک نمبر ۱۱۸ منڈی بوریوالہ ۔ ۲۴۲ :۔ عبدالحمید چک نمبر ۱۱۸ منڈی بوریوالہ ۔
۲۴۳ :۔ مفتی لبیب الرحمٰن رائس ٹریڈر کاموں کی ضلع گوجرانوالہ ۔
۲۴۴ :۔ سید حسن جہانگیر طارق ہمدانی ۔ اکال گڑھ ضلع گوجرانوالہ ۔
۲۴۵ :۔ چوہدری شبیر حسین اقبال ۔ اکال گڑھ ضلع گوجرانوالہ ۔ ۲۴۶ :۔
محمد محبوب الٰہی انجینئر انجمن اصلاح مسلمین چونیاں ۔ ۲۴۷ :۔ نذیر حسین جاوید
چوک گوالمنڈی ۔ لاہور ۔ ۲۴۸ :۔ ظفر عالم گل باغ شاہ ۔ اکال گڑھ گوجرانوالہ
۲۴۹ :۔ حافظ محمد حسین ۔ تکیہ شاہ مرد ۔ ضلع جہلم ۔ ۲۵۰ :۔ محمد اشرف بھیری خورد
ضلع سیالکوٹ ۔ ۲۵۱ :۔ محمد یعقوب چک نمبر ۳۷۶ ٹوبہ ٹیک سنگھ ۔ ۲۵۲ :۔
مولوی محمد یونس صاحب چک نمبر ۱۲ ۔ ای ۔ جی ۔ ضلع منٹگمری ۔ ۲۵۳ :۔
مولوی نور محمد صاحب خطیب قلعہ دیدار سنگھ گوجرانوالہ ۔ ۲۵۴ :۔
حاجی شہاب دین قلعہ دیدار سنگھ گوجرانوالہ ۔ ۲۵۵ :۔ منظور حسین تحصیلدار
حضوری باغ ملتان ۔ ۲۵۶ :۔ محمد امین کانجوں ۔ ایم ۔ ایل ۔ اے
کٹوریکا ضلع ملتان ۔ ۲۵۷ :۔ مولوی محمد یوسف امام مسجد ۔ محلہ خراسیاں
سیالکوٹ ۔ ۲۵۸ :۔ محمد ناصر علی گلشن آباد ۔ راولپنڈی ۔ ۲۵۹ :۔
امتیاز احمد اختر دفتر محکمۂ زراعت ضلع شیخوپورہ ۔ ۲۶۰ :۔ چوہدری عبدالقادر
گاندھی گارڈن کراچی ۔ ۲۶۱ :۔ خواجہ غلام حسین دین محمدی پریس میکلوڈ روڈ
کراچی ۔ ۲۶۲ :۔ ہز ایکسیلینسی شیخ دین محمد گورنر سندھ ۔ ۲۶۳ :۔ محمد افضل
محمد اسلم ۔ بہاولپور ۔ ۲۶۴ :۔ صادق کوٹلوی ۔ ریلوے روڈ راولپنڈی ۔

نام و مختصر پتہ

۲۶۵:۔ غلام رسول بھٹی ڈپٹی پوسٹ ماسٹر جنرل ڈھاکہ۔ ۲۶۶: عبدالرحمن انصاری کراچی۔ ۲۶۷:۔ ایم احسان باری جاوید۔ ڈگلس پورہ لائل پور ۲۶۸:۔ سید اقبال احمد شاہ۔ مدرس۔ لال سگھو میلسی۔ ۲۶۹: خان بہادر بشیر احمد۔ ٹمپل روڈ لاہور۔ ۲۷۰:۔ محمد صالح۔ موضع محمد پور ضلع رحیم یارخان ۲۷۱:۔ شیخ منور حسین۔ انفنٹری روڈ دھرم پورہ لاہور۔ ۲۷۲:۔ ابو مظفر محمد رمضان مولوی فاضل۔ لاہور چھاؤنی۔ ۲۷۳:۔ چوہدری عبدالخالق۔ بابر سٹریٹ گڑھی شاہو لاہور۔ ۲۷۴:۔ کیپٹن محمد رمضان اپل۔ اکال گڑھ لاہور۔ ۲۷۵: محمد یونس کنک منڈی مزنگ لاہور۔ ۲۷۶:۔ مولوی محمد اسلم۔ دیہاتی گھی سٹور موچی گیٹ لاہور۔ ۲۷۷:۔ شیر محمد سپرنٹنڈنٹ سول سکرٹیٹ۔ کوئٹہ بلوچستان۔ ۲۷۸:۔ محمد عزیز الحسن سعدی پارک مزنگ لاہور۔ ۲۷۹ قمر دین۔ فتح شیر روڈ مزنگ لاہور۔ ۲۸۰:۔ سید صفدر گیلانی ہیڈ ماسٹر گھونا امام دین ضلع لائل پور۔ ۲۸۱:۔ فتح محمد چک نمبر ۱۴۵۔ آدم صحابہ بہاول پور۔ ۲۸۲:۔ چوہدری عبدالغفور نمبر دار چک نمبر ۱۶۷ ضلع بہاولنگر ۲۸۳:۔ سکندر علی نمبر دار چک نمبر ۱۰۷ میلسی ملتان۔ ۲۸۴:۔ مرزا محمد رفیق پبلک ریلیشن ڈلہوزی روڈ راولپنڈی۔ ۲۸۵:۔ شیر محمد خان سیکب لائن کراچی۔ ۲۸۶:۔ سراج دین۔ سلام دین۔ سعدی پارک مزنگ لاہور ۲۸۷:۔ منشی محمد ابراہیم نوک کنڈی۔ بلوچستان۔ ۲۸۸:۔ محمد امین۔ نیروبی۔ افریقہ ۲۸۹:۔ مولوی عبدالقادر صدر جمعیت العلمائے پاکستان و خطیب جامع مسجد خانیوال۔ ۲۹۰:۔ مرزا عبدالرشید کوٹلی لوہاراں سیالکوٹ۔ ۲۹۱:۔ عزیز بخش صادق کوٹلی لوہاراں سیالکوٹ۔ ۲۹۲:۔ امیر الدین قدوائی ایڈووکیٹ لاہور۔ ۲۹۳ محمد یعقوب صاحب فتح گڑھ لاہور۔ ۲۹۴:۔ محمد رفیق دوکاندار بھرالہ۔ ضلع لائل پور۔ ۲۹۵:۔ عبدالغنی ڈرائیور۔ بھرالہ۔ ضلع لائل پور

نام و مختصر پتہ

۲۹۶:۔ محمد اقبال آئس فیکٹری چمن ۔ ۲۹۷:۔ محمد یوسف دھرمپورہ لاہور
۲۹۸:۔ مختار علی ۔ لوکو ٹائم آفس مغلپورہ ۔ ۲۹۹:۔ محمد صدیق اسٹیشن ماسٹر کراچی
۳۰۰:۔ محمد رمضان اسٹیشن ماسٹر سکھر ۔ ۳۰۱:۔ عبد الرشید ۔ ویگن ریپیر کیرج شاپ
۳۰۲:۔ منظور حسین کلرک ۔ دفتر لیبر واردن کیرج مغلپورہ ۔ ۳۰۳:۔ مولانا مہر دین
صاحب مدرس نعمانیہ ۔ ۳۰۴:۔ برکت علی بوائلر میکر لوکو شاپ مغلپورہ ۔ ۳۰۵
عبد الرشید ۔ ٹیکسٹائل ملز منڈی بوریوالہ ۔ عبد الغنی منڈی بوریوالہ ۔ ۳۰۷
حاجی لال خاں ٹیلی فون آپریٹر رحیم یار خان ۔ ۳۰۸:۔ محمد صدیق صدیقی
ٹیکسٹائل ملز لارنس پور ۔ ۳۰۹:۔ صدر الدین زمیندار ۔ میلسی ضلع ملتان
۳۱۰:۔ محمد چراغ آڑتی ضلع ملتان ۔ ۳۱۱:۔ چوہدری محمد علی انجنیئر ۔ ملتان کاٹن فیکٹری
۳۱۲:۔ محمد شفیع ٹیکسٹائل ملز منڈی بوریوالہ ۔ ۳۱۳:۔ چوہدری عبد محمد صاحب
مالک رتن سینما لاہور ۔ ۳۱۴:۔ بشیر احمد ورکس مستری چمن ۔ ۳۱۵:۔ محمد انور
کلرک امریکن کمپنی چمن ۔ ۳۱۶:۔ عبد الحق مدرس گورنمنٹ ہائی سکول چمن
۳۱۷:۔ محمد صادق چوکیدار آئل کمپنی چمن ۔ ۳۱۸:۔ میاں محمد سلیم ماسٹر ہائی سکول
چمن ۔ ۳۱۹:۔ نذیر احمد نظامی مستری ریلوے والبندین ۔ ۳۲۰:۔ علم دین
لائن مین چمن ۔ ۳۲۱:۔ غضنفر علی واپڈا ۔ ۳۲۲:۔ عبد الرشید بلوچ
اے ۔ ڈی ۔ آئی ۔ کوئٹہ ۔ ۳۲۳:۔ نیک محمد حسین ۔ او ۔ آر ۔ ڈی ۔ ڈپلو کوئٹہ
۳۲۴:۔ نیک عبد الغنی او ۔ آر ۔ ڈی ۔ ڈپلو کوئٹہ ۔ ۳۲۵:۔ محمد غیاث
جنرل مرچنٹ چمن ۔ ۳۲۶:۔ محمد جمیل صاحب تاجر چمن ۔ ۳۲۷:۔ محمد صدیق
صاحب تاجر چمن ۔ ۳۲۸:۔ چوہدری غلام رسول تاجر چمن ۔ ۳۲۹:۔ شیخ
منظہر الدین ڈی ۔ ای ۔ این ۔ لاہور ۔ ۳۳۰:۔ عیسٰی خان ۔ کیرج شاپ
۳۳۱:۔ سردار محمد سنار چک نمبر ۵۴ سانگلہ ہلز ۔ ۳۳۲:۔ امان اللہ سائیکل ورکس
بھوانہ بازار لائلپور ۔ ۳۳۳:۔ دلدار علی گھی فروش نہر بازار سمندری ۔

نام و مختصر پتہ

۳۳۴:۔ برکت علی کچہری بازار سمندری ۔ ۳۳۵:۔ حکیم منصب علی نہر بازار سمندری ۔ ۳۳۶:۔ غلام محمد تمباکو فروش نہر بازار سمندری ۳۳۷:۔ غلام سرور نہر بازار سمندری ۔ ۳۳۸:۔ ماسٹر احمد مسعود قریشی سکول مری ۔ ۳۳۹:۔ سید ریاض الدین شاہ صاحب خطیب بغدادی مسجد کراچی ۔ ۳۴۰:۔ ملک محمد عبدالحق پاکستان کالونی کراچی ۔ ۳۴۱:۔ مستری تاج حسین محلہ نواباں بہاول پور ۔ ۳۴۲:۔ چوہدری محمد حسین باجوہ آ عکس سی این خانیوال ۔ ۳۴۳:۔ چوہدری محمد نذیر رئیس حیدرآباد سندھ ۳۴۴:۔ خان محمد صاحب ڈھولن وال لاہور ۔ ۳۴۵:۔ محمد اسماعیل صاحب ڈھولن وال لاہور ۔ ۳۴۶:۔ چوہدری محمد حسین ڈھولن وال لاہور ۳۴۷:۔ چوہدری محمد شریف بیکو ۔ لاہور ۔ ۳۴۸:۔ خلیق احمد صاحب کیرج شاپ ۳۴۹:۔ محمد لطیف صاحب کیرج شاپ ۔ ۳۵۰:۔ محمد الیاس کیرج شاپ ۳۵۱:۔ مبارک علی کیرج شاپ ۔ ۳۵۲:۔ غلام رسول وحدت کالونی ۔ ۳۵۳:۔ چوہدری رجب علی صاحب ۔ لیہ ضلع ملتان ۔ ۳۵۴:۔ چوہدری اللہ دتا رئیس ملتان ۔ ۳۵۵:۔ محمد رمضان چک نمبر ۱۱ بوریوالہ منڈی ۔

اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُمْ كُلَّهُمْ

بِحُرْمَتِ رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْن

آمین

اِجتماعِ ضدّین

فی

شانِ قلندر رحمۃ اللہ علیہ

مُصنّفہ

محمد یوسف سہروردی